تفسیر بیان للناس

جلد چہارم

سورتوں کا انڈکس

مشتمل بر منزل چہارم

	نام سورۃ	نمبر سورۃ	صفحہ نمبر
☆	سورۃ بنی اسرائیل	۱۷	۱
☆	سورۃ الکہف	۱۸	۶۳
☆	سورۃ مریم	۱۹	۱۰۹
☆	سورۃ طٰہٰ	۲۰	۱۲۱
☆	سورۃ انبیاء	۲۱	۲۱۷
☆	سورۃ الحج	۲۲	۲۶۳
☆	سورۃ المومنون	۲۳	۲۹۸
☆	سورۃ النور	۲۴	۳۳۱
☆	سورۃ الفرقان	۲۵	۳۷۹

جملہ حقوق محفوظ

1999ء

محمد شاہد عادل نے

عالمین پریس سے چھپوا کر

دوست ایسوسی ایٹس اردو بازار لاہور

سے شائع کی۔

مکمل سیٹ - ۲۰۰۰/

قیمت جلد چہارم و پنجم - ۵۵۰/

فہرست مضامین تفسیر بیان للناس منزل چہارم

سورہ بنی اسرائیل ص۱
مضمون اور نظم و ربط ص۱
پیشگوئی کہ قریش مومن ہو کر رسول کریم کے ساتھ مل جائیں گے ص۱
سبحان کی صفت کا تعلق خوارق کی تردید کے ساتھ ہے ص۲
قرآن تمام قوموں کے پاس اسی طرح پہنچ گیا ہے جسطرح سورج چاند ستارے ہوا پانی آگ وغیرہ ص۲
اللہ تعالےٰ کے قوانین و سنن کبھی نہیں بدلتے ص۲
جسطرح مملوک کا وجود بغیر مالک کے ناممکن ہے اسی طرح ولد کا وجود بغیر والد کے محال ہے ص۲
جبری ایمان بالکل نکما ہے ص۳
اگر اللہ تعالےٰ بطور مثال کے کوئی معجزہ دکھائے تو ضرور ہے کہ اُسے گم کر دے تاکہ جبری ایمان پیدا نہ ہو ص۳
سو سال تک کے مردہ کی مثال ص۴
حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے وقت کے بادشاہ کا مباحثہ۔ ص۵،۶
قرآن کا دلی دشمن وہ ہے جو قرآن حکیم سے نامعقول باتیں پیدا کرے ص۸
قرآن حکیم حکمت اور صلاحیت والے اعمال سکھلاتا ہے۔ ص۸
قرآن حکیم میں ہر شے کا بیان آگیا ہے ص۹
لوگ بندوں کے اجتہادوں کو خدا کی تعلیم کے ساتھ مثلہٗ معہٗ بنا لیتے ہیں ص۱۰
وحی الٰہی خدائی حفاظت اور پہروں کے ساتھ اُترتی ہے ص۱۱
رسول کبھی مجنون و مسحور نہیں ہو سکتا ص۱۱
رسولوں کی عقل اور فہم کا فوق البشر نہ ہونا ص۱۲
رکعت الصلوٰۃ کی تنسیخ و عدم تنسیخ ص۱۳
اسلامی تاریخ کے معیار کے متعلق ص۱۳
نزول کلام اللہ کے طریقے ص۱۴
سورہ بنی اسرائیل کا رکوع اول
(سبحان الذی اسریٰ الخ) ص۱۵
مسجد اقصا، مشعر الحرام مکے کی دور کی مسجد ص۱۵
توحید الٰہی کے برخلاف کوئی تعلیم قابل قبول نہیں ص۱۷
نافرمانوں کو سزا دینے کے لئے خدا تعالےٰ ظالموں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے ص۱۸
جو قومیں خدا سے بیگانہ ہو جاتی ہیں۔ خدا اُن کی مسجدوں کو بھی تباہ کرا دیتا ہے ص۱۹
سورہ بنی اسرائیل کا رکوع دوم ص۲۰
قرآن مجید کی تفسیر صحیفہ فطرت میں پائی جاتی ہے ص۲۲
قرآن حکیم اور احادیث کا مقابلہ ص۲۳،۲۲

فہرست مضامین تفسیر بیان الناس — ب — منزل چہارم

صحیفہ فطرت قرآن کے معانی کے لئے سچا میزان ہے۔ ص۲۴

انسان جو کام کرتا ہے اس کے گلے کا ہار بن جاتا ہے۔ ص۲۵

سورہ بنی اسرائیل کا رکوع سوم ص۲۸

رسول کریم کو خدا فرماتا ہے کہ تو اپنے بازو مومنوں کے لئے نیچے کر ص۲۹

الحدیث خدا اور رسول کی اطاعت اور قضا کو مشلہ معہ قرار دیتے ہیں افسوس ص۳۰

سورہ بنی اسرائیل کا رکوع چہارم ص۳۱

زنا سے دنیا میں بدچلنی اور بدحالی پھیلتی ہے ص۳۲

رکوع پنجم (حکمت والے قرآن کی تعریف) ص۳۴

افسوس کہ ظالم ہمارے رسول کو ضد سے مسحور کہتے تھے۔ بخاری و مسلم نے بھی انکا ساتھ دیا۔ ص۳۶

سورہ بنی اسرائیل کا رکوع ششم ص۳۸

" " ہفتم (ملائکہ کا سجدہ) ص۴۱

" " ہشتم (یوم ندعو کل اناس بامامھم) ص۴۲

مشرک خالص توحید کے بیان کو سنکر نفرت کرتے تھے۔ ص۴۴

الحدیث کا طرز عمل قرآن حکیم کے متعلق ص۴۳

سورہ بنی اسرائیل کا رکوع نہم ص۴۹

اگر شرک کی تخریب نہ کی جائے تو توحید کا قیام نہیں ہو سکتا۔ ص۵۰

رکوع دہم (ویسئلونک عن الروح) ص۵۱

قرآن کی تحدی ص۵۲،۵۳

اگر نماز کی رکعات اور اذکار کا کوئی خاص تعلق ہوتا تو اس کا بیان کرنا ضروری ہوتا ص۵۴

کفار کا معجزات طلب کرنا اور اللہ تعالےٰ کا جواب ص۵۴،۵۵

رکوع یازدہم بشروں کے لئے بشر رسول کا آنا ہی لازم ہے ص۵۶

رسولوں کی لائی ہوئی تعلیم کی سند میں خوارق کو مانگنا فضول ہے ص۵۷

گمراہوں کے لئے کوئی شفاعت کا دم نہیں بھر سکتا۔ ص۵۸

سورہ بنی اسرائیل کا رکوع دوازدہم ص۵۹

سورۃ الکہف (مضمون اور نظم و ربط) ص۶۳تا۶۸

رکوع اول۔ (قرآن ہر کسر کجی سے خالی ہے) ص۶۹،۷۰

جبر طمع یا لالچ سے مذہبی تبلیغ منع ہے ص۷۱

رکوع دوم (اصحاب کہف کے اصلی حالات) ص۷۲

" سوم (اصحاب کہف کی موشی کا نقشہ) ص۷۶

رکوع چہارم ص۷۷

رکوع پنجم ص۸۲

رکوع ششم (باقیات الصالحات) ص۸۵

رکوع ہفتم ص۸۸

رکوع ہشتم ص۸۹

رکوع نہم (حضرت موسیٰ کا سفر بجانب مدین) ص۹۱

رکوع دہم ص۹۶

سورۃ الکہف کا رکوع یازدہم (ذی القرنین کا حال) ص۱۰۰

رکوع دوازدہم (شرک کی عام طور پر تردید) ص۱۰۵

سورۃ الکہف کا خلاصہ۔ صلاحیت والے اعمال کئے جائیں۔ شرک نہ کیا جائے اور خدا تعالےٰ کی ملاقات کی امید رکھی جائے ص۱۰۸

سورۃ مریم ص۱۰۹

مضمون اور نظم و ربط ص۱۰۶

خدا کا بیٹا قرار دینے کی تردید۔ حضرت مریم کی پیدائش۔ ولادت مسیحؑ ص۱۰۹/۱۳۱

رکوع اول (حضرت یحییٰ کی پیدائش) ص۱۳۱

سورہ مریم کا رکوع دوم (ولادت مسیحؑ) ص۱۳۶

" " سوم (حضرت ابراہیمؑ کا ذکر خیر) ص۱۴۵

سورہ مریم کا رکوع چہارم (جناب موسیٰ علیہ السلام و ہارونؑ و اسمٰعیلؑ و ادریسؑ کا ذکر) ص۱۵۱

سورہ مریم کا رکوع پنجم (جزا و سزا کے متعلق کفار کا ایک اعتراض) ص۱۵۶

سورہ مریم کا رکوع ششم (شفاعت کے متعلق ارشاد الٰہی) ص۱۶۱/۱۶۵

سورۃ طٰہٰ ص۱۶۶

مضمون اور نظم و ربط ص۱۶۶

حضرت مسیحؑ کے باپ ہونے پر دلائل ص۱۶۶

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے سانپ کے مشابہ بن جانے کی حقیقت ص۱۶۸

سورہ طٰہٰ کا رکوع اول (موسیٰ علیہ السلام منصب نبوت پر سرفراز ہوتے ہیں) ص۱۷۰

سورہ طٰہٰ کا رکوع دوم (شرح صدر۔ حضرت موسیٰؑ پر اللہ تعالےٰ کے احسانات) ص۱۷۵

سورہ طٰہٰ کا رکوع سوم (حضرت موسیٰؑ کا فرعون کے دربار میں تبلیغ کرنا اور معجزات دکھلانا) ص۱۸۵

سورہ طٰہٰ کا رکوع چہارم (حضرت موسیٰؑ کا عبور بحر۔ طور پر اعتکاف۔ قصہ سامری) ص۱۹۲

سورہ طٰہٰ کا رکوع پنجم (حضرت موسیٰؑ کا بچھڑے کی پرستش کے متعلق تحقیقات کرنا۔ حضرت ہارونؑ کو ڈاڑھی کے بالوں سے پکڑنا وغیرہ) ص۱۹۷

سورہ طٰہٰ کا رکوع ششم (کچھ شفاعت کے متعلق) ص۲۰۳

حضرت آدم کی بھول ص۲۰۵

سورہ طٰہٰ کا رکوع ہفتم ص۲۰۶

ملائکہ کو مسجود آدم بننے کا حکم ص۲۰۶

آدم اور ابلیس کا قصہ قدرتی حقیقت کو دکھانے کے لئے مثالی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس کا ثبوت قرآن مجید سے کئی طرح پر ملتا ہے ص۲۰۸/۲۱۰

سورہ طٰہٰ کا رکوع ہشتم ص۲۱۴

سورۃ الانبیاء ص ۲۱۷
مضمون اور نظم و ربط ص ۲۱۷
سورۃ الانبیاء کا رکوع اول (لوگوں کے لئے اُن کا حساب قریب ہے) ص ۲۲۰
رسول اللہ کے متعلق منکرین کے خیالات ص ۲۲۱
سورۃ الانبیاء کا رکوع دوم (حق کی مخالفت کرکے قومیں ہمیشہ تباہ ہوتی رہی ہیں) ص ۲۲۳
عقل کے ماتحت ہی کلام کرنا پسندیدہ ہے ص ۲۲۵
صرف ایک ہی معبود ہے کوئی نبی اور فرشتہ اسکا شریک نہیں۔ ص ۲۲۷
رسول سب بندے تھے۔ اُنھوں نے توحید پر چلکر ہی ترقی پائی ص ۲۲۸
شفاعت کے متعلق ص ۲۲۹
سورۃ الانبیاء کا رکوع سوم (خود خدا ہی جہان کی ابتدائی پیدائش کرتا ہے) ص ۲۲۹
بشر مرنے والے ہیں اور خدا کے انتظام سے باہر نہیں ہو سکتے۔ ص ۲۳۱
سورۃ الانبیاء کا رکوع چہارم ص ۲۳۳
سورۃ الانبیاء کا رکوع پنجم (دین اسلام کے ثبوت کے لئے تاریخی نمونہ) ص ۲۳۶
جناب ابراہیمؑ اور اُن کے باپ کا مکالمہ ص ۲۳۶ ۲۳۷
جناب ابراہیمؑ کا بُت شکنی کرنا ص ۲۳۹
حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کا واقعہ ص ۲۴۰
حضرت لوطؑ کا ذکر خیر ص ۲۴۳
سورۃ الانبیاء کا رکوع ششم (نوحؑ کے حالات) ص ۲۴۳
داؤدؑ اور سلیمانؑ کا فیصلہ متعلق کھیتی ص ۲۴۴
داؤدؑ کے ہمراہ اہل جبال کا اللہ کی یاد کرنا۔ ص ۲۴۵
لفظ طیر کے معانی ص ۲۴۶
داؤدؑ کو زرہ کی کاریگری سکھائی گئی ص ۲۴۹
حضرت سلیمانؑ کے لئے ہوا کا کام میں لگنا۔ ص ۲۴۹
حضرت ایوبؑ پر انعام کا ذکر ص ۲۵۳
حضرت اسمٰعیلؑ و ادریسؑ و ذالکفل کا تذکرہ ص ۲۵۳
حضرت یونسؑ و زکریاؑ کا اللہ کی جناب میں عاجزی کرنا۔ ص ۲۵۵
حضرت زکریاؑ کی بیوی اور جناب مریم صدیقہ کا ذکر ص ۲۵۶
فرقہ بندی کی تردید وتقطعوا امرھم بینھم الخ ص ۲۵۷
سورۃ الانبیاء کا رکوع ہفتم (یاجوج و ماجوج کے متعلق) ص ۲۵۸
زمین کے وارث صالح بندے ہوتے ہیں۔ ص ۲۶۱
وما ارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین ص ۲۶۱
سورۃ الحج ص ۲۶۳
مضمون اور نظم و ربط ص ۲۶۳

فہرست مضامین تفسیر بیان للناس — ۷ — منزل چہارم

حج کا بیان سورہ بقرہ۔ آل عمران۔ سورہ مائدہ۔ سورہ نور اور سورہ فتح میں بھی آیا ہے ص۲۶۳

حج کا مقصد ص۲۶۳

مکہ میں حضرت اسمٰعیل کے بعد نبی کریمؐ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا۔ ص۲۶۴

مطلوب حقیقی خدا تعالےٰ کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتا ص۲۶۵

خدا تعالےٰ کے سوائے باقی تمام اشیاء اپنی ذات میں ہالک ہیں ص۲۶۵

سورۃ الحج کا رکوع اول (اللہ تعالےٰ زبردست حملوں سے اپنی حکومت دکھاتا رہتا ہے) ص۲۶۶ ۲۶۷

جب زلزلہ آتا ہے تو وہی قوم جس پر زلزلہ آتا ہے مرکر خدا تعالےٰ کے حضور پیش ہو جاتی ہے۔ ص۲۶۸

خدا تعالےٰ کی قدرت کاملہ کے ثبوت میں انسانی پیدائش کا ذکر ص۲۶۹

پیشی کی گھڑی اپنے اپنے وقت پر آتی رہتی ہے۔ ص۲۷۰

سورۃ الحج کا رکوع دوم (آخرت کی جزا و سزا) ص۲۷۱

ماسوائے اللہ سے دعا مانگنا مشرکوں کا کام ہے۔ ص۲۷۲

رسول کریمؐ کی کامیابی کی زبردست پیشگوئی ص۲۷۳

خدا تعالےٰ کے کافی ہونے پر شہادت ص۲۷۴

کفر و شرک آگ ہے ص۲۷۶

سورۃ الحج کا رکوع سوم (مومنوں کے انعامات کا ذکر) ص۲۷۷

سورۃ الحج کا رکوع چہارم (احکام حج) ص۲۷۸

سورۃ الحج کا رکوع پنجم (احرامت کے مناسک) ص۲۸۰

" " ششم (اجازت قتال) ص۲۸۳

اللہ تعالےٰ کے انکار اور نافرمانی کا نتیجہ ص۲۸۵

سورۃ الحج کا رکوع ہفتم (اللہ تعالےٰ قرآن حکیم میں شیطانی القاؤں کو مٹاتا اور اپنی آیات کو محکم بناتا ہے) ص۲۸۸

سورۃ الحج کا رکوع ہشتم (شہداء اور مہاجرین کے اجر عظیم) ص۲۹۰

سورۃ الحج کا رکوع نہم (رسمی طریقے کسی دین کی عظمت کا باعث نہیں ہوتے) ص۲۹۱

عبادت کے طریقوں کو اصل ٹھہرانا سرتاپا غلط ہے ص۲۹۳

سورۃ الحج کا رکوع دہم (بندہ نہ کبھی معبود بن سکتا ہے اور نہ خدا کے ساتھ کسی بات میں مثلہٗ معہٗ) ص۲۹۵

بلاشبہ خدا کی عبادت اور مخلوقات کی حریت و مساوات ہی اصل چیزیں ہیں ص۲۹۶

ھو سمکم المسلمین الخ ص۲۹۶

سورۃ المومنون ص۲۹۸

مضمون اور نظم و ربط ص۲۹۸

مومنوں کی فلاح و نجات کے اصلی اسباب ص۲۹۸

فہرست مضامین تفسیر بیان للناس — و — منزل چہارم

سورۃ المومنون کا رکوع اول (دین کاموں سے خلق خدا کا بھلا ہو۔ ان سے بچو) ص۳۰۲
لونڈی غلاموں کو اسلام ہی نے آزادی دلائی ہے ص۳۰۳
سورۃ المومنون کا رکوع دوم (اللہ تعالیٰ کس طرح نیکوں کو غلبہ دیتا ہے) ص۳۰۵
طوفان نوحؑ ص۳۰۹
سورۃ المومنون کا رکوع سوم (حضرت ہود کا ذکر کافر خدا کے فرمان کو بشروں کا اپنا قول سمجھ کر اعتراض کرتے تھے حضرت موسیٰ کا ذکر مسیح کا تذکرہ) ص۳۱۱
سورۃ المومنون کا رکوع چہارم اصل نیکیاں ص۳۱۶
حق کو باپ دادے کی تقلید کی بنا پر جھٹلانا نہیں چاہیئے۔ ص۳۱۹
سورۃ المومنون کا رکوع پنجم (مظاہر قدرت) ص۳۲۱
سورۃ المومنون کا رکوع ششم (ظالموں کی سزا دنیا میں اکثر ڈبو دینے کا سبب ہوتی ہے) ص۳۲۵
ناقدردان لوگ فلاح نہیں پاتے ص۳۳۰
سورۃ النور ص۳۳۰
مضمون اور نظم و ربط
اس سورت میں زنا اور ہمجنسی سے بچنے پر زور دیا گیا ہے ص۳۳۱
غلام اپنی مالک کے لئے گھر میں داخل ہے۔۔ لونڈیاں مالکوں کے لئے بمنزلہ بیٹیوں کے ہیں ص۳۳۲
نور کا کام مخفی شے کو ظاہر کرنا ہے ص۳۳۳
سورۃ النور کا رکوع اول (خدا تعالیٰ نے تمام قرآن مجید کو دستور العمل بنایا ہے) ص۳۳۴
زنا کی مذمت اور سزا ص۳۳۵
پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا ظلم عظیم ہے ص۳۳۶
زنا کے ثبوت کے لئے گواہوں کی ضرورت ص۳۳۷
سورۃ النور کا رکوع دوم واقعہ افک سے حضرت عائشہؓ کی بے تعلقی ص۳۴۰
سورۃ النور کا رکوع سوم ص۳۴۳
چھوٹے لڑکوں کے لئے سزا ص۳۴۵
رشتے ناطے (اخلاق اور باعتبار لوگوں سے کرنے چاہئیں) ص۳۴۵
سورۃ النور کا رکوع چہارم (سوسائٹی کے نظام کے لئے بعض اہم قواعد) ص۳۴۶
بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونے کی ممانعت ص۳۴۶
ان مقامات کا ذکر جہاں بغیر اجازت جانے کی ممانعت نہیں ص۳۴۷
پردہ کے متعلق احکام ص۳۴۸
رشتہ داروں میں کن کن سے پردہ کرنا ضروری ہے ص۳۴۹

فہرست مضامین تفسیر بیان للناس ز منزل چہارم

مجرد لوگ سوسائٹی کے لئے خطرناک ہیں۔ ص ۳۴۹
غیر مستطیع ہونے کی صورت میں اختیار عفت۔ ص ۳۵۰
لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرنا چاہئے ص ۳۵۱
سورۃ النور کا رکوع پنجم ص ۳۵۲
اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔
اس کے نور کی مثال ص ۳۵۴
اس دنیا میں آدمی اپنے چاؤں سے خوش ہوتا ہے۔ عالم آخرت میں حق کی محبت ہی مفید معلوم ہوتی ہے۔ ص ۳۵۴
کافروں کے اعمال ریگ رواں کی مانند ہیں۔ ص ۳۵۵
سورۃ النور کا رکوع ششم (خدا کی قدرت کے ثبوت)
وینزل من السماء من جبال فیھا
کے معانی ص ۳۵۹
قوانین انصاف کے سامنے کافر و مومن برابر ہیں۔ ص ۳۶۰
سورۃ النور کا رکوع ہفتم ص ۳۶۵
کافر و منافق بالعموم خود غرض ہوتے ہیں ص ۳۶۵
ہمارے پہلے خلیفہ رسول کریم تھے۔ ص ۳۷۰
سورۃ النور کا رکوع ہشتم ص ۳۷۱
ثلث عورٰت لکم کے معانی ص ۳۷۲
ہم کن رشتہ داروں کے گھر سے کھانا کھا سکتے ہیں۔ ص ۳۷۴
سورۃ النور کا رکوع نہم ص ۳۷۵
حاکم کے بلاوے یا سمن کو دوسروں کے بلاوے کی طرح نہیں جاننا چاہئے۔ ص ۳۷۵
سورۃ الفرقان ص ۳۷۹
مضمون اور نظم و ربط ص ۳۷۹
سورۃ الفرقان کا رکوع اول ص ۳۸۰
صحیفہ فطرت ایک کل ہے۔ وہ کتاب کی طرح علم سکھاتی ہے لیکن خود عالم و عاقل۔ مدبر اور مختار نہیں ہے۔ ص ۳۸۱
قوانین قدرت کے علاوہ انسان کا اختیار بھی خدا کے کھلے اختیار کے ماتحت ہے ص ۳۸۲
دشمن بھی گواہی دیتے ہیں کہ قرآن رسول کریم کے وقت لکھا جاتا تھا۔ ص ۳۸۳
جادو کی حقیقت ص ۳۸۴
جادوگر ذلیل و خوار اور منگتے ہوتے ہیں ص ۳۸۶
سورۃ الفرقان کا رکوع دوم ص ۳۸۶
" " " سوم ص ۳۸۹
تمام نبیوں کے ساتھ لوگ اسی طرح دشمنی کرتے رہے ہیں اور وحی الٰہی کی قدر سنتے رہے ہیں ص ۳۹۲
کافر کہتے تھے۔ اگر قرآن کافی ہے۔ تو یکلخت سارے کا سارا کیوں نہیں اترتا۔ ص ۳۹۳
اس اعتراض کا جواب
وحی والی تفسیر کسی بندے کے ذہن

نہیں ڈالی جا سکتی۔ ص ۳۹۴

عالم ہمیشہ جبر مذہبی کے حامی ہوتے ہیں ص ۳۹۵

قوم لوط کی ہلاکت کا ذکر ص ۳۹۵

سورۃ الفرقان کا رکوع پنجم ص ۳۹۷

تمام اشیاء کے سائے خدا کو ہی سجدہ کر رہے ہیں۔ ص ۳۹۸

قرآن کی کامل اور متحد کر دینے والی تعلیم کے آجانے کے بعد کسی تشریعی وحی کی ضرورت نہیں۔ ص ۳۹۹

نیک عیسائی رحمن کی پوجا کرتے آئے ہیں ص ۴۰۱

سورۃ الفرقان کا رکوع ششم ص ۴۰۲

رحمان کے بندوں کی صفات ص ۴۰۲

تم عاجز انسان ہو۔ تمہاری حالت ترقی کی طالب ہے۔ ص ۴۰۶

نذر

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ
وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

نیاز آگین

احمد الدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

قرآن مجید سے جو محبت مسلمانوں کو ہے اسے مدنظر رکھتے ہوئے اس کتاب عظیم کو سمجھنے سمجھانے کے لیے ہزاروں تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ اگرچہ ان میں سے زیادہ تفسیریں تو عربی زبان میں ہیں تاہم اردو زبان میں بھی ان مبارک کتابوں کی کوئی کمی نہیں' اردو کی ان تفاسیر میں سے مندرجہ ذیل پانچ تفاسیر اپنے اپنے وقت میں بڑی مشہور اور ہردلعزیز ہوئیں۔

۱	تفسیر مواہب الرحمٰن از مولوی سید امیر علی صاحب	تیس جلدوں میں
۲	تفسیر القرآن بالقرآن از سر سید احمد خان	سات جلدوں میں
۳	تفسیر غرائب القرآن از ڈپٹی نذیر احمد صاحب	ایک ضخیم جلد میں
۴	تفسیر بیان للناس از خواجہ احمد دین امرتسری	سات جلدوں میں
۵	تفسیر القرآن از مولوی عبد اللہ چکڑالوی صاحب	ایک ضخیم جلد میں

یہ تمام تفاسیر کچھ عرصے سے نایاب تھیں۔ ان تفاسیر میں کچھ باتیں ہمارے قدامت پسند علماء حضرات کے مزاج کے خلاف تھیں اس لیے کوئی ناشر انہیں شائع کرنے پر تیار نہ تھا۔ لیکن پڑھے لکھے لوگ جو قرآن مجید کو موجودہ دور کی روشنی میں سمجھنا چاہتے تھے۔ برابر ان تفاسیر کی اشاعت کا مطالبہ کرتے رہے۔ تفسیر مواہب الرحمٰن کو تو دو ناشروں نے بڑے خوبصورت انداز میں شائع کر دیا لیکن دوسری تفاسیر کے بارے میں ان کا رویہ حوصلہ افزا نہیں تھا۔ راقم نے جب انہیں قائل کر دیا کہ جو علماء حضرات ان تفاسیر پر تنقید کرتے ہیں۔ انہوں نے ان تفاسیر سے صفحات کے صفحات نقل کر کے اپنی تحقیق کے طور پر پیش کیا ہے۔ تو پھر انہوں نے ان تفاسیر کی اشاعت کی حامی بھر لی۔

ان میں سے پہلے ڈپٹی نذیر احمد صاحب کی تفسیر غرائب القرآن شائع ہوئی پھر سر سید احمد خان کی تفسیر کی باری آئی اور اب خواجہ احمد دین صاحب کی تفسیر "بیان للناس" تعلیم یافتہ لوگوں کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ ان پانچوں تفاسیر کی سب سے بڑی اہم خصوصیت یہ تھی کہ ان کے مولف نہ صرف یہ کہ عربی زبان کے بہت بڑے عالم تھے بلکہ اپنے زمانے کے لحاظ سے کافی روشن خیال تھے۔ اور عربی زبان کے علاوہ دوسرے علوم پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ خواجہ صاحب عربی زبان کے استاد ہونے کے علاوہ ایک بہت بڑے جغرافیہ دان بھی تھے' اسلئے قرآن مجید کے جن مقامات کا تعلق جغرافیہ سے تھا' اسکی انہوں نے بہت ہی خوبصورت تفسیر بیان کی ہے۔ امید ہے کہ موجودہ دور کے قارئین اس تفسیر کو بہت پسند کریں گے۔

جہاں تک مولوی عبد اللہ چکڑالوی صاحب کی تفسیر کا تعلق ہے۔ تو بندہ نے اس کی تعریف اپنے پردادا سے سنی تھی' اور کوشش کے باوجود مجھے یہ تفسیر کہیں سے نہ مل سکی۔ اتفاق سے جب میں کالج سے ریٹائر ہوا تو یہ تفسیر مجھے مل گئی۔ اس کی تقطیع بہت بڑی ہے۔ انشاء اللہ اس نادر تفسیر کو بھی جلد ہی قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔

دعاگو

رفیع اللہ شہاب

اچھرہ لاہور

۱۸ اپریل ۱۹۹۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منزل چہارم

سورہ بنی اسرائیل

مضمون اور نظم و ربط

اس منزل میں نو سورتیں ہیں۔ پہلی پانچ کی سورتیں ہجرت کے زمانہ کے قریب اُتری ہیں۔ جسطرح تیسری منزل کی سورتوں کا حال ہے۔ یہ سورت بنی اسرائیل ہے۔ اس سورت کی آیہ ۷۶ میں مشرکوں کی اُن تجاویز کا ذکر ہے جنہیں وہ رسول اللہ کو مکے سے نکالنے کے لئے کرتے تھے۔ آیۂ ۸۰ میں ہجرت کے متعلق دعا سکھائی گئی ہے جو نمازوں میں پڑھی جاتی تھی۔ ہجرت کے بعد مشرکین قریش کے سردار بہت جلد تباہ ہو گئے اور مکہ کے لوگ مومن بنکر رسول کریم کے ساتھ مل گئے۔ لوگ پہلے رسول کریم کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ فتح مکہ کے وقت ہر طرف سے تعریفیں ہونے لگیں۔ جیساکہ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا سے ثابت ہے۔ آیۂ ۸۱ میں ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا ہے کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بلاشبہ باطل مٹنے والا ہی ہے۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قریش مومن ہو کر رسول مقبول کے ساتھ مل جائینگے۔ پہلی سورتوں سے بھی ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں بعض سورتوں کے سروں پر اللہ تعالےٰ کی ایسی صفات آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ تمام عیبوں سے پاک ہے۔ ایسی سورتوں میں کافر لوگ اللہ تعالےٰ پر کوئی عیب لگاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اس عیب سے اپنی بریت ثابت کرتا ہے۔ یہ سورت اُن سورتوں میں سے ایک ہے۔ اس کے شروع میں سبحان کا لفظ آیا ہے۔ پھر اس سورت کے گیارھویں رکوع میں کافر لوگ ہمارے رسول کریم سے بعض خوارق طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ جواب میں فرماتا ہے قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سبحان کی صفت کا علاقہ ایسے خوارق کی تردید کے ساتھ ہے۔

ان خوارق میں کفار نے ہمارے رسول کریم سے ایک یہ سوال بھی کیا تھا کہ آپ آسمان میں چڑھ جائیں۔ سو اگر حضور اسوقت تک آسمان سے ہو آئے ہوتے تو آپ ضرور فرما دیتے کہ میں شب معراج میں آسمان سے ہو آیا ہوں۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں فرمایا۔ حضور غار میں چھپکر اور کفار سے بچکر بڑی مشکل کے ساتھ مدینہ میں پہنچے۔ آپ کے لئے کوئی براق نہیں آیا۔ لیکن بیت المقدس تک، جو مدینے سے چار گنا زیادہ دور ہے تھوڑی سی رات میں پہنچ گئے۔ اسی غلطی کو نکالنے کے لئے اس سورت کی پہلی آیت پر بھی سبحان کا لفظ لایا گیا ہے۔ حدیثیں اس آیت کو معراج کے متعلق بیان کرتی ہیں۔ حدیثی تفسیر بلا شبہ ایسی ہی ہوا کرتی ہے۔ سیدھی باتوں کو دیو پری کا قصہ بنانا حدیثوں کا ہی کام ہے۔

اللہ تعالےٰ کا وحی ملائکہ کے ذریعہ سے رسولوں کے پاس پہنچتا ہے۔ اور رسولوں اور دیگر مبلغین کے ذریعہ سے عاقل بالغ انسانوں کو مل جاتا ہے۔ قرآن تمام قوموں کے پاس اسی طرح بلا کم و کاست پہنچ گیا ہے جسطرح سورج اور چاند اور نئے نئے ستارے اور ہوا اور پانی اور آگ اور مٹی سب کو مل جاتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کے قوانین و سنن کبھی نہیں بدلتے اور کبھی غلطی نہیں کرتے۔ ہر کام حکمت اور معینہ قوانین کے ماتحت ہو رہا ہے۔ بے بدل قوانین سے علم حاصل ہوتا ہے۔ اگر قوانین کا توڑا جانا تسلیم کیا جائے تو تمام علم ضائع ہو جائینگے۔ اگر ایک پیمانہ صبح کو ایک سیر کا ہو اور دوپہر کو اس میں وہی چیز بیس سیر آجائے۔ اور شام کو اس کی سمائی پانچ سیر اور رات کو اسی پھیلاؤ میں اسی کثافت والی چیز دس سیر سمائے تو تمام علم ضائع ہو جائیں۔ اور دنیا کا کسی صورت سے بھی قیام نہ رہے۔ ایک کمرہ میں جو دس گز لمبا اور دس گز چوڑا اور دس گز اونچا ہو ٹھوس لکڑی کے ٹکڑے جو ایک گز لمبے ایک گز چوڑے اور ایک گز موٹے ہوں ایک ہزار سے زیادہ نہیں سما سکینگے۔ سیڑھی پر چڑھنے کے لئے تمام زینوں کو عبور کرنا لازم ہوگا ایک شخص جب انہتر دفعہ غلطی کر چکا تب اس کے لئے سترھویں دفعہ غلطی کرنے کا موقعہ آئیگا۔ ہر معلول کے لئے مناسب علت درکار ہے۔ اگر یہ قاعدہ ٹوٹ جائے تو خدا تعالےٰ کے ثبوت کا بھی کوئی ذریعہ باقی نہیں رہیگا۔ والد وہی ہو سکتا ہے جسکا کوئی نہ کوئی ولد ہو مملوک وہی ہے جسکا کوئی نہ کوئی مالک ہو۔

جسطرح مملوک کا وجود بغیر مالک کے ناممکن ہے اسی طرح ولد کا وجود بغیر والد کے محال

ہے۔ انسان ابتدا میں جوڑا بننے کے لئے باپ کے بغیر پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ اُسوقت اسکا اسی طرح سے پیدا کیا جانا حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ لیکن ولد بغیر والد کے نہیں ہو سکتا۔ جن الفاظ میں نسبی علاقہ ہے اُن میں دونوں نسبتوں کا قائم رہنا ضروری ہے۔ جب ایک نسبت کی نفی کی جائیگی تو دوسری کی نفی ساتھ ہی ہو جائیگی۔ خدا تعالےٰ اپنے اندازوں اور حکمتوں کے برخلاف کوئی کام نہیں کرتا۔

جبری ایمان بالکل نکما ہے۔ جہنم کو دیکھکر ہر شخص ایمان لے آتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی جانب کو ترجیح دیکے۔ شبہات و مشکلات کا مقابلہ کرکے۔ خدا تعالےٰ پر جو ایمان محبت و اخلاص کے ساتھ لایا جاتا ہے اور وہ ایمان غور و فکر سے حاصل ہوتا ہے اصل ایمان وہی ہے۔ جو ایمان خوارق سے حاصل ہوتا ہے وہ جبری ایمان ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کو ایسے معجزات دکھا کر ایمان دینا منظور ہوتا تو وہ انسان کو صاحب اختیار نہ بناتا بلکہ سب کو بالضرور ہدایت پر ہی جمع کر دیتا۔ جاہلوں کے نزدیک دنیا میں ایسے جبری ایمان کی ہی ضرورت ہے۔

اس سورت کی ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳ آیات میں جن خوارق کو مشرک مانگتے تھے بلاشبہ اُن سے جبری ایمان حاصل ہو سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کو ایسا ایمان منظور نہیں۔ پس ایسے معجزات کا دکھلانا حکمت الٰہیہ کے برخلاف ہے۔ لوگ جن خوارق کو مانگتے تھے۔ اُن کے مطابق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ بشر رسول ایسے خوارق نہ خود ہی دکھلا سکتا ہے اور نہ دعا مانگ کر ہی لا سکتا ہے۔ نیز چونکہ یہ خوارق جبری ایمان کو پیدا کرنے والے ہیں اسلئے اُن کا دکھلانا حکمت الٰہیہ کے مخالف ہے۔ پس میرا رب اس عیب سے پاک ہے۔ بشروں کی طرف بشر رسول ہی آ سکتے ہیں۔ بشر رسول بشروں کو وہی نمونہ دکھلا سکتا ہے جس پر دوسرے بشر چل سکتے ہیں۔ قرآن کریم کی وحی تو سب کو بالواسطہ یکساں پہنچ سکتی ہے لیکن ایسے خوارق سب کو نہیں مل سکتے۔

اگر اللہ تعالےٰ بطور مثال کے کوئی ایسا معجزہ دکھلائے تو ضرور ہے کہ اُسے مُنکر کرے کہ جبری ایمان پیدا نہ ہو جیسا کہ فرمایا ہے کہ

ان لوگوں نے اللہ کی قسمیں پکی کر کے کھائی ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشان آیا تو یہ اسے مان لیں گے۔ تو کہہ کہ سوائے اس کے نہیں کہ (معقول) نشان تو خدا کے پاس ہیں

(اگر وہ چاہے تو حکمت کے قواعد کے مطابق اُنھیں دکھلا سکتا ہے) اور تمہیں کیا خبر ہے کہ جب وہ نشان آئیں گے تو یہ نہیں مانیں گے۔ اور ہم اُن کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دینگے (اور ویسا ہی بنا دینگے) جسطرح وہ اس پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور اُنھیں چھوڑ دینگے۔ کہ وہ اپنی سرکشی میں بہکے پھریں ۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے وہی ایمان چاہا گیا ہے جسے وہ بلا جبر و اکراہ اپنے اختیار اور سمجھ سے حاصل کر سکیں۔ ایسا ایمان مقبول نہیں جو معجزات کو دکھلا کر جبری طور پر لایا جائے۔

ایک شخص کے متعلق مشہور تھا کہ وہ سو سال تک مردہ پڑا رہا۔ لیکن اُسے نہ کسی درندہ نے کھایا۔ نہ اُسے کیڑے ہی خورد برد کر گئے۔ نہ کسی شخص نے اُسے دیکھکر دفن کیا۔ جب وہ ہوش میں آیا تو اُس کے جسم پر کوئی ایسا نشان موجود نہیں تھا جس سے معلوم ہو کہ وہ سو سال تک پڑا رہا ہے۔ اس کا کھانا پانی بھی سو سال تک غیر متغیر ہی رہا۔ اور گدھا بھی جوں کا توں پاس بندھا ہوا تھا۔ نہ اُس کے کھانے کو کوئی اُٹھا کے لے گیا اور نہ اُس کے گدھے کو ہی کسی نے دیکھا۔ جب اُس شخص سے پوچھا گیا کہ تو نے کتنی دیر کی تو اس نے بھی یہی کہا کہ میں نے دن یا دن کا کچھ حصہ دیر کی ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُس شخص کی موت کے ثبوت کے لئے کوئی بات ایسی نہیں پیش کی گئی جس سے کسی کو پتہ لگ سکے کہ وہ سو سال تک مردہ پڑا رہا ہے۔ خدا تعالےٰ نے اس شخص کی مثال کو لوگوں کے لئے ایک نمونہ بنایا ہے تاکہ وہ لوگ سمجھ لیں کہ کسی کی صد سالہ موت کا ایسا ثبوت کچھ کام نہیں دے سکتا۔ ہاں جب اُس شخص کو جس کی موت کا واقعہ مثال کے طور پر بیان کیا گیا ہے قدرتی نشان دکھلائے اور اُس کی نظر بچوں کی ہڈیوں پر ڈالی گئی جو مٹیوں میں تیار ہوتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی قدرتوں کا معائنہ کرایا گیا تو وہ بول اُٹھا کہ خدا تعالےٰ کی قدرت کے ثبوت میں یہ بات کافی ہے۔ میری مثالی موت جسکا کسی کو بھی علم نہیں کسی کے لئے کوئی ثبوت نہیں بن سکتی۔

اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے وقت کے بادشاہ کے ساتھ خدا کی ذات کے متعلق مباحثے کا بیان ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے یہ دلیل پیش کی کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس نے کہا کہ اس طرح زندہ کرنا اور مارنا میرے بھی اختیار

میں ہے۔ ایسے رب کے لئے واحد ہونا ضروری نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس دلیل پر زیادہ روشنی نہ ڈال سکے اسلئے آپ نے دوسری دلیل پیش کی۔ کہ میرا رب سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو تُو اسے مغرب سے لے آ۔ اس دلیل کو سُنکر وہ ظالم حیران رہ گیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جن کو میں خدا کا شریک بناتا ہوں وہ سب سُورج کے بعد ہی پیدا ہو سکتے ہیں پس وہ سورج کے بنانے یا مشرق سے لانے والے نہیں ہو سکتے۔

ممکن ہے کہ اسوقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظر اپنی پہلی دلیل پر گئی ہو اور ضرور ہے کہ اُنھوں نے اس کے متعلق غور کیا ہو پس اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ کا خطاب حضرت ابراہیمؑ کی طرف ہونا ہی مناسب ہے تاکہ تینوں قصے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ہی ہو جائیں اور وہی ان لوگوں کے لئے امام بنے۔ پہلے قصے میں بھی انہی کا ذکر ہے اور تیسرے قصے میں بھی اُنھیں کا بیان ہے۔

کمترین نے ان آیات کی تفسیر میں ایسا ہی لکھا ہے لیکن اگر یہ خطاب ہمارے رسول کریمؐ کو ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام کا پہلا قصہ نازل ہوا تو حضور نے حضرت ابراہیمؑ کی پہلی دلیل کے متعلق غور کیا تو اللہ تعالےٰ نے آپ کے لئے ہی اس مشہور شخص کی مثالی موت کا ذکر فرمایا اور پھر قدرتی دلائل سے اُس کے تسلی یاب ہونے کا اظہار کیا۔ اس شخص کی صد سالہ مثالی موت کا تو قرآن مجید میں صراحتاً ذکر ہے۔ لیکن گدھے کی مثالی موت کا کوئی اشارہ نہیں۔ جبکہ کھانے پانی پر جو اس شخص کی ذات سے خارج تھے سالوں کا کوئی اثر نہیں ہوا تو گدھے پر کہ وہ بھی خارجی اشیاء میں داخل تھا کیسے اثر ہو گیا۔ اس شخص کو گدھے کی طرف نظر کرنے کا حکم ہوا تھا نہ گدھے کی ہڈیوں کی طرف۔ پس یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اسوقت گدھا موجود نہیں تھا صرف ہڈیاں ہی موجود تھیں۔ قدرتی کام بتدریج ہوتے ہیں اور ان میں حکیمانہ ترتیب کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اگر گدھے کا معاملہ بھی خارق عادت تھا تو آگے یہ ترتیب کیوں بیان کی کہ دیکھ ہم ہڈیوں کو کس طرح بڑھاتے ہیں اور اُن پر گوشت پہناتے ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ تمام کام قدرتی قواعد کے مطابق ہوتے ہیں تو اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ جب کام طبعی قواعد کے مطابق انجام پاتے ہیں تو اس میں خدا تعالےٰ کا دخل کسطرح ہو سکتا ہے۔

اس سوال کے جواب میں دانا لوگ اُن سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم قوانین فطرت کو

بدل سکتے ہو تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ نہیں۔ پھر اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ تم ان قوانین پر کسی قدر اپنا تصرف چلا سکتے ہو یا نہیں تو معترض کہتے ہیں کہ ہم اپنے تصرف سے مختلف نتائج نکال سکتے ہیں۔ اس طرح دانا اُنھیں قائل کر لیتے ہیں کہ جب تمہارا تصرف اس نیچر پر چل سکتا ہے حالانکہ تم اس کے پیدا کرنے والے نہیں تو کیا خالق کا تصرف ہی اس میں نہیں چل سکتا۔

تیسرے سوال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ جب قدرتی قوانین کے مطابق کام ہوتے ہیں تو اے خدا تعالےٰ تیرا دخل اس میں کسطرح ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تو چار پرندوں کو اپنی طرف مائل کر کے اُنھیں بلاتا، تو وہ اپنی خوشی سے تیری طرف چلے آتے ہیں۔ جب تیرا دخل ان پرندوں میں ایک حد تک واقع ہوتا ہے تو کیا خالق کے حکم سے ہی پیٹوں میں عناصر ترتیب وار اکٹھے نہیں ہو سکتے؟ ایسے جوابوں پر بعض لوگ تمسخر اُڑاتے ہیں کہ کیا حضرت ابراہیم کو اس کی خبر نہ تھی۔ انسان کو ایک بات کا علم ہوتا ہے لیکن کسی وقت بھول جاتا ہے تو اُسے یاد دلانا ضروری ہوتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی مقصود ہے کہ ان نمونوں سے ہماری بھی رہنمائی کی جائے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جس پر موت پورے طور پر وارد ہو جاتی ہے اس کو اللہ تعالےٰ اس دنیا میں واپس نہیں بھیجتا۔ میں نہایت ادب سے پوچھتا ہوں کہ جو شخص سو سال تک مردہ پڑا رہا کیا اس پر موت کامل طور پر واقع نہیں ہوئی۔ پھر اسکا دوبارہ دنیا میں آنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ مثال کو لوگوں نے حقیقت سمجھ لیا ہے اور قرآن مجید کو دیو پری کا قصہ بنا دیا ہے۔ اگر ان کے پاس ان آیات کا کوئی معقول بیان ہے جو کمترین کے پیش کردہ بیان سے اعلیٰ ہو تو کمترین اسے سب سے پہلے ماننے کو تیار ہے۔ لیکن ایسی باتوں کو محض اس خیال سے نہیں مان سکتا کہ یہ خوارق ہیں اور خدا اپنے بھلے چنگے قواعد کو خواہ مخواہ توڑ دیا کرتا ہے اور سنن الٰہیہ جو کبھی نہیں بدلتیں خدا اپنے وعدے کے برخلاف اُنھیں بھی بدل دیا کرتا ہے (معاذ اللہ) بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ تم یورپ اور امریکہ کی مشینوں پر ایمان رکھتے ہو اور مانتے ہو کہ ہزاروں میلوں سے تقریریں اور گیت سنے جا سکتے ہیں۔ لیکن خوارق کو نہیں مانتے۔ کمترین نہایت ادب سے عرض کرتا ہے کہ تم بھی ان معجزوں کو نیچرل طریق پر بیان کرو اور خدا تعالےٰ کی قدرت کے

نشانات کے طور پر پیش کرو۔ اور جن کے ہاتھ سے یہ ہوتے ہیں اس سے اُن کی بزرگی کیسے ثابت ہو سکتی ہے اور یہ کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ اُن کا دعویٰ صحیح ہے۔ قرآن مجید ہمیں علم سکھانا اور دانا بنانا چاہتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ ہمارے دماغوں میں گوبر بھر دیا جائے۔ پھر اللہ تعالےٰ سورہ اعراف کی تیسری آیت میں فرماتا ہے۔ اور کس قدر بستیاں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا سو اُن کے پاس ہمارا عذاب رات کو آیا یا دوپہر کو آرام کرتے وقت۔ اس آیت میں فَ جس کے معنی سو کئے گئے ہیں تعقیب کے لئے نہیں آئی بلکہ یہ اس حالت کا ذکر ہے جو اُن کے ہلاک ہونے سے پہلے اُن پر وارد تھی۔ اس "فا" کے معنی الحاصل کے ہوا کرتے ہیں۔ اس جگہ ان بستیوں کی ہلاکت پیچھے واقع ہوئی۔ اور اُن کا رات کو یا دوپہر کو سونا پہلے واقع ہوا تھا۔ پس اس ف کا تعقیب کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں۔

سورہ بقرہ کے رکوع نہم میں ذکر ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک عالیشان شخص کو اسطرح قتل کیا کہ وہ اس قتل سے جانبر نہ ہو سکا اگرچہ پہلے کچھ وقت سکتے کی حالت میں پڑا رہا۔ الحاصل لوگ پہلے اُسے مردہ سمجھ کر اس کے قتل کو ایک دوسرے پر ڈالنے لگے۔ خدا تعالےٰ نے اُس کو ہوش میں لانے کی ایک تجویز بتلائی۔ اس تجویز سے وہ ہوش میں آگیا اور اشارے سے قاتلوں کا پتہ بتا دیا۔ لیکن قتلتم سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اخیر میں جانبر نہ ہو سکا۔ پس علما کا یہ خیال کہ وہ زندہ اور تندرست ہو کر لوگوں میں چلنے پھرنے لگا قطعاً غلط ہے۔ ایسے شخص کو حقیقت کے لحاظ سے مقتول نہیں کہا جا سکتا۔ معترض خود تو معقول تفسیر کرنے سے عاجز ہیں اور دوسروں پر تمسخر اُڑاتے ہیں اور قرآن کو بھی نامعقول خیالات کا مجموعہ بناتے ہیں۔ جو شخص قرآن کے ساتھ جان بوجھ کر ایسا معاملہ کرے وہ قرآن کا دلی دشمن ہے۔ دوسرے ملانے بھی معترضوں کی غلطیوں کو غلطی نہیں بتلاتے بلکہ ترغیب دیکر شرارت پر زیادہ آمادہ کرتے ہیں۔

پھر پہلی سورتوں میں قرآن مجید کی بہت سی خوبیاں دکھلائی ہیں۔ ان سورتوں میں بھی قرآن کا کافی ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔

سورہ بنی اسرائیل کی آیہ نہم میں فرمایا ہے۔ بلاشبہ یہ قرآن اس راستے کی ہدایت

کرتا ہے جو بہت سیدھا ہے اور مومنوں کو جو صلاحیت والے عمل کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ اُن کے لئے بڑا اجر ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سیدھے راستے کو دکھلاتا اور صلاحیت والے اعمال مومنوں کو سکھلاتا ہے اور بتلاتا ہے کہ اس قرآن پر چلنے سے اُن کو بڑا اجر ملیگا۔ اسی سورت کی بائیسویں آیت سے لیکر اکتالیسویں آیت تک قرآن کی حکیمانہ تعلیم کو پیش کیا گیا ہے اور اکتالیسویں آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے اس قرآن میں رنگا رنگ طرز بیان اختیار کیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ آیت نمبر ۳۹ میں فرمایا ہے کہ جو حکمت ہمنے نازل کی وہ اس قرآن میں آگئی ہے پس وحی والی حکمت کو قرآن سے باہر ڈھونڈھنے کی کوئی ضرورت نہیں باقی رہی۔ وہ حکمت جو تمام نیکیوں کو مل سکتی ہے اس میں کسی بشر کی خصوصیت نہیں۔ رسول اور نبی اگر شرک کریں تو یہ لازم نہیں ہے کہ اس دنیا میں ہی وہ پاک بنائے جائیں اور جہنم میں نہ ڈالے جائیں بلکہ اُن کے لئے بھی ممکن ہے کہ اگر وہ شرک کریں تو دوسرے عالم میں داخل جہنم کئے جائیں جیسا کہ آیت نمبر ۳۹ سے ثابت ہوتا ہے۔ یہاں فرمایا ہے وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔

آیت ۴۵ میں فرمایا ہے کہ جب تو قرآن کو پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور اُن لوگوں کے درمیان جو آخرت کو نہیں مانتے پوشیدہ پردہ ڈال دیتے ہیں اور اُن کے دلوں پر ایسے پردے ڈال دیتے ہیں کہ وہ اس کو سمجھتے نہیں اور اُن کے کانوں میں گرانی ہوتی ہے اور جب تو قرآن میں اپنے رب کی توحید کا بیان کرتا ہے تو وہ نفرت سے اپنی پیٹھیں پھیر دیتے ہیں۔ آگے ساتھ ہی فرمایا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جب یہ تیری طرف کان رکھتے ہیں تو بُرے ارادے سے کان رکھتے ہیں اور جب وہ خفیہ مشورے کرتے ہیں تو اس وقت ظالم کہتے ہیں کہ تم ایک جادو زدہ مرد کی پیروی کرتے ہو الخ ان آیتوں سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں

۱۔ یہ کہ قرآن پڑھتے وقت وہ ایسی شرارتیں کرتے تھے۔ اگر قرآن کے ساتھ کوئی اور وحی ہوتی تھی تو اسکا ذکر کہاں ہے۔

۲۔ رسول خدا کے بیانات کو سنکر جب وہ قرآن کی سند سے کئے جاتے تھے تو وہ لوگ نبی سے بھاگ جاتے تھے۔

۲۔ وہ قرآن کو اسلئے سنتے تھے تاکہ نبی کو مسحور ثابت کریں۔ اگر کوئی اور وحی بھی اُن کے روبرو پیش کی جاتی تھی تو ضرور تھا کہ وہ اُس کے متعلق بھی ایسی شرارتیں دکھلاتے۔ قرآن میں جھنجھوڑ قوم کے درخت کو رحمت الٰہی سے دور بتلایا گیا ہے وہ برملا قرآن اسکا انکار کرتے تھے جیسا کہ آیت نمبر ۶۰ میں مذکور ہے۔ آیت نمبر ۷۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار چاہتے تھے کہ تو قرآن کے علاوہ ہم پر کچھ اور افترا کرے اور تب یہ تجھے دوست بنا لیتے تو اپنی ذات سے کسی قدر اُن کی طرف جھکنے کے قریب تھا لیکن ہم نے تجھے قرآن میں افترا کرنے سے محفوظ رکھا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تو اپنی ذات میں سارے کا سارا وحی نہیں۔ آیت نمبر ۸۲ میں فرمایا ہے کہ ہم قرآن سے وہ چیزیں اُتارتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہیں اور یہ قرآن ظالموں کو نقصان میں بڑھاتا ہے۔ آیت نمبر ۸۶ میں فرمایا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو اس وحی کو جو ہم نے تیری طرف نازل کی ہے لے جائیں تو پھر تو اپنے لئے اس کے واسطے ہمارے سامنے کوئی وکیل نہ لا سکے یہ تیرے رب کی طرف سے رحمت ہے۔ بلاشبہ اس کا فضل تجھ پر بڑا ہے۔ تو کہدے اگر انس وجن اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل لائیں تو اس کی مثل نہیں لا سکیں گے اور اگرچہ بعض اُن کا بعض کا مددگار بن جائے اور ہم نے اس قرآن میں آدمیوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں۔ پھر (باوجود اس کے) اکثر آدمی کفر کرنے کے بغیر نہیں ٹلے۔

ان آیات سے بڑی صفائی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں ہر شئے کا بیان آگیا ہے۔ آیہ نمبر ۱۰۵ میں فرمایا ہے کہ ہم نے اس قرآن کو حق کے ساتھ اُتارا ہے اور یہ حق کے ساتھ ہی اُترا ہے اور تو صرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔ اور ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا ہے تاکہ تو اُسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور ہم نے اسے آہستہ آہستہ نازل کیا ہے (تاکہ اس قرآن میں کفار کے اعتراضوں کے جوابات لائے جائیں اور موقع بموقع مناسب تفسیر لائی جا سکے [۱۹]) اگر اس کی وہ تفسیر جو وحی سے کی جاتی ہے قرآن کے باہر بھی ہو سکتی تو قرآن کو آہستہ آہستہ اُتارنے کی کیا ضرورت تھی۔ آیت نمبر ۱۰۷ میں قریش کے جواب میں رسول کو فرمایا ہے کہ تو کہہ دے کہ تم اس کو مانو یا نہ مانو وہ لوگ جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب یہ اُن پر پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدوں میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب

پاک ہے (اس کے وعدے سچے ہیں) بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ ہو کر رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب بھی قرآن ہی کو سُنکر سجدے میں گر پڑتے تھے اور اُن کے ساتھ بھی اس قرآن کے ہی لانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ حیف ہے کہ لوگ بندوں کے اجتہادوں کو خدا کی تعلیم کے ساتھ مثلہ معہ بنا لیتے ہیں۔ ان لوگوں نے دو احکم الحاکمین اور دو اصل مطاع اور دو حکم مطلق اور دو منتہائے سوال کا ڈھکوسلہ مسلمانوں میں جاری کر دیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ وہ شخص یا قوم جس کو وحی الٰہی نہ پہنچے۔ ضرور ہے کہ وہ اپنی عقل سے ہی کام لے گا۔ اور اُسکا امتحان اُس کی سمجھ کے مطابق ہی لیا جاویگا۔ لیکن اگر اُس قوم کو وحی پہنچ جائے تو ضرور ہے کہ پہلے وہ وحی الٰہی کی پیروی کریں۔ اور جو بات وحی الٰہی نے عقل پر چھوڑی ہو اُس میں اُسی طرح عقل سے کام لیں جس طرح پہلے لیتے تھے۔ رسولوں پر بھی دونوں حالتیں وارد ہوتی ہیں۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں خدا تعالےٰ کے رسول اور نبی تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر جانے کے لئے تیار ہوئے تو ضرور تھا کہ اُن کے پیچھے کوئی خلیفہ ہو۔ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنے پیچھے خلیفہ بنا گئے اور اُنھیں کہا کہ تو میری قوم میں میری خلافت کرنا اور فسادیوں کے رستے کی پیروی مت کرنا ۹/۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خلافت کا ٹھیک طرح انتظام نہ کیا اور جلدبازی سے پہاڑ پر چلے گئے وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى الخ ۱۶/۱۳ سے اسکا صاف پتہ لگتا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو آکر اُنھیں کہا تم نے میرے بعد بہت بُری خلافت کی اور اپنے بھائی کو سر سے پکڑ کر گھسیٹا ۹/۸۔ اگر یہ خلافت وحی سے کی جاتی تو کیا ایسا ہو سکتا تھا کہ وہ اُنھیں سر سے گھسیٹیں اور جواب طلبی کریں۔ یہ خلافت منتقل ہونیوالی تھی جو موسیٰؑ کے پہاڑ پر جانے کے بعد اُنھیں ملی ورنہ پیغمبرانہ اطاعت تو ہارون علیہ السلام کی پہلے سے بھی چلی آتی تھی۔

سورہ نور میں بھی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے عدالتوں کے قائم کرنے کا ذکر آتا ہے۔ منافق لوگ ان عدالتوں سے مُنہ موڑتے تھے۔ دوسروں کا حق مارنے کے لئے طاغوتوں کی طرف جاتے تھے۔ اور اگر اُن کا اپنا حق ہوتا تو

رسول کریم کی عدالتوں میں فرمانبردار بنکر آتے تھے۔ اُسوقت رسول کریم کی خلافت پختہ نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اللہ نے اُن لوگوں کے ساتھ جو تم میں سے ایمان لائے اور صلاحیت والے کام کئے۔ وعدہ کیا ہے کہ اُنھیں زمین میں خلیفہ بنا دیگا۔ جسطرح اُن کے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور اُن کے لئے اُن کے دین کو قائم کریگا جسے اُن کے لئے اللہ نے پسند کیا ہے اور اُن کے خوف کے بعد امن کو بدل لائیگا۔ وہ میری عبادت کرینگے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرینگے۔ اور جو اس (خلافت حکومت) کے بعد کفر کریگا تو وہ لوگ جو ہیں وہی فاسق ہیں"۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت تک ہمارے رسول کریم کو خوف کے بعد پورا امن نہیں ملا تھا۔ جب آپ کو خلافت ملی تو اُسوقت سے حضور کی پیروی حاکمانہ رنگ میں بھی امن کے ساتھ ہونے لگی۔ حاصل یہ ہے کہ تمام رسولوں کی اطاعتیں جن کی قرآن تصدیق کرتا ہے قرآن میں ہی آجاتی ہیں۔ لیکن حاکمانہ اطاعت ضرور منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اور رسول کریم سے دیگر خلفاء کو بھی آج تک پہنچتی آئی ہے۔ اس اطاعت میں شوریٰ اور مجالس سے کام لیا جاتا ہے۔ جو اچھی خلافت کرے وہ اچھا خلیفہ ہے جو بُری خلافت کرے وہ بُرا خلیفہ ہے۔

وحی الٰہی خدائی حفاظت اور پہروں کے ساتھ اُترتی ہے ۲۹/۱۲ وحی کے وقت انسان کے جذبات کو قابو کیا جاتا ہے تاکہ اس میں کسی بشری جذبے کا دخل نہ ہو جائے۔ اگر رسول سارے کا سارا ہی معصوم اور بے غلط ہوتا تو وحی الٰہی کے لئے ایسے پہروں کی کوئی ضرورت باقی نہ رہتی۔ جو اجتہاد بشری کوششوں سے کئے جاتے ہیں اُن میں تحقیقات کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ اس کے متعلق سوال کرنے کا بلاشبہ حق ہے ۱۷/۴ و ۱۱/۴

رسول کا وحی کے پانے اور اُسے صحیح طور پر پہچانے کے لئے خدا کی حفاظت میں ہونا ضروری ہے۔ وحی اُس کو ہوش و حواس اور صحت و سلامتی کے وقت میں ملتی ہے۔ رسول کبھی مجنون و مسحور نہیں ہو سکتا۔ اُس کا دماغ یہودی عورتوں کے قبضے میں نہیں دیا جا سکتا جیسا کہ اس سورت کی آیت نمبر ۴۷ سے واضح ہے۔ رسولوں کو ہر حالت میں معصوم بنانے کے لئے عجیب عجیب بہانے بنائے جاتے ہیں۔ مشرک لوگ اپنے شرک کو ثابت کرنے کے لئے اسی طرح کے بہانے گھڑے کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ان کی نوع نوع انسان سے الگ

ہوتی ہے۔ یہ بات قرآن مجید کے سرتاپا برخلاف ہے جیسا کہ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ ۱۱ اور مُنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۲۶/۱۵ اور اِخْوَانُ نُوْحٍ ۲۶/۱۵ اور اس قسم کی بیشمار آیات سے ثابت ہے۔ اُن کے رشتے ناطے قوم کے ساتھ ہی ہوتے تھے۔ اُن کی بیٹیوں سے غیر نبی ہی شادی کرتے تھے۔ ان کے گھروں میں خانہ عورتیں بھی بستی تھیں۔ وہ کافروں کی نسل سے پیدا ہوتے تھے اور اُنکی اولاد ایمان سے خارج بھی ہوتی تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسولوں کی عقل اور فہم فوق البشر ہوتا تھا۔ اس کے بھی وہی معنی ہیں کہ اُن کی نوع بشر سے الگ ہوتی تھی۔ اگر یہ بات تھی تو اُن کے پاس وحی الٰہی کے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ اپنی فوق البشر عقل سے سب باتیں معلوم کر سکتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسولوں کو خدا تعالےٰ نے کچھ الگ اصول سمجھائے ہوئے تھے وہ ان اصولوں سے کام لیکر وحی سے الگ نئی نئی باتیں بیان کرتے تھے۔ کمترین پوچھتا ہے کہ وہ اصول اُنھوں نے اگر وحی الٰہی سے سیکھے تھے تو وہ وحی کہاں ہے۔ کیا وہ اُسے اپنے ساتھ ہی لے گئے ہیں یا اُمت کو بھی سکھا گئے ہیں اگر اُنھوں نے کوئی وحی اُمت کو نہیں پہنچائی تو اُنھوں نے اس وحی کے پہنچانے میں بخل کیا اور کیا وحی الٰہی میں بخل کرنا بھی جائز ہے۔ اور اگر اُنھوں نے وہ وحی پہنچا دی ہے تو کیا ہم بھی انہی باتوں کو اسی وحی سے نہیں سمجھ سکتے جس کو خدا جیسے قادر مطلق نے آسان بنا کر بھیجا ہے۔ اگر رسول کی عقل ایسی ہی ہوتی تھی کہ اُنھیں آیت کا پورا پورا مفہوم سامنے آجاتا تھا تو کیا وجہ ہے کہ وہ دوسروں کو نہیں سمجھا سکتے تھے۔ جس کو پوری سمجھ آجائے وہ پوری طرح سمجھا بھی سکتا ہے۔ پس ایسی عقل والے کے لئے کیا ضرورت ہے کہ کسی کو قرآن سے الگ تعلیم دے۔ جو چیز قرآن سے سمجھائی جا سکتی ہے وہ قرآن میں داخل ہے۔ مقدمات کا فیصلہ تحریروں اور گواہوں اور ملزموں کے ذاتی اقراروں اور اختلافوں سے کیا جا سکتا ہے۔ اس میں وہم اور بدظنیوں سے کام لینا منع ہے بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ میں ان قواعد کا ذکر ہے ۵/۱۳۔ یہ قاعدہ رسول کے لئے خاص نہیں ہے۔ تمام حکام ہمیشہ اسی طرح پر فیصلہ کرینگے۔ کیا اُن کو بھی فوق البشر عقل دیجائیگی؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عمل بالحدیث جائز ہے لیکن نسخ بالحدیث منع ہے۔ کیونکہ رسول کریم نے خود اقرار کیا ہے کہ اللہ کا کلام میرے کلام کو مٹا دیتا ہے اور میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ اگر یہ اصول صحیح ہے تو اس سے صاف معلوم

ہوتا ہے کہ حدیث ہرگز ہرگز وحی نہیں ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ قرآن میں کہیں موجود نہیں کہ مغرب کی تین رکعتیں ادا کی جائیں اور یہ بھی کہیں ذکر نہیں کہ مغرب کی اگر تین رکعتیں پڑھی جائیں تو ایسا کرنا منع ہے۔ پس ہم قرآنی اجازت سے فائدہ اُٹھا کر مغرب کی تین رکعتیں ہی پڑھ لیتے ہیں۔ یہ تو عمل بالحدیث ہوا۔ پس ایسا عمل بالحدیث جائز ہو سکتا ہے لیکن اگر کوئی مغرب کی دو یا چار رکعتیں پڑھے تو کیا اہل حدیث اس کی نماز کو صحیح جانیں گے اور اگر نہیں جانیں گے تو کیا قرآن کی اجازت کو منسوخ ٹھہرائیں گے یا نہیں ایسے معترض اشارے تو کر دیتے ہیں لیکن اصل حقیقت کو کھول کر نہیں دکھاتے اور لوگوں سے ڈر کر اہلحدیث کے پول کو نہیں کھولتے۔ ہاں ان حدیثوں پر عمل کرنا قطعاً منع ہے جو بُرا نمونہ پیش کرتی ہیں۔ بقول اہلحدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت آیا اور اُس نے آکر کہا اجب رَبّك یعنی اپنے رب کی بات کو قبول کر۔ اہلحدیث کہتے ہیں کہ وہ آدمی کی شکل بنکر آیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے اُسے جھوٹا سمجھا تھا۔ چونکہ وہ ملک الموت تھا اور خدا تعالےٰ کی طرف سے آیا تھا اسلئے ضرور ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوئی جنگ نہیں کی۔ اور اگر جنگ کرتا تو موسیٰ علیہ السلام پر بحکم خدا غالب آتا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس کے اتنا کلمہ کہنے پر طمانچہ مار کر آنکھ پھوڑ ڈالی۔ کیا یہ نمونہ صحیح ہے۔ کیا ہم ایسی ہی حدیثوں کی پیروی کریں اور اُنہی کے نمونے پر چلیں۔ حاصل یہ ہے کہ معقول حدیثوں پر اُن کی معقولیت کے لحاظ سے عمل کرنا جائز ہے لیکن نامعقول باتوں سے دور رہنا ہی صحیح ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اسلام کو اس تاریخ کے مطابق پرکھا ہے جو رسول کریم کے بعد چھ سو برس تک رائج تھی اور اس سے ہم نے اسلام کا صحیح نقشہ دریافت کر لیا ہے۔ ان لوگوں کے بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ان کے پاس شروع سے نہیں پہنچا بلکہ اس تاریخ کے پرکھنے سے ملا ہے جس میں نئی نئی بدعتیں جاری ہو گئیں اور محدثین کا گروہ پیدا ہو گیا اور مقلدین کا زور بہت بڑھ گیا اور اسلام کا ایک نیا ڈھانچ کھڑا کیا گیا اور قرآن کو ظنی روایات کے ماتحت کر دیا گیا۔ اس چھ سو سال کی تاریخ کو بنیاد بنانے سے صاحب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک چھ سو برس کے بعد والے لوگ اسلام کو پرکھ سکتے ہیں۔ ابتدا میں اسلام کے قیام کا کوئی طریقہ نہیں

تھا۔ اگر اسلام ابتدا ہی سے محفوظ چلا آتا ہے اور خدا اُسکا حافظ ہے تو اس اسلام کو پرکھنے کا یہ طریقہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا طریقہ اسی کتاب سے ملیگا جس کی اشاعت رسول کریم سے لیکر آج تک بلا وقفہ ہوتی آئی ہے۔ وہ ایک چیز قرآن ہی ہے۔ حدیثوں کی اشاعت اس کے ساتھ کبھی اسطرح نہیں ہوتی آئی۔ پس ہم اسلام کی پرکھ کے لئے قرآن کے سوائے کسی چیز کو اصل نہیں بنا سکتے۔ اگر قرآن کے سوا کوئی اور وحی بھی ہوتی تو قرآن کی طرح وہ بھی شہادت در شہادت کے سلسلے کے بغیر ہم تک پہنچتی۔ لوگوں نے رسول کی حاکمانہ اطاعت کو جو مدینے میں آکر شروع ہوئی اس پیغمبرانہ اطاعت کے ساتھ ملا دیا ہے جس کی تفریق خود قرآن مجید میں کی گئی ہے۔ پھر کلام کلمات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے کلام کے اصل کلمات بشروں کے دلوں پر تین طرح سے اترتے ہیں۔

اوّل یہ کہ یہ کلمات دل پر نازل ہوتے ہیں لیکن رسول کی زبان سے کہلوائے جاتے ہیں جسطرح الحمد شریف کا حال ہے۔

دوم۔ اُن کلمات کا اثر جو دل پر نازل ہوتے ہیں کانوں پر بھی پڑتا ہے۔ رسول سمجھتا ہے کہ خدا مجھ سے کسی طرح کلام کر رہا ہے۔

سوم۔ وہ کلمات دل پر نازل ہوتے ہیں اور دل دیکھتا ہے کہ وہ پیغام فرشتہ لا رہا ہے۔

یہ تینوں قسم کی وحی کلام اللہ ہی ہے جیسا کہ یکلمہ کے لفظ سے ثابت ہے یہ کلام خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے اور رسول پر نازل ہوتا ہے اور رسول کے دل میں یقین پیدا کیا جاتا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حدیثیں بھی اسی طرح خدا کے کلمات پر مشتمل ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ حدیث وحی کی تمام قسموں سے خارج ہے۔

سورہ بنی اسرائیل کے نازل ہونے کے وقت اہل کتاب کے کچھ علماء مکے میں آئے ہوئے تھے۔ قریش نے چاہا کہ رسول کریم کی ان عالموں کے ساتھ بحث کرائی جائے اور اسے جھوٹا ثابت کیا جائے۔ لیکن جب وہ عالم حضور کے پاس آئے تو آنجناب نے اس سورت کے بڑے حصے کی اُن کے آگے تلاوت کی۔ وہ اس کے مضمون کو

سُنکر رونے لگے اور سجدہ میں گر پڑے۔ اللہ اسی سورت کے اخیر میں فرماتا ہے کہ تو انھیں کہدے کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (تم پر کوئی جبر نہیں کیا جاتا) بلاشبہ وہ لوگ جن کو اس قرآن سے پہلے علم دیا گیا ہے وہ قرآن کو سُنکر ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ یہ بھی قرآن مجید کی صداقت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ وہ اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ قرآن اُن وعدوں کے مطابق نازل ہوا ہے جو ہمارے ساتھ کئے گئے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب وہ فارقلیط یعنی احمد آئیگا تو تم پر تمام راستی کو ظاہر کریگا حاصل یہ ہے کہ اس سورت کے بارہ رکوعوں میں ایسے ہی مضمون لائے گئے ہیں۔

ترجمہ وتشریح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمان اور رحیم ہے

(۱) سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (المسجد الاقصا کے معنی ہیں کسی قصبے کی دور کی مسجد یعنی وہ مسجد جو اس قصبے کی حدود میں سے دور کی حد پر واقع ہو قرآن مجید میں ہے کہ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی ۲۲/۱۹ ۔ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی ۲۰/۵ ۔ یہاں اقصا المدینہ کے معنی ہیں شہر کی دُور کی جانب جو اُن لوگوں سے زیادہ دُور ہو جن کا آیات میں ذکر ہے۔ کسی شہر کی دور کی مسجد سے کل دنیا کی دور کی مسجد کے معنی لینا کسی طرح درست نہیں۔ کرۂ زمین پر کوئی مسجد اقصا نہیں ہو سکتی اور اگر ہو سکتی ہے تو کیا اصحاب کہف کی مسجد اور زمین کی اس سے بھی زیادہ دُور کی مسجدیں اقصا نہیں کہلا سکتیں۔ بیت المقدس کی مسجد کو عام مفسرین مسجد اقصا کہتے ہیں لیکن یہ مسجد رسول کریم کے زمانہ میں موجود نہ تھی۔ اس سورت کی ساتویں آیت میں بیت المقدس کی مسجد کی مکمل تباہی کا ذکر ہے۔ اس کے بعد اس کی آبادی کا کہیں بیان نہیں۔ چھٹی آیت میں اسی مسجد کا ذکر دیار کے لفظ میں لایا گیا ہے۔ اس مسجد کے ساتھ اس مسجد اقصا کا کوئی تعلق نہیں۔

مکے کے باہر عرفات تک حج کا جلسہ ہوتا تھا پس مشعر الحرام مکے کی دور کی مسجد ہے ۲/۹ ۔ یہ مسجد حدود مکہ کی ایک انتہائی بیری کے پاس تھی اور اس کے پاس مسافروں کے آنے جانے کے لئے باغ تھا جس کو جنت الماویٰ کہتے تھے۔ پس اس مسجد کے اردگرد ظاہری برکات بھی تھیں اور اس کے گرد مسجد الحرام اور عرفات کی حدود بھی واقع تھیں جہاں ذکر الٰہی ہوتا تھا۔ اس لئے اس کے اردگرد باطنی برکات کا بھی ظہور ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ایک رات اپنے رسول کو اس مسجد کی طرف لے گیا۔ اس سیر سے مقصود یہ تھا کہ حضور کو قدرتی آیات دکھلائی جائیں جسطرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور سینا پر آیات دکھلائی گئی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسی آیات کو ملاحظہ کرکے وحی کی حالت میں ڈالے گئے اور انھیں احکام الٰہی پہنچائے گئے۔ ہمارے رسول کریم نے بھی جب ان آیتوں کو ملاحظہ کیا تو آپ پر بھی وحی نازل ہوئی جیسا کہ سورہ نجم کے شروع میں فرمایا ہے فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ۲۷/۵ مطلب یہ کہ رسول کریم کو بھی یہ آیات دکھا کر اسی طرح وحی کی گئی جسطرح موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی گئی تھی۔

اسوقت آسمان میں ایک گرنے والا ستارہ آیا جسے طارق کہتے ہیں۔ رسول کریم نے اسے گرتے اور نزدیک آتے دیکھا اور گرنے کے بعد بھی اسکا دوبارہ ملاحظہ کیا۔ اس کی جلتی ہوئی راکھ اس انتہائی بیری پر پڑی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے جنت الماویٰ اور مکہ کو اس کے ضرر سے بچا لیا۔ کافروں نے جو سجدہ سورہ نجم کی آخری آیت کے مطابق کیا تھا وہ اسی ہولناک نظارے کو دیکھکر کیا تھا۔ کفار بھی ایسے نظاروں کو دیکھکر سہم سے جاتے تھے۔ اس آیت میں ایسے ہی نشانوں کا ذکر ہے جیسا کہ ارشاد ہے) وہ اللہ (اپنے احسن واتقن قواعد کے توڑنے سے) پاک ہے جس نے ایک (ہی) رات میں اپنے بندے کو حرمت والی مسجد سے (جو مکے کے وسط میں ہے۔ مکہ کے حدود کی) دور کی مسجد تک سیر کرائی جس (مسجد) کے اردگرد کو ہم نے (ظاہری و باطنی) برکت دی تھی (اس سیر کا مقصود یہ تھا) تاکہ ہم (خدا) اسے اپنی (قدرتی) نشانیاں دکھائیں۔ بلاشبہ وہ (خدا) اصل سننے والا اصل دالا دیکھنے والا ہے۔

(۲) وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝ (اور اسی طرح نشان دکھا کر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ہم نے اُس (کتاب) کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا (یہ کہتے ہوئے) کہ میرے سوائے کسی کو کارساز نہ بناؤ۔

(تمام کتابوں کی اصل تعلیم توحید الٰہی ہے۔ اس تعلیم کی مخالفت میں کوئی بات مانی نہیں جاسکتی۔ ہر دوسری تعلیم کے لئے لازم ہے کہ وہ توحید کے ساتھ کچھ بھی اختلاف نہ رکھے)

(۳) ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝

(چونکہ بنی اسرائیل حضرت اسرائیل یعنی یعقوب کی اولاد تھے اور یعقوبؑ ابراہیم علیہ السلام کا پوتا تھا۔ پس بنی اسرائیل حضرت نوح علیہ السلام اور اُن لوگوں کی اولاد سے تھے جو نوح کے ساتھ کشتی میں اُٹھائے گئے تھے اور خدا تعالےٰ کی کارسازی کے سبب محفوظ رہے تھے۔ اسلئے اُنھیں اپنی کارسازی کی دلیل دکھلانے کے لئے فرمایا کہ) اے اُن لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں اُٹھایا تھا۔ تحقیق وہ (یعنی نوح علیہ السلام) شکر گزار بندہ تھا (خدا تعالےٰ نے اُس کو دنیا میں بھی ترقی دی تھی۔ اگر تم بھی اُس کی کارسازی کا شکر کروگے۔ تو تمہیں بھی ترقی دیگا۔ لیکن تم نے آخر کار برائی کی صورت اختیار کی اور تباہیوں میں پھنس گئے جیسا کہ آگے آتا ہے)۔

(۴) وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ اور ہمنے بنی اسرائیل کے لئے (اُن کے بگاڑ میں پڑجانے کے سبب) کتاب میں یہ فیصلہ دیا کہ تم ضرور دنیا میں دو دفعہ فساد کروگے اور بڑی سرکشی اختیار کروگے۔

(۵) فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝

پس جب اُن دونوں وعدوں میں سے پہلا وعدہ آیا تو ہم نے تم پر اپنے وہ بندے بھیجے جو بڑے جنگجو تھے (خدا کے مخلص بندے نہ تھے بلکہ درندوں کی طرح لوگوں کو ستاتے تھے۔ خدا نے اُن کی توجہ بنی اسرائیل کی سزا کی طرف ڈالدی اور اُن ظالموں سے اسی طرح کام لیا جیسے اپنے با اخلاص بندوں سے کام لیا جاتا ہے۔ اس قسم کے تصرفات رسولوں کے لئے ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ اس میں تمام مخلوقات شامل ہے) پس وہ گھروں کے اندر گھس گئے۔ اور وہ وعدہ پورا ہو گیا۔

(۶) ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝ پھر ہم نے تم کو اُن پر غلبہ دیا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور تمہیں بڑے جتھے والا بنا دیا (یہ اُن کو موقعہ دیا گیا تھا تاکہ وہ اپنے دلی فسادوں سے باز آجائیں اور سلف کی تقلید سے توبہ کریں اور آگے کو خوب سوچ سمجھ کر عمل کریں)

(۷) إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ۝ (چنانچہ اُنھیں کہا گیا کہ) تم نیکی کرو گے تو اپنی جان کے لیے نیکی کرو گے اور اگر تم بدی کرو گے تو اپنی جان کے لئے کرو گے (بدکار کو عذاب بھی اُس کے فائدے کے لئے ہی دیا جاتا ہے اسی لئے فَعَلَيْهَا کی جگہ فَلَهَا فرمایا گیا۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ بدوں کی اصلاح کے لئے جہنم بھی ایک انعام ہے جیسا کہ اسی سورت میں كُلًّا نُّمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ

عَطَآءُ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۲۰ میں فرمایا ہے) پھر دوسرا وعدہ آیا تاکہ وہ لوگ (جو تمہارے دشمن تھے اور تمہیں مٹانا چاہتے تھے) تمہارے مونہوں کو (تمہیں ایذا دیکر) بُرا بنائیں اور تاکہ تمہاری مسجد میں داخل ہوں جسطرح وہ اُس میں پہلی دفعہ (اُس کی تباہی کے لئے) داخل ہوئے تھے۔ اور تاکہ وہ جس چیز پر غالب آئیں اُسے پوری طرح برباد کر ڈالیں (مسجدوں کی خوبی لوگوں کی خوبی سے ہے۔ جو قومیں خدا سے بیگانہ ہو جاتی ہیں خدا اُن کی مسجدوں کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اور اُنھیں تباہ ہونے دیتا ہے)

(۸) عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ (آگے فرمایا) قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے۔ اور اگر تم پھر (ایسا) کرو گے تو ہم پھر ایسا ہی کرینگے (یعنی تم کو اُسکی سخت سزا دینگے) اور ہم نے جہنم کو تو کافروں کے لئے جیل خانہ بنایا ہی ہوا ہے (جب کسی قوم کے دل میں بدی کا بیج لگ جاتا ہے اور وہ عملی طور پر بھی فساد کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اُن کی اولاد اور اُن کے تابعدار اُن کو اپنے سلف سمجھ کر اُن کی تقلید کرنے لگتے ہیں۔ تو وہ تابعدار تقلید کی بدعادت کے سبب آئندہ اصلاح سے رُک جاتے ہیں اُن کے ایک فساد کے بعد اُنھیں کچھ موقعہ دیا جاتا ہے تاکہ وہ اصلاح کرلیں۔ لیکن دلی کدورت اور تقلید کی بدعادت پھر اُنھیں اُنہی بُرائیوں پر اُبھارتی ہے۔ مقلد کے لئے جب تک وہ تقلید پر جما ہے اور بزرگوں کو ہی خدائی کا درجہ دے تو اُس کے لئے اصلاح کرنا محال ہوتا ہے۔ وہ اُس امن کی حالت سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ پھر اُسی حالت پر لوٹ آتے ہیں)

(۹) اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ (قرآن مجید ان حالات کو اور انسان کے اندرونی جذبات کو کھولکر اصل ہدایت کی طرف لاتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے) تحقیق یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو زیادہ مضبوط ہے (اور قوموں کو زیادہ

قائم رکھنے والی ہے بشرطیکہ وہ اُسپر عمل کریں) اور خوشخبری دیتا ہے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور صلاحیت والے عمل کئے کہ اُن کے لئے بڑا اجر ہے

(۱۰) وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (قرآن سکھاتا ہے) یہ کہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تو ہم (خدا) نے اُن کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے (قرآن حکیم سینوں کے مرضوں کا علاج بتلاتا ہے اور اقوم راستہ یعنی صراط مستقیم دکھاتا ہے اور باقیات صالحات پر چلاتا ہے اور اپنے فرمائے ہوئے احکام کا یہ نتیجہ بتلاتا ہے کہ تم کو دنیا اور آخرت میں حسنات ملینگی اور تم کامیاب ہو جاؤ گے اور نجات حاصل کرو گے اور تمہیں ظاہری و باطنی جنات ملینگی۔ اور جو لوگ ان احکام کو نہیں مانتے اُن کے لئے عذاب الیم ہے۔ قرآن مجید نے جنت اور جہنم کا بار بار ذکر کر دیا ہے اور پورا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ اور فوز عظیم اور فلاح اور کامیابی کے رستے بتلا دئے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اہلحدیث کے نزدیک قرآن ان رستوں کے بیان کرنے میں تو ناقص ہے اور اُن ناقص رستوں کے نتیجے وہ بیان کرتا ہے جو کامل ہیں۔ اب حیرت ہے کہ قرآن کے نتائج تو کامل ہوں اور وہ نسخے ناقص ہوں جن کے نتیجے میں وہ کامل اجر ملتے ہیں۔ وہ عجب حکیم ہے جو نسخے تو ناقص بتلاتا ہے اور اُن کے نتیجے کامل دکھاتا ہے۔ رسول کریمؐ نے بھی تمام ترقیات اُنہی نسخوں سے ہی حاصل کی ہیں۔ رسولؐ اور مومن اُسی پر ایمان لائے ہیں جو خدا نے رسولؐ پر اُتارا ہے۔ اور اگر کسی اہل حدیث کے نزدیک یہ باتیں غلط ہیں تو ایسے خالی اہل حدیث سے اپنی علیحدگی کا اظہار کیوں نہیں کرتے۔ اگر رسول کے اپنے اجتہادات مثل قرآن ہوتے تھے تو اُسے قرآن کے ملنے کی کونسی ضرورت باقی رہ سکتی ہے)

رکوع دوم

(۱۱) وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝ (انسان جلد باز ہے کسی کا قول ہے ؎

یا وصل ہی نصیب ہو یا دل کو تاب ہو۔ قسمت میں جو لکھا ہے الٰہی شتاب ہو

انسان چاہتا ہے جو کچھ ہوتا ہے ایک دفعہ ہو کر خلاصی ہو جائے لیکن عذاب جلد بازی سے ٹل نہیں جایا کرتا۔ جب انسان کو کہا جاتا ہے کہ تیرے شرارت کرنے کے سبب تجھ پر سخت عذاب آئیگا تو وہ اکثر کہہ دیا کرتا ہے کہ اگر عذاب آنا ہے تو لا کر دکھاؤ تاکہ فیصلہ ہو جائے۔ لیکن جب عذاب آیا تو کیا اسوقت بھی جلد بازی کوئی کام دیگی۔ انسان کو چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ سے بخشش مانگے اور انتظار کرے تاکہ بھلے دن آئیں اور وہ ہمیشہ کی خوشی پائے۔ حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کو کہتے ہیں کہ اے میری قوم تم کیوں بھلائی سے پہلے برائی کو جلدی مانگتے ہو۔ تم کیوں اللہ سے بخشش نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۱۹/۱۹۔ لیکن انسان جلد بازی کے سبب شر کو خیر سے پہلے مانگتا ہے جیساکہ ارشاد ہے) اور انسان شر کو اس طرح مانگتا ہے جسطرح خیر کو مانگنا چاہیئے اور انسان ہے ہی جلد باز (دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ کے معنی ہیں کَدُعَآءِهٖ بِالْخَيْرِ نزع خافض کے سبب دعاء کو منصوب لایا گیا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ پر توکل رکھے اور تکالیف میں صبر دکھلائے۔ صبر کا نتیجہ ہمیشہ بھلا ہوگا ع

صبر تلخ است ولیکن بر شیریں دارد

بعض لوگ غصہ میں آکر بھی اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بُری دعائیں کرتے ہیں یہ سب اس بات کے نشان ہیں کہ انسان اللہ تعالےٰ پر توکل کرنا نہیں چاہتا اور اس کے راستے میں صابر رہنے سے بھاگتا ہے)

(۱۲) وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝

(لیکن اس جلد بازی سے زمانے کی رفتار پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ رات جلد نہیں گزر جائیگی اور دن جلد نہیں پیدا ہو جائیگا۔ ہر کام اپنے مناسب وقت پر کیا جائیگا۔ علاوہ بریں انتظار کی تکلیف موت سے بھی زیادہ اشد ہوتی ہے جیساکہ ارشاد ہے) اور ہم نے رات اور دن کو دو نشان بنایا ہے۔ پھر ہم نے

رات کے نشان کو مٹا کر تاریک کر دیا ہے اور دن کے نشان کو روشن بنایا ہے تاکہ تم (اسطرح) اللہ کے فضل کو طلب کرو اور تاکہ تم (اپنی دیگر ضروریات کے لئے) سالوں کی گنتی کو اور حساب (کے قواعد) کو جانو (اور یوں جلد بازی کی برائی تم پر واضح ہو جائے۔ یہ قدرتی نشانات ہیں اور قدرتی اشیاء میں) ہم نے ہر ایک چیز کی کھول کھول کر تفصیل کر دی ہے (اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام الٰہی یعنی قرآن مجید کی تفسیر صحیفۂ فطرت میں پائی جاتی ہے۔ صحیفۂ فطرت قرآن کے لئے ایک میزان ہے۔ جو لوگ قرآن مجید کا ترجمہ صحیفۂ فطرت کے برخلاف کرتے ہیں یقیناً غلطی پر ہیں۔ اُن لوگوں نے دوسرے بزرگوں کے متعلق اُنکی قوموں سے قصے کہانیاں سُنکر ہمارے رسول کو بھی اسی طرح توہمات کا شکار بنا لیا ہے۔ کہیں زرتشت کی طرح معراج کرایا جاتا ہے اور کہیں خوارق دکھلانیوالا بنایا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ۔ مطلب یہ کہ ہمنے صحیفۂ فطرت میں کوئی کمی نہیں رکھی۔ خدا کے قوانین کی حکومت کو دہریہ بھی مانتا ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ نیچر مکمل نہیں ہے۔ تمام علوم اسی نیچر سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید میں آیا ہے کہ قرآن مجید میں ہر شے کا کھلا کھلا بیان ہے۔ اس سورت کی آیت نمبر ۸۹ میں فرمایا ہے کہ ہمنے اس قرآن میں ہر ایک مثال کا بیان کر دیا ہے اور آیت نمبر ۸۸ میں فرمایا ہے کہ یہ قرآن بے مثل ہے۔ جسطرح صحیفۂ فطرت کے متعلق فرمایا کہ یہ بے بدل ہے۔ پس ہمارے پاس دو چیزیں ہیں ایک صحیفۂ فطرت جو بے بدل ہے اور ایک قرآن جو بے مثل ہے۔ یہ دونوں چیزیں خدا کی طرف سے ہیں اور قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے کہ دونوں کو ہمنے مفصل بنایا ہے۔ یہ دونوں چیزیں خدا کا کلام اور کلام ہیں۔ اگر ہمارے پاس ان دونوں کے سوائے کوئی اور چیز ایسی ہے جو خدا کی طرف سے اپنی اہلیت میں پہنچتی ہو تو اس کا پتہ دیں۔ کیا بخاری خدا کا کلام ہے یا رسول کے اپنے فرمائے ہوئے الفاظ میں ہمارے پاس پہنچی ہے۔ اس میں تو راویوں کے اپنے الفاظ ہیں۔ ایک راوی نے دوسرے راوی سے سُنکر جو کچھ سمجھا بقول المحدث اپنے الفاظ میں بیان کر دیا۔ بخاری کی نئی نئی تفسیریں کرنا راویوں کے لفظوں کی نئی نئی تفسیریں ہونگی۔ جن کا علاقہ خدا اور رسول کے اصل الفاظ کے ساتھ کسی طرح

بھی نہیں پایا جاسکتا۔ وہ قوانین فطرت اور قرآن کی طرح اصل سرچشمے کا کام نہیں دے سکتی۔ حکیم لوگ نیچرل اشیاء کی تاثیرات میں بہت کچھ اختلافات کرتے چلے آئے ہیں۔ ان اختلافات کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ چونکہ اُن کے پاس نیچر کا اصل سرچشمہ موجود ہے اسلئے وہ دوبارہ نیچر کی طرف ہی رجوع کرینگے۔ اور اُسی کے ذریعہ سے اپنی غلطیاں نکالیں گے۔ اُنھیں اس طرح نیچر کی زیادہ اور زیادہ سمجھ آتی جائیگی۔ اسی طرح قرآن والے لوگوں کے اختلاف کی بھی کچھ حقیقت نہیں۔ وہ بھی اپنے اختلافات کو مٹانے کے لئے قرآن ہی کی طرف رجوع کرینگے اور چونکہ اہل قرآن کے پاس اصل سرچشمہ موجود ہے اس لئے وہ اپنی غلطیاں قرآن سے ہی نکالیں گے اور راستی کی طرف آتے جائیں گے۔ لیکن اہل بخاری کیا کریں گے۔ اُن کے پاس اصل سرچشمہ موجود نہیں۔ جب بخاری کی کسی حدیث کے متعلق اختلاف ہوگا تو وہ راویوں ہی کے الفاظ کی تاویلیں کرتے جائیں گے۔ جنکا علاقہ خدا اور رسول کے الفاظ کے ساتھ کسی طرح سے بھی نہیں ہوسکتا۔ اہل حدیث کا لفظ محدثین کے زمانے کے بعد کی پیدائش ہے۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر حدیثوں میں اختلاف ہے تو کیا قرآن کے ماننے والوں میں اختلاف نہیں ہے۔ میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ ان معترضین نے اصل سرچشمے کا بالکل لحاظ نہیں کیا۔ ہمارے اختلافات اگر آج ہیں تو آئندہ قرآن کی برکت سے کم ہوتے جائیں گے۔ لیکن اہل حدیث کے لئے رونے کی جگہ ہے کیا وہ راویوں کے الفاظ کی تاویلیں کرکے اپنے اختلافات کو دور کرینگے۔ جب حدیث اصل سرچشمہ ہی نہیں ہے تو وہ قرآن پر جو اصل سرچشمہ ہے حاکم و قاضی کیسے بن سکتی ہے اور قرآن کے ساتھ مثلہ معہ کیسے ہوسکتی ہے۔ جس طرح قرآن کے مقابلے میں اقوال الرجال کو مٹایا جاتا ہے۔ یہی حال ہر قول البشر کا بھی ہے ظنیات کو اعتراضات کی صورت میں دُور کیا جاسکتا ہے لیکن حقائق کو اعتراضات کے سبب سے نہیں مٹایا جاسکتا۔ بلکہ حقائق پر دوبارہ غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اُن اعتراضات کو دُور کیا جائے۔ حقائق اعتراضوں کو مٹاتے ہیں اور اعتراض ظنیات کو دُور کردیتے ہیں۔ دشمنان خدا چاہتے ہیں کہ اعتراضوں کی بنا پر

نیچر کو اور قرآن کو جو اصل سرچشمے ہیں نقصان پہنچایا جائے حاشا وکلا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر حدیثوں پر اعتراض ہوتے ہیں۔ تو قرآن پر بھی اعتراض کئے جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے خدائی سرچشمہ اور ظنیات کو یکساں سمجھ لیا ہے۔

اعتراض کرنیوالے تو نیچر کو بھی مخول میں اُڑانا چاہتے ہیں۔ کیا اُن کے اعتراضوں سے نیچر بدل جائیگی یا وہ خود نیچر کے نیچے پیسے جائیں گے۔ مغرور آدمی چلتے انجن کا مقابلہ کرتا ہے لیکن خود ہی پاش پاش ہو جاتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تم حدیثوں پر بروئے حدیث ہی اعتراض کرتے ہو۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ دشمن کی گواہی جو وہ اپنے برخلاف دے بڑی زبردست ہوتی ہے۔

جو اہل حدیث قرآن کو ناقص جانتے ہیں۔ اگر اُن کی حدیثیں ہی قرآن کو کامل ٹھہرائیں تو وہ اپنی پسندیدہ حدیثوں کے برخلاف گواہی دیتے ہیں اور اپنی بات کو خود ہی کاٹتے ہیں۔ پس ایسی حدیثیں قرآن کی تائید اور حدیثوں کی تردید میں بڑا کام دیتی ہیں۔ ہم لوگ حدیثوں کو الزامی طور پر بھی پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن اہل حدیث کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ ہم کو محض روایات کی بنیاد پر ہی قائل کریں۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ جب صحیفۂ فطرت اور قرآن اصل سرچشمے ہوئے تو ان میں سے تقدیم کس کو ہے۔ میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ قرآن کی تمام آیات جو صحیفۂ فطرت کی میزان سے پختہ بنائی جاتی ہیں۔ وہ محکمات ہیں۔ لیکن بعض جن میں دوسرے مذاہب کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اُنھیں کی روایات سے اُن کی تردید کا پہلو نکالا گیا ہے۔ اُن میں تشابہ پیدا ہو جاتا ہے۔ سو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تم متشابہات سے فتنہ اور گمراہی کے معنی مت نکالو بلکہ اُن کے معنی محکمات کے ماتحت کیا کرو ۳ بلاشبہ صحیفہ فطرت قرآن کے معانی کے لئے سچا میزان ہے۔ خدا کے کام اور کلام ایک دوسرے کے برخلاف نہیں ہو سکتے۔ اصل سرچشموں میں تطبیق کا دیا جانا ضروری ہے۔ جسطرح قرآن کی آیات میں تطبیق دیجاتی ہے۔ لیکن قرآن اور الف لیلہ میں تطبیق دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن اصل ہے اور الف لیلہ کی بات غلط ہے۔ الحدیث قرآن اور حدیثوں میں اسطرح تطبیق دیتے ہیں گویا کہ دونوں یکساں وحی ہیں)

(۱۳) وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ (انسان جو کام کرتا ہے وہ اُس کی گردن کا طوق بن جاتا ہے اور اُسی کے مطابق اُسے اجر ملتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ نیک باتوں کا ہار پہنے اور بُری زنجیروں میں نہ جکڑا جائے۔ یہ بات بھی بیچل تفصیل کا ہی نتیجہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے) اور ہر ایک انسان جو ہے ہم نے اُس کو اُس کی گردن میں اُسکا عمل چمٹا دیا ہے (یعنی انسان جو کام کرتا ہے خواہ نیک ہو یا بد اُس کے مطابق اُس کی اندرونی صورت یعنی عادت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ پیشی کے دن اپنے لکھے ہوئے کو ہی اپنے سامنے پاتا ہے اور اُسی کے مطابق جزا اور سزا دیا جاتا ہے۔ صحیفۂ فطرت میں بھی انسان کی نیکی اور بدی کا اثر قائم رہتا ہے۔ انسان انہی نوشتوں سے اپنی جنت اور جہنم کو تیار کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) اور ہم اُس کے لیے پیشی کے دن ایک کتاب نکال کھڑی کرتے ہیں جسے وہ (اپنے آگے) کھلا ہوا پاتا ہے۔

(۱۴) اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ (اُسے کہا جاتا ہے) تو اپنا لکھا ہوا پڑھ لے۔ آج تو خود ہی اپنے آپ کا کافی حساب لینے والا ہے (اللہ تعالےٰ پر کوئی الزام نہیں آسکتا)

(۱۵) مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ جس شخص نے ہدایت پائی سو سوائے اس کے نہیں کہ وہ اپنے آپ کے لئے ہی ہدایت پاتا ہے اور جو گمراہ ہوا یں سوائے اس کے نہیں کہ اُس کا ضرر بھی اُسی کے نفس پر ہے اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھاتا اور ہم کبھی عذاب نہیں

دیا کرتے جب تک کوئی رسول مبعوث نہ کرلیں (جس کی تعلیم اُس کو حفاظت کے ساتھ پہنچ جائے۔ اس میں ظنی حدیثوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اسوقت دنیا میں قرآن مجید ایسی حفاظت کے ساتھ پہنچا ہے جس کی گواہی دوسرے مذاہب کے اہل علم بڑی صفائی کے ساتھ دیتے ہیں۔ صحابہ کے ہاتھوں کا لکھا ہوا قرآن آج تک دنیا میں موجود ہے۔ پس محمد رسول اللہ کی اصل تعلیم ہر ایک کو پہنچ گئی ہے۔ یہ پیغمبرانہ اطاعت ہے جو قرآن کے ذریعہ سے ہی پہنچائی گئی ہے۔ قرآن میں تمام نبیوں کی وہ باتیں بھی آگئی ہیں جنکی تصدیق خود خدا نے کردی ہے۔ اس آیت میں ہمیشہ نئے نئے رسولوں کے آنے کا کوئی اشارہ نہیں)

(۱۶) وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝ (ناز پروردہ لوگ شرارتوں سے باز نہیں آتے۔ جب وہ ہلاکت کے نزدیک پہنچ جاتے ہیں تو خدا اُنھیں کہہ دیتا ہے کہ جو تمہارا جی چاہتا ہے کرلو۔ اب تم ہلاک ہی کئے جاؤ گے۔ چونکہ اس دنیا میں وہ اپنی اصلاح نہیں کرسکے، اسلئے ضرور ہے کہ دوسرے عالم میں جہنم کے ذریعہ سے اُن کی اصلاح کی جائے چنانچہ ارشاد ہے) اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں (یعنی جب اُن کی ہلاکت کا وقت اُن کی شرارت کے سبب قریب آتا ہے) تو ہم اس بستی کے آسودہ حال لوگوں کو حکم دیدیتے ہیں (کہ جو کرنا ہے کرلو۔ اور وہ اپنے اثر سے دوسروں کو بھی اپنے پیچھے چلاتے ہیں وہ بھی اُن کی تقلید سے اور اُن کو خدا بنانے اور خدا کے ساتھ مثلہٗ معہٗ ٹھہرانے کے سبب تباہ ہوجاتے ہیں) سو وہ اس (بستی) میں نافرمانیاں کرتے ہیں (اور ان نافرمانیوں کے سبب) پھر وہ (بستی) حکم (عذاب) کی مستحق ہوجاتی ہے۔ پھر ہم اُنھیں ہلاک کردیتے ہیں ہلاک کرنا۔

(۱۷) وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝ (اس کے ثبوت میں پیش کیا کہ) ہمنے

نوح کے بعد کئی زمانوں کے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار اور دیکھنے والا ہے (خدا بندوں کے کاموں سے خبردار ہوتا ہے اور اُن افعال کی جو تاثیر ان کی ذات پر ہوتی ہے اُسے دیکھتا ہے)

(۱۸) مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا

جو شخص اس دنیا کا ارادہ کرتا ہے (نا کہ اس دنیا کے فوائد کو جلدی پالے) ہم اُسے اس دنیا میں بھی جلدی دیتے ہیں جو چاہتے ہیں اور جس کے لئے ارادہ کرتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کے لئے جہنم کو بنایا کہ اس میں بُرا بنکر اور دھکیلا جا کر داخل ہوتا ہے۔

(۱۹) وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝ (جو شخص خدا سے مُنہ موڑ کر محض دنیا کا ہی طالب ہے اُسے دنیا کی عزت تو کچھ نہ کچھ مل جاتی ہے لیکن اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ۲۵/۴۔ آخرت میں خدا کو سچی طرح پر ماننے اور اُس کے فرمانبردار رہنے سے ہی فائدہ ملتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے۔ اور آخرت کے لئے اس آخرت کے لائق کوشش کرتا ہے اور وہ خدا پر ایمان رکھنے والا ہے سو اُن کی کوشش کی قدر کی جاتی ہے۔

(۲۰) كُلًّا نُمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۝ ان (جنتیوں) میں سے اور اُن (جہنمیوں) میں سے ہر ایک کی ہم اپنی عطا کے ساتھ مدد کرتے ہیں اور تیرے رب کی عطا کبھی نہیں روکی جاتی (اس سے معلوم ہوا کہ جہنمیوں کی بھی عذاب کے ذریعہ سے اصلاح ہی ہوتی ہے اور یہ بھی خدا کی عطا ہی ہے)

(۲۱) اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ (عطاؤں کے مختلف ہونے سے آخرت کے اختلافات کی عطاؤں کے اختلاف کے لئے سند پیدا ہو سکتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے) دیکھ ہمنے کسطرح اُن کے بعض کو بعض پر (اس دنیا میں) فضیلت دی اور (اس سے ثابت ہوتا ہے کہ) آخرت جو ہے تو وہ درجات کے لحاظ سے بھی بہت بڑی اور بزرگی دینے کے لحاظ سے (بھی) بہت بڑی ہے (جب خدا مخلوقات کو یہاں ارتقا دیتا ہے تو عالم آخرت کے ارتقاء اس سے بھی بڑے ہیں)

(۲۲) لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝

(درجات اور جزا اعمال کے مطابق ملتی ہے۔ یہاں اُن اعمال کا ذکر ہے جنکا روح اسلام کے ساتھ تعلق ہے۔ ان میں سے اصل الاصول توحید الٰہی ہے۔ اسی میں انسانی حریت و مساوات بھی آجاتی ہے۔ اگر کسی انسان کو خدا کی صف میں بٹھایا جائے تو یہ شرک ہے اگر اس کو انسانی صف میں جگہ دیجائے تو یہ حریت و مساوات ہے چنانچہ ارشاد ہے) تو (اے پیغمبر) اللہ کے ساتھ کوئی معبود مت بنا (اگر تو ایسا کریگا) سو تو بُرا بنکر (یعنی انصاف اور سچے اخلاق سے عاری ہو کر اور) ذلیل (و بے پناہ ہو کر یعنے انسانیت سے بھی ہاتھ دھو کر) بیٹھ رہیگا۔

رکوع سوم (۲۳) وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ (جب توحید الٰہی کا یہ مرتبہ اور پایہ ہے تو ضرور ہے کہ اس بات کا سب سے اول قطعی فیصلہ کیا جائے جیسا کہ ارشاد ہے) اور تیرے رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تو خاص اس خدا کے سوائے کسی اور کی عبادت نہ کر (خدا کی مثل

دوسرا حاکم بلکہ احکم الحاکمین بنانا یقیناً باطل ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا الخ ؕ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ؕ۲۵ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ ؕ۲۵۔ وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۱۵ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ؕ۲۶ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ؕ۲۷ وغیر ذالک من الآیات

رسولوں میں سے ہر ایک کو سب سے پہلے حکم ہوتا ہے کہ اگر تو شرک کریگا تو تیرے عمل حبط ہو جائینگے اور تو گھاٹے والا بن جائیگا ۲۶۔ رسول و نبی معبود نہیں ہوتے معبود صرف ایک خدا ہی ہوتا ہے۔ رُسل و انبیاء کی اطاعت معبودانہ نہیں ہے سو جو الٰہی کو خدا کی سند سے مانا جائیگا اور عقلی باتوں میں بھی اعتقادی اطاعت صرف اُسی بات کی ہوگی جس کی مدعی سے سند مانگی جانی ضروری ہے۔ عقلی اطاعت میں بھی تقلید ناجائز ہے۔ پس مذکورہ بالا آیت میں کوئی رسول و نبی خدا کے ساتھ شامل نہیں ہو سکتا سو لوبوں اور درویشوں کو رب پکڑنے اور مسیح علیہ السلام کو بھی رب بنانے کے ایک ہی معنی ہیں ۱۱) اور (یہ بھی اصولی طور پر حکم ہے کہ) ماں باپ کے ساتھ احسان کرو (اس کے یہ معنی نہیں کہ ایک شخص کے ماں باپ کے ساتھ ہی تمام لوگ احسان کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان کرے) اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تیرے موجود ہوتے ہوئے بڑھاپے کو پہنچ جائیں (بڑھاپے میں انسان کی عقل قائم نہیں رہتی اسلئے فرمایا) تو تو اُن کو اُف مت کہنا اور (اُن کی کسی حرکت پر) اُن کو مت ڈانٹنا اور (اگر کچھ سمجھانا مقصود ہو تو) اُن کے ساتھ عزت سے بات کرنا۔

(۲۴) وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ؕ۲۴ اور دونوں (یعنی ماں باپ) کے لئے رحمت سے اپنے عاجزی کے بازو نیچے کر (ہمارے سچے رسول کو خدائے صادق فرماتا ہے کہ تو اپنے بازو مومنوں کے لئے نیچے کر۔ سچا رسول اپنی عاجزی ہی دکھلاتا ہے

خدا کے سامنے کچھ بنکر نہیں دکھاتا) اور (اُن کی زندگی میں اور اُن کے مرنے کے بعد بھی دعا کر اور) کہہ اے میرے حقیقی پالنہار اور مربی ان دونوں پر رحم کر جسطرح ان دونوں نے مجھے چھوٹے ہونے کی حالت میں پالا (جس خدا نے ہمیں ایسے سرپرستوں کے ہاتھ میں دیا ہے وہ خود کس درجے کا مہربان ہوگا۔ اسی ظاہری پرورش وتربیت کی خاطر اللہ تعالےٰ نے ماں باپ کے شکر کو اپنے شکر کے ساتھ ملایا ہے۔ ہمارے رسول کو بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ اسی طرح پیش آنے کا حکم ہے۔ ماں باپ خدا کی نعمت ہیں اور خدا منعم حقیقی ہے۔ ماں باپ مخلوقات کی صف میں ہی بٹھائے جائیں گے۔ خدا کی صف میں نہیں بٹھائے جا سکتے۔ جب ماں باپ کے شکر اور اطاعت و اکرام کا یہ حال ہے تو کیا اس سے اُن کی باتیں دوسرا وحی بن جاتی ہیں اور کیا خدا کا شکر اور ان کا شکر ایک ہی چیز ہو جاتا ہے۔ الحدیث خدا اور رسول کی اطاعت اور قضا کو مثلہٗ معہٗ قرار دیتے ہیں افسوس)

(۲۵) رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ تمہارا حقیقی پروردگار جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے (تمہارے دل میں بُرے خیالات بھی آ سکتے ہیں لیکن) اگر تم صالح بنو گے تو بلاشبہ وہ خدا رجوع کرنے والوں کے لئے بخشنے والا ہے (اگر ماں باپ کے معاملے میں تم سے کوئی خطا ہو گئی ہے تو اُس کی تلافی کرو اور اُن کے لئے دعا مانگو اور خدا کی طرف رجوع کرو تو خدا تمہیں بخشدیگا)

(۲۶) وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اور قریبی کو اور مسکین کو اور مسافر کو اسکا حق دے (یعنی جو مدد تجھ سے اُنکی ہو سکے کر) اور (مال کو) بیجا خرچ مت کر۔

(۲۷) اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ بیشک فضول خرچی کرنیوالے شیطان کے بھائی ہیں

اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گذار ہے۔

(۲۸) وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ اور اگر تو اپنے رب کی رحمت کو جس کی تجھے اُمید ہے چاہتا ہو اُن کی طرف توجہ نہ کر سکے تو اُن کو نرمی کی بات کہہ (جب تجھے اُن کی مدد کی توفیق نہ ہو تو اُن کے ساتھ نرم کلامی سے پیش آ، اور اُنھیں کہہ دے کہ جب خدا تعالےٰ توفیق دیگا تو اُس کے راستے میں خرچ کرنے سے اور کونسی بات اچھی ہو سکتی ہے)

(۲۹) وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ اور (خرچ اعتدال کے ساتھ کرنا جیسا کہ ارشاد ہے) تو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن پر نہ باندھ رکھ (یعنی بخل مت کر) اور اُسے سارے کا سارا کھول نہ دے (یعنی اپنی بساط سے زیادہ خرچ نہ کر اگر تو ایسا کریگا) سو تو (بخل کے سبب) ملامت کیا ہوا (اور حیثیت سے بڑھکر خرچ کرنے کے سبب) درماندہ (اور حسرت زدہ) ہو کر بیٹھ رہیگا۔

(۳۰) اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝ (اگر تو چاہتا ہے کہ سب لوگ غنی بن جائیں تو یہ حکمت کے برخلاف ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے) بلاشبہ تیرا رب جس کے لئے چاہتا ہے روزی کو فراخ کر دیتا ہے اور اندازے کے ساتھ بھی دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے بندوں (کے اعمال) سے خبردار (اور اُن کی باطنی حالت کو) دیکھنے والا ہے۔

رکوع چہارم (۳۱) وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ (تمہارے ظاہری اندازے اکثر غلط ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو تنگی کے خوف سے (جب تم پیدا ہوئے تھے تو تم بھی اپنے ماں باپ پر بار تھے) ہم اُن (یعنی تمہاری اولاد) کو رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی (پالتے آئے ہیں) بلاشبہ اُن کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے (اُن کے قتل کرنے سے یہ ثابت ہوگا کہ تم ہی ان

کے رازق ہو کئی دفعہ ماں باپ کے مرجانے کے بعد اُن کی اولاد اچھی طرح پرورش پاتی ہے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرتی ہے۔ خدا کے کاموں کو جن میں تمہارا کوئی دخل نہیں خدا پر ہی چھوڑ دو۔ ہمارے رسول کریم نے یتیم ہو کر بھی بفضل خدا کس قدر دنیا کی خدمت کی ہے)

(۳۲) وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ (زنا کرنا بھی اولاد کا ضائع کرنا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) اور زنا کے نزدیک مت جاؤ بلاشبہ وہ بے حیائی (یعنی دوسرے کا حق مارنا) ہے اور بُرا رستہ ہے (اس سے دنیا میں بدچلنی اور بدعملی پیدا ہوتی ہے اور رشتے ناطوں کا کوئی اعتبار نہیں رہتا اور فضولخرچی اور شرابخواری کی عادت کے سبب بہت سے گناہ اور بیماریاں پیدا ہوتی ہیں)

(۳۳) وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝

اور اُس (انسانی) جان کو جس سے خدا نے روکا ہے حق کے بغیر مت قتل کرو (جو شخص جنگ کے لئے آئے یا کسی کو قتل کرے تو اس سے اُس کے مارنے کا حق پیدا ہو جاتا ہے) اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے (یعنی ناحق مارا جائے) تو ہم نے اس کے ولی (یعنی سرپرست) کے لئے غلبہ دیا ہے (کہ وہ اُسے قتل کرا ڈالے) لیکن وہ قتل میں حد سے نہ گذرے۔ (کہ وہ قاتل کے ساتھ کسی اور کو بھی مار دے یا قاتل کو ہی دُکھ دیکر مارے یا حاکم و سلطان کی اجازت کے بغیر ہی مار دے۔ جب حکام اُن کی مدد کر سکنے کو موجود ہیں تو قصاص کو اپنے ہاتھ میں لینا صحیح نہیں اسلئے فرمایا کہ) بلاشبہ یہ (قتل کا مقدمہ) مدد دیا گیا ہے (حاکم اور غیرتمند لوگ اس کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں)

(۳۴) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ (حفظِ جان کے بعد مال کی حفاظت کا ذکر ہے جیسا کہ فرمایا ہے) اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے کہ وہ بہت نیک ہے (جس سے اُس کے مال کی پوری حفاظت ہو سکے اور یہ حفاظت اسوقت تک ضروری ہے)

یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے (اور اپنے مال کا ٹھیک انتظام کرنے لگ جائے) اور عہد کو پورا کرو (اس میں فرق مت آنے دو۔ عہد کے سبب سے ہی دنیا کی آبادی ہے) بلاشبہ عہد کی بابت سوال ہوتا آیا ہے (خالق بھی عہد کے متعلق پوچھتا ہے اور مخلوق بھی پوچھتی آئی ہے۔ بدعہد کے ساتھ معاملہ کرنے سے لوگ رُک جاتے ہیں)

(۳۵) وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ اور پورا کرو ماپ کو جب تم ماپو اور سیدھی ترازو سے تولو (جس کے سبب سے وزن میں فرق نہ پڑ جائے) یہ بات بہتر ہے (اس کے ذریعے سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا) اور نتیجے کے لحاظ سے بہت خوب ہے (سوداگروں کو اس سے نفع ملتا ہے اور اعتبار کے سبب تجارت کو فروغ ہوتا ہے)

(۳۶) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ اور جس چیز کا تجھے علم نہیں اُس کے پیچھے مت پڑ (اور کسی پر بدظنی مت اور جھوٹ کو سچ مت بنا لے۔ جب تک ایک بات کا کافی علم نہ ہو اُس کو حقیقت کے طور پر کبھی بیان نہیں کرنا چاہیے) بلاشبہ کان کو اور آنکھ کو اور دل کو (یعنی) ہر ایک کو اس کی بابت سوال ہوتا ہے (تحقیقات کے وقت پوچھا جاتا ہے۔ کیا تو نے اپنے کان سے سنا یا اپنی آنکھ سے دیکھا یا کیا اُس وقت تیرے دل کو ایسی ہی سمجھ آئی تھی)

(۳۷) وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ (ناقص علم کی تو پیروی نہیں کرنی چاہیے اور اگر پورا علم ہو تو اُس پر بھی مغرور نہیں ہونا چاہیے۔ علم دماغ کے مریض ہونے سے کوئی کام نہیں دے سکتا۔ چنانچہ تکبر سے روکنے کے لئے فرمایا) اور تو زمین میں اکڑ کر مت چل (اکڑ کر چلنے والا کبھی نیچا ہوتا ہے اور کبھی اونچا ہوتا ہے اسلئے فرمایا) بلاشبہ تو نیچا ہو کر ہرگز زمین کو پھاڑ نہیں دیگا اور (اونچا آکر) بلندی میں پہاڑوں تک نہیں پہنچیگا۔

(انسان کس بات پر شیخی کرے اُس کی کمزوری پوری طرح عیاں ہے)

(۳۸) كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝ یہ تمام باتیں جو ہیں ان کی برائی (کا پہلو) تیرے رب کے نزدیک قابل نفرت ہے۔

(۳۹) ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ یہ (بیان) اُس سے ہے جو تیرے رب نے تیری طرف حکمت سے وحی کیا ہے (پس وحی والی حکمت قرآن میں ہی آجاتی ہے کتاب اور حکمت میں نسبت عموم وخصوص مطلق کی ہے۔ اخیر میں توحید کے ہی اصل الاصول کو بیان کیا ہے۔ اُسی سے حکمت کی باتیں شروع کی گئیں اور اُسی پر ختم کی گئیں جیسا کہ فرمایا ہے) اور تو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود مت بنا (اگر ایسا کریگا) سو تو جہنم میں ملامت زدہ ہو کر (اور) دھکیلا جا کر ڈالا جائیگا۔

(۴۰) اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝ کیا (خدا کا بھی کوئی شریک ہو سکتا ہے) پھر تم کو تمہارے رب نے بیٹوں کے ساتھ چن لیا۔ اور خود فرشتوں سے (اپنے لئے) بیٹیاں پکڑی ہیں۔ بلاشبہ تم ایک بھاری بات کہہ رہے ہو (جب خدا کی بیٹیاں ہوئیں تو ان کے لئے بر یعنی شوہر کی بھی ضرورت ہوگی)

رکوع پنجم (۴۱) وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ (اب یہاں ایسے حکمت والے قرآن کی تعریف کی جاتی ہے چنانچہ فرمایا) اور بالتحقیق ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کر دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں اور (ایسا حکمت والا قرآن اُن کی ضد و مخالفت کے سبب سے) اُن کو نفرت ہی میں بڑھاتا ہے (جس قرآن میں ایک ہی بات کو طرح طرح سے بیان کیا ہے اور رنگا رنگ نقشے کھینچے ہیں کیا ممکن ہے کہ وہ اتنا بھی بیان نہ کر سکے کہ مغرب کی تین رکعتیں پڑھنی لازم ہیں)

(۴۲) قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝ تو انھیں کہہ دے کہ اگر خدا کے ساتھ اور معبود ہوتے جسطرح یہ کہتے ہیں (کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں) تو جب تو یہ (بیٹوں والے) مالک عرش (یعنی متصرف حقیقی) کی طرف (رشتہ ناطہ طلب کرنے کے لئے) راستہ ڈھونڈتے (نادانوں کے دل میں خدا کی عظمت کا یہ حال ہے جبکہ وہ دو احکم الحاکمین اور دو اصل مطاع مانتے ہیں اور خدا کے لئے تکلف جیب ٹھہراتے ہیں تو اُن کے دل سے خدا کی عظمت جاتی رہتی ہے)

(۴۳) سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ (اسلئے فرمایا) وہ (خدا) پاک ہے اور اس سے جو یہ کہتے ہیں بہت ہی اونچا (اور وراء) ہے۔

(۴۴) تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ ساتوں آسمان اور زمین اور جو اُن میں پائے جاتے ہیں سب اُس کی تسبیحیں کہتے ہیں (اور اپنے اثرات سے اس کی خوبی و پاکیزگی دکھاتے ہیں۔ یہ حال ہر زمین اور اس کے متعلقہ سماوات کا ہے) اور (ان کے علاوہ ہر چیز کا یہی حال ہے کہ) ہر ایک شے جو ہے وہ صرف اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح ہی کر رہی ہے۔ لیکن تم (اپنے علم کے ناقص ہونے کے سبب) اُن کی تسبیحوں کو نہیں سمجھ سکتے (ایسے خدا کے ساتھ شریک بناتے ہو اور اس شرک کے بد اثرات سے نہیں ڈرتے۔ خدا ہی تمہیں اصلاح کے لئے محفوظ رکھتا ہے) بلاشبہ وہ حلم والا بخشنے والا ہے۔

(۴۵) وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ (اس شرک و توحید کے نتائج اعلیٰ طور پر موت کے بعد ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن یہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے اسلئے فرمایا) اور جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے درمیان اور اُن لوگوں کے درمیان جو آخرت کو نہیں مانتے

ایک ایسا پردہ کر دیتے ہیں جو ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا (یہ پردہ اپنے بزرگوں کو دوسروں کے بزرگوں سے اعلیٰ ثابت کرنے کا ہے۔ سلف کی ناجائز تقلید ہمیشہ رہزن بنتی رہی ہے۔ بعض لوگ اسلام کی تحقیقات خود قرآن سے نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ اسلام کی تحقیقات کے لئے چھ سو سال بعد از ہجرت کی کتابوں کو دیکھنا چاہیئے۔ گویا اسلام اس سے پہلے دنیا میں اپنی صفائی نہیں دکھاتا تھا۔ اس کی صفائی دیکھنے کا موقعہ چھ سو سال بعد آیا)

(۴۶) وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ اور ہمنے اُن کے دلوں پر (اُن کے تکبر کی وجہ سے جہالت و توہمات کے) پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ اُسے نہ سمجھیں اور اُن کے کانوں میں گرانی ڈال دی ہے (تاکہ وہ محبت سے سُن بھی نہ سکیں۔ حق کی مخالفت کرنے والوں کو قدرتی طور پر ایسی ہی سزائیں ملا کرتی ہیں۔ خدا انھیں ان مثالوں سے سمجھاتا ہے تاکہ وہ اپنی بیماری پر غور کریں اور اُس کے علاج کی طرف متوجہ ہوں۔ ان لوگوں کو خالص توحید سے نفرت ہے جیسا کہ فرمایا) اور جب تو قرآن میں اپنے رب کا اُس کو اکیلا کر کے (اور خالص دکھلا کر) ذکر کرتا ہے تو یہ اپنی پیٹھوں پر نفرت کرتے ہوئے مُڑ جاتے ہیں۔

(۴۷) نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ جب کبھی یہ تیری طرف کان رکھتے ہیں تو ہم جانتے ہیں کہ یہ کس ارادے کے ساتھ کان رکھتے ہیں اور جب یہ خفیہ کمیٹیاں کرتے ہیں اُسوقت ظالم کہا کرتے ہیں کہ تم (جو سننے کے لئے جاتے ہو تو) نہیں تابعداری کرتے مگر ایک جادو زدہ مرد کی۔ (کیا تم پاگل کی باتیں سننے جاتے ہو۔ افسوس ہے کہ ظالم ہمارے رسول کو ضد سے پاگل کہتے تھے۔ بخاری و مسلم نے انھیں سچ مچ مسحور بنا دیا)

(۴۸) اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝

دیکھ (اے پیغمبر) تیرے لئے کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں (جس سے تیری لائی ہوئی وحی کو بے اعتبار ثابت کرنا چاہتے ہیں) پس یہ گمراہ ہوگئے اور آئندہ راستہ پانے کی طاقت نہیں رکھتے (متکبرانہ انکار کرنے کے بعد پھر ماننے کی توفیق بمشکل ہی ملا کرتی ہے)

(۴۹) وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝

(اور وہ رسول کریم کو پاگل ثابت کرنے کے لئے ایسے بیہودہ اعتراض کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے) اور انھوں نے کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں تو کیا ہم نئی پیدائش میں پیش ہوتے ہیں (ان کے نزدیک انسان میں کثیف مٹی کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے جو اعلیٰ ترقیاں حاصل کرتی جائے اور علم اور نیکی اور خوشی میں اعلیٰ مراتب پر پہنچتی جائے اصل مطلوب خدا ہے اُس کے علوم کی طلب بھی کبھی ختم نہیں ہوسکتی)

(۵۰) قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ تو انھیں کہہ دے کہ (تم کثیف جسم کے لحاظ سے) پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ

(اور تمہارے اجزا ان میں شامل ہوجائیں تو اس سے تمہارے نئی پیدائش میں مبعوث کئے جانے میں کوئی فرق نہیں پڑسکتا)

(۵۱) اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۚ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۚ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۝ یا (پتھر اور لوہے کے سوا) کوئی اور پیدائش بن جاؤ جو تمہارے سینے میں بڑی معلوم ہوتی ہے (مثلاً سونا اور پلاٹینم اور ہیرا بن جاؤ تو اس سے بھی تمہاری ذات کے مبعوث ہونے میں کوئی خلل نہیں آسکتا) سو یہ لوگ ابھی کہینگے کہ (جب بات یہ ہے تو) کون ہمیں دوبارہ بناتا ہے۔ تو کہہ (وہی تم کو دوبارہ بناتا ہے) جسنے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔ سو ابھی یہ لوگ تیری طرف اپنے سروں کو ہلائیں گے اور کہیں گے (کہ اچھا مان لیا تو اب تم بتاؤ) کہ یہ کب ہوگا۔ تو کہہ ہوسکتا ہے کہ وہ قریب ہی ہو (اور تم مرکر خدا کے حضور میں پیش ہوجاؤ)

(۵۲) يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (یہی تو وہ دن ہے) جس دن تم کو وہ بلاتا ہے (اور ندا کرتا ہے) سو تم اُسکی حمد کے ساتھ اس کے حکم کو مان لیتے ہو اور گمان کرتے ہو کہ تم (اس دنیا میں) تھوڑی دیر رہے ہو۔

رکوع ششم (۵۳) وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ۝ حقیقت ہوتا ہے۔ اسلئے فرمایا ہے کہ اسے نرمی کے ساتھ بیان کیا جائے جیسا کہ ارشاد ہے) اور میرے بندوں کو کہہ دے کہ ایسی بات کہیں جو بہت خوب ہو (اور نرم کلامی کریں) بلاشبہ شیطان اُن کے درمیان جھگڑا ڈال دیتا ہے۔ بالضرور شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔

(۵۴) رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ۖ إِن يَشَأْ يَرْحَمْكُمْ أَوْ إِن يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ ۖ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝ (اُن سے اس طرح پر کلام کرنا چاہیئے کہ) تمہارا رب تمہارے حال کو جانتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تو تم پر عذاب کرے اور (اے رسول) ہمنے تجھ کو اُن پر وکیل بنا کر نہیں بھیجا (کہ تو اُن کا وکیل و شفیع ہے یا تجھ سے پوچھا جائے کہ کیوں اتنے لوگ جہنمی ہوئے۔ تیرا کام پہنچا دینا ہے حساب خدا کے ذمے ہے)

(۵۵) وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ۝ (یہ لوگ فرشتوں اور نبیوں کو پوجتے ہیں اسلئے اُن کی حقیقت دکھلانے کے لئے فرمایا) اور تیرا رب جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں (فرشتے کارکنان قدرت اور مجبور محض ہیں۔ وہ حکم الٰہی کے ساتھ ہی کام کرتے ہیں) اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے (کوئی بھی ان میں سے معشوق الٰہی اور حکم مطاع نہیں) اور داؤد کو زبور دی ہے (جس میں عاجزانہ دعائیں بھری پڑی ہیں۔ وہ بھی ہر وقت خدا ہی کو پکارتے تھے)

(۵۶) قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ (اور اگر وہ خدائی اختیار رکھتے ہیں) تو تو انھیں کہہ کہ تم اُن لوگوں کو پکارو جن کو تم خدا کے سوائے کچھ سمجھتے ہو۔ سو وہ تم سے نہ ضرر کھولنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اُس کو کسی دوسرے پر ڈالنا ہی اُن کے بس میں ہے۔

(۵۷) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ وہ لوگ جن کو یہ (مشرک) پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کی طرف تقرب ڈھونڈتے ہیں کہ کون ان میں سے اقرب بنتا ہے (اور خدا کی فرمانبرداری کو ہی اپنی ترقی کا وسیلہ جانتے ہیں) اور اُس کی رحمت کے اُمیدوار ہیں اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بلاشبہ تیرے رب کا عذاب ایسا ہی ہے جس سے ڈرنا چاہیئے (حاصل یہ کہ جن کو یہ وسیلہ بنانا چاہتے ہیں وہ خود خدا کی طرف تقرب ڈھونڈتے ہیں اور اسی کی فرمانبرداری کو وسیلہ جانتے ہیں۔ وہ خود آپ بیچ میں کیسے وسیلہ بن سکتے ہیں۔ ایک عورت نے اپنے خاوند کے متعلق ہمارے رسول کریم کے ساتھ جھگڑا کیا۔ جب وہ نبی کے ساتھ سوال جواب کر کے مایوس ہوئی تو اُس نے خدا کی طرف شکایت کی۔ خدا نے اس کی بات کو قبول فرما کر وحی نازل کی۔ اگر رسول ہی وسیلہ ہوتا تو خدا کی طرف شکایت کرنے کی کیا ضرورت تھی)

(۵۸) وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ (بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابدال اور غوث شہروں کے محافظ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی غلطی ظاہر کرنے کے لئے فرماتا ہے) اور کوئی بستی نہیں ہے مگر ہم خود اُس کو پیشی کے دن تک پہنچنے سے پہلے ہلاک کرنیوالے ہیں یا اُسے (اُن کے ظلموں کے سبب) سخت عذاب کرنیوالے ہیں۔ یہ بات کتاب (یعنی صحیفۂ فطرت) میں لکھی ہوئی ہے (قیامت کبریٰ سے پہلے موت سب کے لئے لازم ہے اور ظالم ظلم کے سبب بھی عذاب دیئے جاتے ہیں۔ کوئی رسول اپنے پیاروں کو بھی نہیں بچا سکتا تو دوسروں کے

لئے کیسے وسیلہ بنیگا۔ لوگوں نے من مانی گپیں ہانکی ہوئی ہیں)

(۵۹) وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝

(کفار کہتے تھے کہ اگر ہم عذاب کے ساتھ ہلاک ہونگے اور ہمارے بزرگ کام نہیں دینگے تو تم ہی ہمارے عذاب کے لئے کوئی نشان مقرر کرو۔ عذاب کے نشان مقرر کرنے سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ لوگ ڈر جائیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کریں۔ لیکن لوگ ہمیشہ تیزی دکھلاتے رہے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے قوم ثمود کے لئے اُن کی درخواست کے مطابق یہ نشان مقرر کیا تھا کہ جب تم اس اونٹنی کو بُری طرح سے ہاتھ لگاؤ گے اور خلاف وضع فطری دُکھ پہنچاؤ گے تو تمہیں عذاب آئیگا۔ اگر وہ اونٹنی کو ستانے سے باز رہتے تو انھیں دنیا میں ہرگز عذاب نہ پکڑتا۔ لیکن اُنھوں نے ایک بدبخت کو کھڑا کیا۔ اُس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور کہا کہ اگر کوئی عذاب دینے والا ہے تو آئے اور ہمیں پکڑے۔ تین دن کے بعد وہ قوم ساری کی ساری تباہ ہوگئی۔ پس ایسا نمونہ دکھا کر ہم نے لوگوں پر ثابت کر دیا تھا کہ آیات کو نشانوں کے ساتھ بھیجنا ٹھیک نہیں۔ شریر لوگ شرارت پر اُتر آتے ہیں اور تمام قوم کو ساتھ ہی لے ڈوبتے ہیں۔ اس نمونہ کے دکھلانے سے ہمارا منشا یہ تھا کہ ہم عذاب کے بھیجنے کے لئے ان نشانوں کا تماشا بھی بند کر دیں جنکی مخالفت پر قومیں کھڑی ہو جاتی ہیں اور عذاب کو جلدی لے لیتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے) اور ہم کو کسی چیز نے نہیں روکا کہ ہم عذاب کو نشانات کے ساتھ بھیجیں مگر اس بات نے کہ پہلے لوگوں نے ان (نشانات) کو جھٹلایا اور ہمنے ثمود کو اونٹنی کا واضح نشان دیا تھا سو اُنھوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا (اور اس نشان کے سبب ڈر نہیں گئے) اور ہم (عذاب کو) نشانات کے ساتھ ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے تھے (سو اُنھوں نے ان روشن نشانات سے فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ اپنی ہلاکت کے موجب بن گئے)

(۶۰) وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝

(یہ لوگ تو ذرا ذرا سی بات پر بھی بھڑک اُٹھتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے) اور جب ہمنے تجھ سے کہا کہ تیرے رب

نے لوگوں کو گھیرا ہوا ہے (وہ فوج فوج اسلام میں آئیں گے تو لوگوں نے اسپر بھی ہنسی اُڑائی کہ خود تو دھکے کھاتے ہیں اور مکّے سے نکالے جانے کے قریب ہیں۔ مگر لوگوں پر حکومت کرنے کے خواب دیکھتے ہیں) اور اسی طرح ہمنے اس خواب کو بھی جو ہمنے تجھے دکھایا لوگوں کے لئے فتنے کا موجب بنایا (اس خواب کا بیان سورۃ الفتح میں ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فتح مکہ دیکر ہم نے تیرے اس خواب کو سچا کر دیا۔ یہ خواب ہمارے نبی کریم نے مکے میں دیکھا تھا۔ خدا کی تصدیق سے اُس کی سچائی واضح ہوگئی۔ مکی سورتوں میں اسلام کے غلبے کی بہت سی پیشگوئیاں کی گئی ہیں۔ بلکہ مکی سورت میں ہی یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جس خدا نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے۔ وہ ضرور تجھ کو مکّے کی طرف موڑ لائیگا ۲۸/۱۰۔ لوگ ٹھٹھا کرتے تھے کہ یہ لوگ جھونپڑوں میں بستے ہیں اور محلوں کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ جس مکّے میں یہ ٹھہر نہیں سکتے۔ اُسی کی فتح کے آرزومند ہیں۔ ایسی باتیں لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب بن جاتی ہیں) اور (اسی طرح) اس درخت کو بھی) جس کو قرآن میں رحمت سے دور بتلایا گیا ہے (فتنے کا موجب بنایا۔ آخرت کے قوانین دنیا کے قوانین سے مختلف ہیں۔ جب آدمی وہاں زندہ رہکر عذاب پا سکتا ہے تو اس عالم کے زقوم جہنم میں کیوں قائم نہیں رہ سکتے) اور ہم اُنھیں خوف دلاتے ہیں (تاکہ وہ بچ جائیں) سو وہ اُنھیں محض بڑی سرکشی میں ہی بڑھاتا رہا ہے (جب ایسی ایسی باتوں کا یہ نتیجہ نکلتا ہے تو اگر ہم اُنھیں کہہ دیں کہ جس دن تم فلاں انسان کو قتل کروگے تو تمہیں عذاب آئیگا تو یہ لوگ اُسے قتل کرنے کے لئے بھی آمادہ ہو جائیں گے)

رکوع ہفتم (۶۱) وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝ (یہ سب نتائج جذبات میں منہمک ہونے اور شیطان پرستی کے ہیں۔ ان لوگوں کا واسطہ خدا کے ساتھ نہیں جیسا کہ ارشاد ہے) اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ پس اُنھوں نے ابلیس کے سوائے سجدہ کیا۔ اُس نے (زبان حال سے) کہا کیا میں اُس کو سجدہ کروں جس کو تو نے گارے (یعنی گوندھی ہوئی مٹی) سے پیدا کیا ہے۔

(فرشتے انسٹنکٹس Instincts یعنی عقول حیوانی کی طرح بے اختیار ہیں۔ اُن پر ارادہ الٰہی کا عکس اسی طرح پڑتا ہے جسطرح شیشہ عکس کو لے لیتا ہے۔ تصرف الٰہی کو ماننے کے لئے ایسے وسائط کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص کسی بے گناہ آدمی کو قتل کرنا چاہے تو تلوار اسکا کہا مانتی ہے۔

اگر گندی کتاب کو پڑھنا چاہے تو چراغ اُس کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ اگر بُت کے آگے سجدہ کرنا چاہے تو رگیں اور پٹھے اُس کی کمر برداری کرتے ہیں۔ دیپک مالا بت خانوں کو بھی سجا دیتی ہے۔ اگر تمام مخلوقات انسان کی اسطرح پیروی نہ کرے تو انسان خدا تعالےٰ کے آگے جوابدہ نہیں بن سکتا۔ بے اختیار چیزوں کا اس طرح انسان کے کام میں لگ جانا اُس کو سجدہ کرنا ہے۔ یہ سجدہ بے اختیاروں میں بحکم الٰہی جائز ہے۔ صاحب اختیار کے لئے خدا کے سوائے اس طرح کا سجدہ کسی اور کو کرنا یقیناً ممنوع ہے۔ حیوان اپنی ماں بیٹی سے بھی مل جاتے ہیں۔ انسان کے لئے سمجھ دئے جانے کے بعد حیوانات کی نقل کرنا یقیناً حرام ہے۔

شیطان اُن عقول حیوانی کی مانند ہے جو جذبات کے ماتحت کام کرتی ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ اپنے جذبات کو اپنے قابو میں لائیں۔ جو جذبات کے ماتحت چلتا ہے وہ اپنی حالت کو جہنمی بنا لیتا ہے شیطان میں ناریت کا غلبہ ہے۔ وہ تکبر اور غضب اور شہوت و حرص کا اثر انسان پر ڈالتا ہے۔ وہ انسان کے ماتحت ہونے کے بجائے خود اُس کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ شیطان حیوانوں پر بھی اپنا اثر ڈالتا ہے۔ لیکن وہاں اُسکا اثر قدرتی ہوتا ہے۔ جب انسان عقل و اختیار والا بن گیا تو شیطان اپنے اثر ڈالنے کے لحاظ سے اُس کے لئے شیطان بن گیا۔

(اس کی تشریح سورہ اعراف اور سورہ بقرہ میں بھی آچکی ہے)

(۶۲) قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (شیطان نے یہ بھی) کہا بھلا دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے (عقل و اختیار دیکر) مجھ پر بزرگی دی ہے۔ اگر تو مجھے (موت کے بعد انکی) پیشی کے دن تک مہلت دیوے تو میں اس کی نسل کو تھوڑے لوگوں کے سوائے اپنے قابو میں لے آؤں (شیطان ہر ایک شخص کے ساتھ ہے۔ اولاد آدم کو اُن میں سے ہر ایک کی موت تک ہی گمراہی میں ڈال سکتا ہے۔ اور شیطان سے بچنے والے لوگ بھی ہر زمانے میں ہوتے رہے ہیں۔ پس یہ قول کسی شخص شیطان کا نہیں بلکہ جنس شیطان کا ہے جس کا ظہور ہر آدمی میں ہوتا ہے)

(۶۳) قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ (خدا تعالےٰ نے شیطان کی مخالفت کا یوں اظہار کیا اور) کہا کہ تو جا سو جو اُن میں

سے تیری تابعداری کرے تو بلاشبہ جہنم تمہاری جزا کوئی کم جزا نہیں ہے۔

(۶۴) وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝ اور ان میں سے جس کو تیری طاقت ہو اپنی آواز سے پھسلا دے (شیطان کی آواز گندے اور فساد پھیلانے والے گیت ہیں) اور (ڈاکوؤں اور رہزنوں کی طرح) اپنے سواروں اور پیادوں کو اُن پر کھینچ لا (شیطان کے سوار اور پیادے وہ لوگ ہیں جو حق کے مقابلے میں گمراہی سکھاتے ہیں اور رشتے ناطے تڑوانے ہیں اور میاں بیوی میں جدائی ڈالتے ہیں اور قوموں میں صلح کے بجائے بدامنی پھیلاتے ہیں) اور (شیطان کو یہ بھی کہا گیا کہ) اُن کے مالوں اور اولادوں میں تو اُن کا شریک بن (یعنی تیری بدراہی سے شریر لوگ ناجائز طور پر مال کمائیں اور اولاد بھی ناجائز ہی حاصل کریں۔ کفر کے امام اپنے مالوں اور اولادوں کو جبر مذہبی پھیلانے میں لگاتے ہیں اور اُن سے شر سے کام لیتے ہیں اور اُن کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں تاکہ اُن سے اُسی طرح برکت حاصل کی جائے جس طرح خدا کے ساتھ منسوب کرنے سے ثواب کی اُمید کی جا سکتی ہے) اور (شیطان کو یہ بھی کہا کہ) تو اُن کے ساتھ وعدے کرتا رہ (اور خدا کے سوا اُن کی نظر میں جھوٹے حمایتی اور سفارشی کھڑے کرتا رہ) اور شیطان اُن کے ساتھ دھوکے کے سوائے کوئی وعدہ نہیں کرتا۔

(۶۵) إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ۝ (شیطان کو یہ بھی کہا گیا کہ) بلاشبہ میرے بندے جو ہیں تیرا اُن پر کوئی غلبہ نہیں اور (اے پیغمبر اُن بندوں کے لئے) تیرا رب کافی وکیل (اور سرپرست) ہے۔ (خدا کے ساتھ کسی اور کے وکیل و شفیع بننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ حق و باطل کے مقابلے کا نقشہ ہے جو اسی دنیا میں واقع ہوتا ہے)

(۶۶) رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ (پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شیطان شرک کی طرف بلاتا ہے۔ اس جگہ شرک کی تردید

کے لئے کشتیوں کے سفر کی ایک مثال بیان کی گئی ہے۔ قدرتی قواعد احسن ہونے کے سبب کبھی نہیں ٹوٹتے وہ ہمیشہ بے بدل رہتے ہیں۔ ہاں ان میں اختیار کے ذریعے سے مناسب ترتیب دیجاتی ہے۔ انسان بھی اپنے اختیار سے نیچر میں دخل دے سکتا ہے اُن قوانین و قواعد کو توڑ نہیں سکتا۔ اس فوق الفطرت دخل و تصرف کے لئے خدا تعالےٰ کو پکارا جاتا ہے۔ مقدم مرضی صرف اس خدا کی ہی ہے۔ اس کے حضور میں تمام مرضیاں شکست کھا جاتی ہیں۔ سب کو اُسی کی ہی پناہ میں آنا پڑتا ہے۔ ہلچل اور اضطراب کے وقتوں میں اس تصرف کے نمونے سامنے آتے ہیں لیکن انسان امن کی حالت پاکر اُنھیں بھلا دیتا ہے۔ طوفانی ہلچل کے نمونے کشتیوں والے روز دیکھتے ہیں۔ یہاں اُن کو پیش کرکے ثبوت دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) تمہارا پروردگار وہ ہے جو کشتیوں کو تمہارے فائدے کے لئے چلاتا ہے تاکہ تم اُس کے فضل کو تلاش کرو (سمندر کے ذریعے سے تجارت کو رونق ملتی ہے۔ اگر صرف خشکی کے ذریعے سے سفر کرنا پڑتا تو ظالم قوموں کے سبب سے تجارت کو اس قدر فروغ نہ ہوتا اسطرح سمندر دُور کی قوموں کو جوڑنے کا ذریعہ ہے۔ الگ کرنے کا سبب نہیں۔

اللہ تعالےٰ نے لکڑی کو پانی سے ہلکا بنایا ہے۔ اور لوہا۔ تانبا وغیرہ بھی جبکہ وہ کھوکھلے بنائے جائیں اور اُن میں ہوا کا دخل زیادہ ہو تو وہ بھی ضخامت میں پانی سے نسبتاً ہلکے ہو جاتے ہیں۔ دھات کے برتن پانی پر تیرتے رہتے ہیں۔ اگر خدا تعالےٰ کے یہ حکیمانہ قواعد نہ ہوتے تو دنیا کی یہ رونق نہ ہوتی بلکہ دنیا ہی نہ ہوتی۔ یہ خدا تعالےٰ کا ہی فضل ہے کہ ایک مُلک کی اشیاء حفاظت الٰہی سے دوسرے ملک میں آرہی ہیں) بلاشبہ وہ خدا تم (مشرکوں) پر بھی مہربان ہے (جہنم کی سزا بھی اصلاح کے لئے ہے اسلئے خدا وہاں بھی رحیم ہی ہوتا ہے)

(۶۷) وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ كَفُورًا ۝ اور جب تم کو سمندر میں اصل تکلیف (یعنی سخت مصیبت) پہنچتی ہے (اور معلوم ہوتا ہے کہ جہاز طوفان میں گھر گیا ہے) تو جن کو تم سوائے خدا کے پکارا کرتے ہو سب گُم ہو جاتے ہیں (اور تم پر اُن کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ مصیبت کے وقت میں جبکہ کوئی آسرا نظر نہیں آتا تو مشرکانہ آسرے سب ٹوٹ جاتے ہیں) پھر جب وہ تم کو (اپنی قدرت و مشیت سے) خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم (اس خدا سے) مُنہ موڑتے ہو اور انسان ہے ہی ناشکر گذار (دُکھ کے وقت

ہیں خدا یاد آتا ہے۔ لیکن سُکھ میں انسان خدا کو بھلا دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ سُکھ صرف میری اپنی کوشش سے ہی پیدا ہوتا ہے)

(۶۸) اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ وَکِیْلًا ۝ کیا (انسان سُکھ میں ہماری حفاظت سے نکل جاتا ہے) پھر تم بیخوف ہو گئے کہ وہ (خدا) تمہیں خشکی کی جانب میں ہی دھنسا دے (جیسا کہ زلزلے کے وقتوں میں ہوا کرتا ہے) یا تم پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجے (اونچی زمینوں سے تیز ہوا میں کنکر پتھر اُڑ کر آتے ہیں۔ آتش خیز پہاڑوں کے دھانے سے جو لاوا اور پتھر نکلتے ہیں وہ بھی آندھی کے وقت دور تک پہنچ جاتے ہیں۔ زلزلے کے وقت میں جب کوئی زمین پھٹتی ہے تو اُسوقت اگر آندھی بھی ہو تو وہ کنکر ملک کے دُور دُور کے حصوں میں جا پہنچتے ہیں) پھر تم اپنے لئے کوئی وکیل (اور سرپرست) نہیں پاتے (ایسے اوقات میں صرف خدا ہی وکیل ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے)

(۶۹) اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَکُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْکُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَکُمْ بِمَا کَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ۝ یا کیا تم بے خوف ہو گئے ہو یہ کہ وہ (خدا) تم کو سمندر میں ایک دفعہ اور لے جائے (اور ایسی ضرورت ڈالے کہ تمہیں پھر سمندر میں جانا پڑے) پس تم پر ایسی ہوا بھیجے جو جہاز کو توڑ دینے والی ہو۔ سو تمہیں تمہارے کفر کے سبب سے غرق کر دے۔ پھر تم اپنے لئے ہمارے مقابلے میں کوئی مقدمے کی پیروی کرنے والا نہیں پاؤ گے۔

(۷۰) وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ۝ اور ہمنے بنی آدم کو (ارتقائی مراتب پر چڑھا کر ہی) بزرگی دی ہے اور اُن کو خشکی اور تری میں سواری دی ہے اور ہم نے اُن کو طیّب چیزوں سے روزی عنایت

کی ہے۔ (جانور بھوسے وغیرہ پر گذارہ کرتے ہیں۔ انسان اصل مغزیات اور اناج کو ہی استعمال کرتا ہے) اور ہمنے اُن کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی ہے (دوسرے سیاروں میں بھی انسان کی طرح صاحب اختیار لوگ بستے ہیں۔ انسان انہیں کی قسم میں داخل ہے۔ وہ بھی انسان کی طرح فضیلت یافتہ ہیں۔ پس انسان کو اکثر مخلوقات پر شرف حاصل ہے کُل پر نہیں)

رکوع ہشتم (۷۱) يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝ (ہر سیارے میں کوئی نہ کوئی مخلوق خلافت کے مرتبہ پر پہنچی ہوئی ہے۔ جیسا کہ اس زمین میں اسوقت انسان کا حال ہے۔ حامل امانت بھی انسان ہی ہے۔ اس امانت کے اُٹھانے کے سبب سے منافقوں اور مشرکوں کو عذاب اور مومنین اور مومنات کو جنّات اور درجات ملتے ہیں۔ اگر اس زمین کے جنّوں کا بھی یہی حال ہے تو وہ بھی حامل امانت انسان میں ہی شامل ہیں۔ اُن کو اگر انسان سے خارج کر دیا جائے تو وہ حامل امانت اور زمین میں خلیفہ نہیں رہیں گے۔ حاصل یہ ہے کہ جب انسان خلافت کے درجے پر پہنچ گیا ہے تو ضرور ہے کہ یہ جوابدہی کے لئے بھی بُلایا جائے اس سے قیامت کی جزا و سزا کا بھی ثبوت پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) جس دن ہم ہر ایک گروہ کو اُن کے امام (یعنی اُس رستے) کے ساتھ (جس پر وہ چلتے ہیں) بلاتے ہیں (کسی کو اہل قرآن اور اہل انجیل کہکر پکارا جاتا ہے اور کسی کو اہل بخاری و اہل تقلید کر کے بلایا جاتا ہے) تو جس کو اُس کی کتاب (یعنی نامۂ اعمال) اُس کے داہنے ہاتھ میں دی گئی تو وہ اپنی کتاب (مزے سے) پڑھا کرتے ہیں اور اُن پر تاگے کے برابر ظلم نہیں کیا جاتا۔

(۷۲) وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝

اور جو اس دنیا کی زندگی میں (مشتبہ روایتوں پر اور اندھی تقلیدوں کے سبب) اندھا ہوتا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوتا ہے اور راستے کے لحاظ سے بہت بہکا (اور غلطی میں پڑا) ہوتا ہے۔

(۷۳) وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ

عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ۝ (افسوس یہ لوگ قرآن سے روکتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) اور تحقیق یہ لوگ قریب تھے کہ تجھ کو اس سے گمراہ کردیں جو ہمنے تیری طرف وحی کیا ہے تاکہ تو ہمپر اس (وحی) کے علاوہ افترا کرے اور جب تو یہ تجھے دوست پکڑ لینگے (مشرک لوگ خالص توحید کے بیان کو سنکر نفرت کرتے تھے جیسا کہ اسی سورت کی آیت نمبر ۴۶ سے ظاہر ہے اور اس آیت سے پہلے بھی توحید ہی کا ذکر چلا آیا ہے۔ مشرک لوگ رسول کریم کو قید کرنے یا قتل کرنے یا جلا وطن کرنے کی تدبیریں کرتے تھے۔ حضور کو قرآن کے سنانے میں تنگی محسوس ہوتی تھی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے رسول تیرے سینے میں اس قرآن سے تنگی نہ ہو تاکہ تو اس کے ساتھ ڈرائے ۔ ایسی مصیبت کے اوقات میں ممکن ہے کہ رسول کریم کے دل میں یہ خیال آیا ہو کہ چند دنوں کے لئے توحید الٰہی کا ذکر نہ کیا جائے تاکہ اُنکی شرارتیں مدہم پڑ جائیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے اسوقت فرمایا کہ بلاشبہ وہ ذات پاک جس نے تجھ پر قرآن کو یعنی اس کی تبلیغ کو فرض کیا ہے وہ تجھے تیرے معاد یعنی مکے کی طرف تجھ کو ضرور موڑنے والا ہے۔ تو کہدے میرا رب اُس کو خوب جاننے والا ہے جو ہدایت لیکر آیا ہے اور اُس کو بھی جانتا ہے جو گمراہی میں پڑا ہے۔ اور تو اُمید نہیں کرتا تھا کہ تجھ پر یہ کتاب نازل کی جائیگی مگر تیرے رب کی رحمت سے ایسا ہوا ہے۔ پس تو کافروں کا مددگار مت بن ۔ اور جبکہ آیات الٰہی تجھ پر نازل ہو چکیں تو یہ لوگ تجھ کو اللہ کی آیات (کی تبلیغ) سے نہ روک دیں اور اپنے رب کی طرف بلا اور مشرکوں سے مت بن اور تو خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکار اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اس خدا کی ذات کے سوا تمام چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں۔ اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم موڑے جاتے ہو ۔

ان آیات نے رسول کریم کو ثابت قدم کر دیا۔ آپ نے توحید کے وعظ کو چند دنوں کے لئے روکنے کا خیال چھوڑ دیا۔ رسول اپنی ذات کے لحاظ سے بے غلط نہیں ہوتا۔ خدا ہی اُس کو اپنی آیات کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے۔ بلاشبہ آیات قرآن ہی خدا کی حفاظت میں ہیں جیسا کہ آگے آتا ہے)

(۷۴) وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝

اور اگر ہم تجھ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو تو اُنکی طرف کسی قدر جھک جانے کے قریب تھا

(۷۵) إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝ (اور اگر تو ایسا کرتا تو) جب تو ہم تجھے زندگی کا دوچند (عذاب) اور مرنے کا دوچند (عذاب) چکھاتے۔ پھر تو ہمارے مقابلے پر کوئی مددگار نہ پاتا۔

(۷۶) وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ اور یہ قریب تھے کہ تجھے اس زمین (مکہ) سے ڈگمگا دیں تاکہ تجھے اس سے نکال دیں اور جب تو یہ تیرے پیچھے تھوڑی دیر ہی رہتے۔

(۷۷) سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۝ یہ ان رسولوں کا طریقہ ہے جن کو ہمنے تجھ سے پہلے بھیجا ہے اور تو ہمارے طریقہ (سنت) کے لئے ٹلنا نہیں پائیگا (اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو فرماتا ہے کہ تیرے رب کی طرف سے یہی حق ہے پس تو شک کرنے والوں سے نہ بننا ۲ اور اسی پر قائم رہنا جیسا تجھے حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی اسی پر قائم رہیں جنہوں نے تیرے ساتھ توبہ کی اور حد سے نہ نکلنا ۲ اور جو تیری طرف اتارا گیا ہے اُس کو پہنچا دینا۔ اور اگر تو نے اُس کو نہ پہنچایا تو تو نے رسالت ہی نہیں پہنچائی ۶ اور کافروں کا مددگار نہ بننا اور مشرکوں سے مت بننا ۲۰ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود مت پکارنا ۲۰ اور اگر تو نے شرک کیا تو تیرے عمل حبط ہو جائیں گے ۲۴۔ تو اپنے اور مومنین و مومنات کے گناہوں کے لئے بخشش مانگ ۲۶ وغیر ذالک من الآیات۔ تو کیا ایسی صورت میں رسول کو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تو میرے ساتھ دوسرا حکم الحاکمین ہے۔ تو بے غلط ہے۔ تو دوسرا اصل مطاع ہے۔ تو دوسرا انتہائے سوال بن سکتا ہے۔ تو حکم مطلق ہے تو میرے حکموں پر قاضی و حاکم بن سکتا ہے۔ تیرے اور میرے دینی حکم مثلہ معہ ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ

خدا تعالیٰ کی ذات علیم مطلق اور بے غلط ہونے کے سبب بہرحال واجب الاتباع ہے۔ ہاں رسول کی کسی خاص بات کے متعلق فرمایا جا سکتا ہے کہ یہ صحیح ہے اور میرے منشا کے مطابق ہے۔ وحی الٰہی کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ یہ حق الیقین ہے۔ اگر رسول کے تمام اجتہادوں اور مشوروں کو بے غلط مان لیا جائے تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ رسول کی بھی میری طرح ہی اطاعت کرو۔ قرآن میں اسکا کہیں ذکر نہیں ہے۔ الحدیث

اپنے جاؤ سے مثلہٗ معہٗ کے الفاظ ساتھ لگا لیتے ہیں۔ مگر کوئی نیک آدمی خدا کا خوف کر کے اپنی طرف سے انصاف کا حکم دیتا ہو اور شوریٰ و حکمت سے بھی کام لیتا ہو تو اُس کے متعلق تو کہہ سکتے ہیں کہ تم اُس کی رائے لیکر کام کیا کرو۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن کیا اس سے اُس کی رائیں وحی بن جائینگی۔ اگر حکام کی اطاعت کی تاکید کی جائے تو کیا اس سے حکام وحی والے قرار پائیں گے۔ انسانی اقوال و افعال پر غور کرنے کا ہمیشہ حق مل سکتا ہے ۔

رکوع ۴ (۷۸) اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ (مصائب کے اوقات میں یاد الٰہی کے سوا کوئی اور چارہ نہیں ہو سکتا چنانچہ ارشاد ہے) سورج کے ڈھلنے کے بعد رات کی تاریکی تک نماز قائم کر (یعنی دلوک کے بعد رات کی تاریکی تک نماز کا ایک وقت ہے۔ آگے فرمایا) اور فجر کے قرآن (یعنی پڑھنے) کو قائم کر بلاشبہ فجر کا پڑھنا (دل پر) حاضر ہوتا ہے (اور توجہ کے ساتھ دیکھا جاتا ہے)

(۷۹) وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ اور رات سے (بھی) سو نیند سے جاگ کر اس (پڑھنے) کو ادا کر۔ یہ تیرے لئے ایک نفلی عبادت ہے (یہ بڑی خوبی کی بات ہے اگرچہ فرض نہیں) قریب ہے کہ تیرا رب تجھے ایسے درجے پر پہنچا دے جہاں تیری تعریف ہو (اور لوگ سنانے اور مذمت کرنے سے رک جائیں)

(۸۰) وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ (اور چونکہ لوگ نبی کو نکالنا چاہتے تھے اس لئے یہ دعا سکھائی گئی) اور کہو کہ اے میرے رب مجھے سچائی کے داخلے کے ساتھ داخل کیجو اور سچائی کا نکالنا نکالیو (یعنی جہاں میں جاؤں مجھے سچا قیام ملے اور جہاں سے نکلوں کسی عیب اور بدی کے ساتھ نہ نکلوں) اور میرے لئے اپنے حضور سے مدد دینے والا غلبہ عطا فرما۔

(۸۱) وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ (اور لوگوں کو یہ بھی) سنا دے کہ حق (یعنی قرآن) آگیا اور رہا اس میں الٰہی توحید اور انسانی حریت و مساوات سکھائی

گئی ہے۔ تقلید اور جبر مذہبی اور فرقہ بندی کو مٹایا گیا ہے اسلئے فرمایا کہ) باطل مٹ گیا۔ بلاشبہ باطل ہے ہی مٹنے والا (جب حق اور باطل کا مقابلہ ہوتا ہے تو بقائے اصلح کے قاعدے سے صلاحیت والی بات ہی زمین میں قائم ہو جاتی ہے ۱۳/۸)

(۸۲) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ (بعض لوگ کہتے ہیں کہ کفایت قرآن کے حامی حدیث کی تخریب میں لگے رہتے ہیں۔ تعمیری کام کر کے نہیں دکھلاتے۔ اس کے جواب میں نہایت ادب سے عرض ہے کہ تعمیری کام کو پیش کرنا خود قرآن کا کام ہے۔ قرآن مجید کے پڑھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن نے کس قدر تعمیری کام کئے۔ اس سورت کی بائیسویں آیت سے لیکر نماز کے اس بیان تک سب تعمیری کام ہی ہیں۔ نماز کے اس بیان میں دکھلایا ہے کہ جیسی مصیبتیں واقع ہوں اُن کے مطابق نماز میں دُعا کی جائے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے بیٹے کی دعا نماز میں ہی مانگی تھی۔ نماز میں لفظی اُلجھنوں میں پھنسنا ٹھیک نہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ خدا کو اللہ کر کے پکارو یا رحمٰن کر کے پکارو یہ سب اُسی ذات پاک کے صفات ہیں۔ صفات کے فرق سے دو خدا نہیں بن جایا کرتے جیسا کہ اس سورت کی آخری آیات سے ثابت ہے۔ خدا تعالےٰ قرآن سے ہمیں ایسی آیتیں سکھاتا ہے جن میں ایمانداروں کے لئے سینوں کے مرضوں کی شفا ہے۔ اور نئے نئے حقائق کے بتلانے سے رحمت کے بہت سے سامان مل جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) اور ہم قرآن سے (جو لوگوں پر پڑھا جاتا ہے) ایسی چیزیں اُتارتے ہیں کہ وہ مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہیں اور یہ (قرآن) ظالموں کو (اُن کے ظلم کی وجہ سے) گھاٹے میں بڑھاتا ہے (ظالم حق کی ترقی کو دیکھکر جلتے ہیں اور مخالفت پر زیادہ آمادہ ہوتے جاتے ہیں قرآن مجید توحید پر زور دیتا ہے اور توحید شرک کی تخریب کرنے سے ہی قائم ہوتی جاتی ہے۔ اگر شرک کی تخریب نہ کی جائے تو توحید کا قیام بھی نہیں ہو سکتا۔

کیا یہ شرک نہیں ہے کہ مسلمانوں میں دو احکم الحاکمین اور دو اصل مطاع اور دو حکم مطلق اور دو منتہائے سوال کا اعتقاد پیدا کر دیا جائے۔ یہودیوں کو زیادہ تر حدیثوں نے ہی متعصب بنایا ہوا تھا۔ خدا تعالےٰ روایات کی اس خرابی سے ہوشیار سے واقف ہے)

پس قرآن میں جہاں جہاں قرآن کی تعریف کی جاتی ہے اور اُس کو شفا اور رحمت بتلایا جاتا ہے اور تبیان لکل شئی ہونا دکھلایا جاتا ہے۔ قرآن کے یہ سب حصے حدیث کی تردید کی سورتیں ہیں۔ پس حدیث کی تردید ان سورتوں کی تمہید کے لئے ضروری ہے۔ قرآن اگر ناقص ہے تو اُس کے ساتھ دوسری

وحیاں بھی آتی رہیں گی۔ اور اگر خدا نے اسے کامل اور معقول بنا کر بھیجا ہے تو اس کے بعد کسی کتاب کی ضرورت نہیں جیسے تیسری صدی میں تیار کر کے داخل کتاب اللہ بنایا جائے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو اُس وقت تک خسارہ سے نہیں بچائیگا جب تک وہ اس ظلم عظیم سے باز نہیں آئیں گے۔ قرآن میں جو شفا کے نسخے آتے ہیں وہ ان لوگوں کے نزدیک نامکمل ہیں۔

(۸۳) وَإِذَآ أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ۝ (مسلمان ترقی پاکر ہی اس ناکامی میں پھنسے ہیں۔ اب بھی ہمیں اصلاح سے مایوس نہ ہونا چاہئے جیسا کہ ارشاد ہے) اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو وہ (توحید سے) مُنہ پھیر لیتا ہے اور پہلو بدل لیتا ہے (یعنی شرک میں جا پھنستا ہے)! اور جب اُس کو تکلیف پہنچتی ہے تو مایوس ہو جاتا ہے۔

(۸۴) قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدٰى سَبِيْلًا ۝

(ہاں جن لوگوں نے مشرکانہ عادات پیدا کر لی ہیں اور اپنی صورت کو مسخ کر لیا ہے اور مرض کو آخری درجے پر پہنچا لیا ہے تو اُن کے متعلق فرمایا) تو کہہ کہ ہر ایک شخص اپنی صورت (یعنی پختہ عادت) پر عمل کرتا ہے۔ سو تیرا رب اُس کو خوب جانتا ہے جو رستے کے لحاظ سے زیادہ ہدایت والا ہے۔

رکوع دہم (۸۵) وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ أُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا ۝ (بدعادات سے روحانی شکل بگڑ جاتی ہے اور روح مریض ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ روح تو ذات باری کا ایک حصہ ہے اور قدیم ہے وہ کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا) اور تجھے یہ لوگ روح کی بابت سوال کرتے ہیں۔ تو کہہ روح میرے رب کے حکم سے (پیدا ہوئی) ہے (یہ غیر مخلوق نہیں ہے۔ علم مخلوق ا۔ب۔ت سے شروع ہوتا ہے لیکن اس کے لئے ختم ہونے کی کوئی حد نہیں ہے۔ اسی طرح روح کی بھی ابتدا ہو سکتی ہے لیکن اس کے ارتقائی کمالات کی کوئی حد نہیں۔ تمہارا علم اس وقت بہت قلیل ہے۔ کیا یہ آئندہ ترقیات نہیں کریگا۔ قلیل علم والی روحیں ذات باری کا حصہ نہیں

ہوسکتیں اس لئے فرمایا) اور تم کو علم نہیں دیا گیا مگر تھوڑا (تمہارا علم دائمی ترقیات حاصل کرتا ہوا بھی علم الٰہی کے مقابلے میں تھوڑا ہی رہیگا۔ تمہیں کسی چیز کی کُنہ نہیں معلوم ہوسکتی)

(۸۶) وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ (بشروں کے لئے اتنا علم بھی بڑا ہے اور اگر رسول اسکا شکریہ نہ بجالائے۔ تو خدا چاہے تو اتنے علم کو بھی دور کرسکتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) اور اگر ہم چاہیں تو البتہ اس (علم) کو بھی جو ہمنے تیری طرف وحی کیا ہے لے جائیں۔ پھر تو اس بات پر اپنے لئے ہمارے مقابلے پر کوئی وکیل نہیں پائیگا (خدا جب رسول کی وحی چھین سکتا ہے تو کیا وہ رسول خدا کی وحی پر حاکم و قاضی بننے کا حق و اختیار حاصل کرسکتا ہے مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۲۴/۴

(۸۷) إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝ ہاں تیرے رب کی رحمت ہے (کہ وہ تیرے وحی کو نہیں لے جاتا) بلاشبہ اُس کا فضل تجھ پر بڑا ہے۔ (قرآن کا تبیاناً لکل شیٔ ہونا بھی ہمارے لئے بڑا فضل ہے ۱۴/۱۸۔ ہمارے رسول کریم کو فرمایا کہ تو ایمانداروں کو خوشخبری دے کہ اُن کے لئے اللہ کی طرف سے فضل کبیر ہے ۲۲/۳۳)

(۸۸) قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى أَنْ يَّأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (قرآن پر رسول اور مومن سب ایمان لاتے ہیں اور اسی سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اسلئے قرآن کی تعریف میں فرمایا) تو کہہ کہ اگر انس و جن (اس بات پر) اکٹھے ہو جائیں کہ قرآن کی مثل لائیں تو وہ اس کی مانند نہیں لاسکیں گے، اور اگرچہ ان کا بعض بعض کا مددگار ہو جائے (ہر زبان میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جن کے متعلق لوگوں کا اتفاق ہو جاتا ہے کہ وہ ابو الکلام ہیں اور زبان پر تمام لوگوں سے زیادہ تصرف رکھتے ہیں۔ لیکن اس سے خدائی فصاحت و بلاغت کے لئے کوئی ایسا درجہ قائم نہیں ہوسکتا جس میں کسی طرح کی ترقی کی گنجائش نہ ہوسکے اور وہ خدائی فصاحت قرار پاسکے بلاشبہ خدا تعالےٰ اپنی وحی کو اپنے ہی ترتیب دئے ہوئے الفاظ میں بیان کرتا ہے ضرور ہے کہ وہ الفاظ بے غلط ہوں اور اُن کی ترتیب صحیح ہو۔ جب عرب جاہلیت کے اشعار سے قرآن مجید کی

آیتوں کی صحت پر دلیل لائی جاتی ہے اور ان اشعار کو سند میں پیش کیا جاتا ہے تو فصاحت و بلاغت کی دلیل قابل قدر نہیں رہتی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ قرآن کو اس ذات پاک نے اُتارا ہے جو آسمان اور زمین کے بھیدوں کو جانتا ہے ۱۵/۱۹۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن قوموں کے عروج و زوال کے اسباب کو جانتا ہے۔ خدا نے انہی قواعد پر چلا کر مسلمانوں کو اقبال کے راستوں پر ڈال دیا تھا لیکن لوگوں نے قرآن کی طرف سے مُنہ موڑ کر خلل و مضر طریقے دوبارہ جاری کر لئے ہیں۔ سورت قصص میں ہے کہ خدا کی طرف سے آئی ہوئی تورات اور قرآن سے زیادہ ہدایت والی کتاب اگر کوئی ہے تو اُسے لے آؤ میں اس کی پیروی کرونگا ۲۰/۸۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقابلہ اصل ہدایت میں چاہا گیا ہے۔ قرآن میں وہ ہدایت ہے جو دائمی اصولوں پر مشتمل ہے اور اس کے بجالانے والے کے لئے دنیا و آخرت میں کامیابی کی خوشخبری دی گئی ہے۔ ان کامیابیوں کے سبب سے قرآن کے معقول بیان کی صحت پر گواہی مل گئی ہے۔ قرآن کی چند ایک خوبیاں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:۔

اوّل:۔ قرآن کہتا ہے کہ میں وہ دین پیش کرتا ہوں جو انسان کی فطرت کے مطابق ہے۔ قرآن اس میں تمام نوع انسان کو سامنے رکھتا ہے اور ایسے احکام دیتا ہے جو تمام انسانوں پر حاوی ہو سکیں قرآن کی نظر محض قومیت و مُلکیت پر ہی نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کی اصلاح پر ہے۔ وہ تمام انسانوں کو بھائی بھائی بناتا ہے۔ وہ ملکی قبلوں اور ملکی رسوم اور ملکی وردیوں کو اصل نہیں ٹھہراتا۔ اور خاندانی رعایتوں کو پسند نہیں کرتا۔ ذاتیں اور گوتیں لوگوں کی شناخت کے لئے ہیں۔ اُن کا تعلق کسی کی بزرگی کے ساتھ نہیں بزرگی تقوےٰ یعنی خوف الٰہی سے حاصل ہوتی ہے ۲۶/۱۴۔

دوم۔ وہ یہودیت اور نصرانیت اور محمدیت اور احمدیت اور بابیت اور بہائیت کا قائل نہیں ہے۔ قرآن اسلام کو دین ٹھہراتا ہے جو زمین و آسمان میں جاری ہے۔ عالمگیر دین یہی ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ نوح علیہ السلام بھی مسلم تھے اور ابراہیم علیہ السلام بھی مسلم تھے۔ اور قرآن بھی اسی اسلام کو لایا ہے۔ دین اللہ یہی اسلام ہے جو اسلام کے سوائے اور دین طلب کرے اُس سے قبول نہیں کیا جائیگا ۳/۱۷

سوم:۔ قرآن مجید صحیفۂ فطرت کو اپنا میزان بتلاتا ہے ۲۵/۱۷ و ۲۵/۳ وغیرہ

چہارم:۔ قرآن مجید جبر مذہبی اور تقلید آبائی سے روکتا ہے اور حق اور ہدایت اور رحمت کی طرف لاتا ہے۔ خدا سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ خدا کی رحمت سے مایوس ہو جائیں

پنجم:۔ قرآن مجید توحید الٰہی سکھاتا ہے۔ انسانی حریت و مساوات کا سبق دیتا ہے۔ سوائے قرآن کے کسی الہامی کتاب نے ان اصولوں کو بحث کر کے ثابت نہیں کیا۔ یتیموں کی اصلاح۔ گھر

کے معاملات کی درستی۔ نکاح وطلاق۔ صلح وجنگ۔ اطاعت وحکومت۔ حرمت وحلت۔ قیام امن غلامی کے دُور کرنے اور رفاہِ عام کے کاموں پر پورا زور دیا گیا ہے۔

کسی کتاب میں اسقدر جامعیت نہیں پائی جاتی۔ اب بھی اگر قرآن میں کجی اور نقص موجود ہے تو یہ کسی صورت سے بھی معجزہ نہیں بن سکتا۔ اگر قرآن کے ساتھ اور بھی مثلہٗ معہٗ پائے جا سکتے ہیں۔ تو یہ بے مثل کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر حدیثیں بے مثل ہیں تو وہ بھی معجزہ ہوئیں اور اگر بے مثل نہیں ہیں تو دوسرے لوگ بھی اُن کی مثل لے آنے پر قادر ہونے چاہئیں۔ اور ان کی مثل ہمیشہ لایا جا سکتا ہے)

(۸۹) وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ (پھر اس قرآن کے مضامین کو رنگا رنگ طرح سے بیان کیا ہے۔ تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ اگر نماز کی رکعات واذکار کا کوئی خاص تعین ہوتا تو کیا اس کا بیان کرنا ضروری نہ تھا یا کیا یہ مناسب تھا کہ دوسرے مضامین کو ہی دوہرایا جائے اور پھر انہیں کی کلیت وکفایت کو ہی دکھایا جائے جیسا کہ ارشاد ہے) اور البتہ ہم اس قرآن میں ہر ایک بیان کو رنگا رنگ طرح سے لائے لیکن اکثر آدمی (اس انعام کی) ناقدری کرنے سے نہیں ٹلے۔

(۹۰) وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ (اس قرآنی معجزے کو اُنھوں نے نہیں مانا اور جھوٹے خوارق کے قائل ہیں اور اُن کو طلب کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) اور اُنھوں نے کہا کہ ہم ہرگز تیری (لائی ہوئی) باتوں کو نہیں مانیں گے جبتک نہ تو (کسی قدرتی دخل کے بغیر) زمین سے چشمہ جاری نہ کرے۔

(۹۱) اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ یا تیرے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ بن جائے پھر تو اُن کے درمیان نہروں کو جاری کر دے۔

(۹۲) اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ (تو آسمان کو ہم سے الگ طرح پہانا ہے تو اپنے بیان کے مطابق ہی اُس کو ہم پر گرا دے

چنانچہ کفار کا سوال ہے) یا تو آسمان کو جیسا کہ تیرا گمان ہے ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دے یا اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آ (دنیا میں خدا اور فرشتوں کا سامنے لانا تو بالضرور محال ہے ۱۹/۱ ۔ بینائیاں خدا کو نہیں پا سکتیں ۱۹/۱ ۔ پھر کیا یہ محال اس دنیا میں کسی صورت سے بھی جائز ہو سکتا ہے)

(۹۳) اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (کفار یہ بھی سوال کرتے ہیں) یا تیرا گھر سونے کا ہو جائے یا تو آسمان میں چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کو ہرگز نہیں مانیں گے جب تک کہ تو ہم پر کوئی کتاب نہ اُتارے جسے ہم پڑھ لیں۔ تو کہہ میرا رب پاک ہے، میں صرف بشر رسول ہی ہوں۔

(اہل کتاب ہمارے رسول کریم سے سوال کرتے تھے کہ تو آسمان سے ہم پر کتاب اُتار دے۔ اللہ تعالیٰ اُس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اُنھوں نے موسیٰ سے اس سے بھی بڑھ کر سوال کیا تھا کہ تو اللہ کو سامنے لا کر دکھلا دے الخ ۶/۲

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس سوال کو کہ اللہ کو سامنے لاؤ ظلم قرار دیا ہے۔ پس اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا ورقوں میں آسمان سے اُتارنے کا سوال بھی ظلم ہے۔ مشرکین مکہ بھی ایسے ہی سوال کرتے تھے جیسا کہ اوپر کی آیت میں ذکر آچکا ہے۔ خدا تعالیٰ کے قوانین احسن و اتقن ہیں ۲۰/۳ و ۲۱/۱۲ جن میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ خدا کے اندازے بے غلط ہیں۔ خدا فرماتا ہے اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۔ بلاشبہ ہم (خدا) نے ہر ایک شئے کو اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے ۲۷/۱۰ ۔ خدا تعالیٰ اپنے قوانین کے توڑنے سے پاک ہے اور رسول تو ایک بشر ہی ہوتا ہے اُس سے ایسے خوارق مانگنا ظلم ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اپنی ذات سے ایسے خوارق نہیں دکھا سکتا۔ لیکن خدا اس کمزوری سے پاک ہے۔ وہ اپنے آپ کو بھی لوگوں کے سامنے لا سکتا ہے اور اپنے آپ کو جہرۃً دکھا سکتا ہے۔ اگر کبھی آج تک ایسا ہوا ہے تو اس کا ثبوت دیں۔ خدا کے اندازوں اور قوانین کا ٹوٹنا خدا تعالیٰ کی کمزوری دکھلائیگا اُسے پاک نہیں ٹھہرائے گا)

رکوع یازدہم (۹۴) وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (ایسے ہی سوالات کی بنا پر مشرکوں نے رسولوں کا نہیں مانا جیسا کہ ارشاد ہے) اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آئی تو اُن کو ایمان لانے سے (ہمیشہ) اسی بات نے روکا ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ کیا اُس خدا نے بشر کو رسول بنایا ہے۔ (جو خدا سے مانگ کر ایسے خوارق نہیں لا سکتا۔ کفار یہ نہیں چاہتے تھے کہ رسول ہی ایسے خوارق لائے بلکہ وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اس کا خدا کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ اُس سے مانگ کر ایسے خوارق کو لا سکے۔ وہ رسول کے سبب سے خدا تعالےٰ کی طرف سے ایسے خوارق کو دیکھنا چاہتے تھے۔ اُنھیں یہ کوئی غرض نہ تھی کہ خود رسول ہی ایسا کرے۔ لیکن ایسا رسول کوئی بھی نہیں ہوا جو خدائے پاک سے اُس کے قوانین کے توڑنے کی درخواست کر سکے۔ رسولوں کو اُن کے صبروں کے بعد حق پر چلنے کے سبب اللہ تعالےٰ غلبہ دیا کرتا ہے۔ اور یہ غلبہ اُنھیں قدرتی طور پر ملتا ہے۔ قوانین قدرت ہرگز نہیں توڑے جاتے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ہمیشہ بشر رسول ہی آتے رہے ہیں اور بشروں کے مناسب حال ہی تعلیم لاتے رہے ہیں۔ بشروں کے لئے بشر رسول کا آنا ہی لازم ہے تاکہ وہ دکھلائے کہ بشر اس تعلیم پر عمل کر کے کسطرح کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور کسطرح اپنے گناہوں کو معاف کرا سکتے ہیں اور دکھلا دیں کہ خدا تعالےٰ کی کسی کے ساتھ رعائت نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کا معاملہ ہر بشر کے ساتھ اُس کے تقوےٰ کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر جن نوع بشر سے خارج ہوتے تو اُن کی طرف ایسے رسول کا آنا لازم تھا جو لوگوں کے خیال کے مطابق جن ہوتا)

(۹۵) قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ (رسول بشروں کی طرف ہی بھیجے جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) تو کہہ دے اگر زمین میں ایسے فرشتے ہوتے جو (آخرت سے بے خوف ہو کر اور اس دنیا کی زندگی پر مطمئن ہو کر چلتے پھرتے (اور اُن کے لئے رسول کی ضرورت ہوتی تو) بالضرور ہم اُن پر آسمان سے فرشتہ رسول اُتارتے (اللہ تعالےٰ سورہ یونس میں کفار کے متعلق فرماتا ہے کہ یہ لوگ آخرت میں ہمارے قرب کے اُمیدوار نہیں اور دنیا کی زندگی پر ریجھے ہوئے ہیں اور

ہی پر مطمئن ہو گئے ہیں اور یہی لوگ اصل غافل ہیں ۱۱/۹۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ اگر بالفرض فرشتے بھی گر کر کافروں کی طرح زمینی زندگی پر مطمئن ہو جاتے۔ تو اُن میں سے کوئی طالب حق فرشتہ آسمانی تعلیم پا کر آسمان سے نازل ہوتا۔ ضرور ہے کہ وہ تعلیم فرشتوں کی اصلاح کے لائق ہوتی۔ بشروں کے ساتھ اس تعلیم کا کوئی تعلق نہ ہوتا۔ ہمارا قرآن فرشتوں کی اصلاح کے لئے نہیں ہو سکتا۔ فرشتے ہماری طرح نماز نہیں پڑھتے۔ اُن کے لئے وہی حلال و حرام نہیں ہے جو ہمارے لئے ہے۔ وہ ہمارے لئے ایسا ہی نمونہ بن سکتے ہیں جسطرح سورج اور چاند اور درخت اور پرندے بن سکتے ہیں ۱۸/۱۲ و ۱۷/۹۔ ہر ایک کو اپنے اپنے طور پر خدا تعالےٰ کی نماز اور تسبیح کا فطری علم ہے ۱۸/۱۲۔ فرشتے وہ اختیاری نماز نہیں پڑھ سکتے جو فحشاء اور منکر سے روکتی ہے ۲۱/۱۔ اگر لوگوں کے مزعومہ جنوں پر بھی انسانوں کی طرح جہاد ضروری ہوتا تو وہ بھی جنگوں میں حاضر ہو کر انسانوں کی طرح ہی لڑتے)

(۹۶) قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝ (خدا تعالےٰ تو اپنے احسن و اتقن قوانین کے توڑنے سے پاک ہے اور بشر رسول کے لئے ایسے خوارق لائق ہی نہیں ہیں۔ اسی طرح فرشتوں کی طرف بھی فرشتہ رسول ہی آتا ہے۔ وہاں الگ خوارق کے آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس رسولوں کی لائی ہوئی تعلیم کی سند میں خوارق کو مانگنا فضول ہے۔ اس تعلیم کا گواہ اللہ تعالےٰ ہی ہے۔ وہی لوگوں کے دلوں میں اُس تعلیم کی صداقت کی گواہی دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) تو کہہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے بلاشبہ وہ اپنے بندوں (کے حالات) سے خبردار (اور اُن کو) دیکھنے والا ہے۔

(حق فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ انسان شرارت اور ضد اور قومی تعصب سے اُس کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اگر انسان ان عیبوں سے پاک ہو کر تنہائی میں غور کرے تو خدا تعالےٰ اُس کے دل میں حق کی گواہی ڈال دیتا ہے۔ پس ایمان وہی شخص لا سکتا ہے جو صدق دل سے ایمان کا طالب ہو۔ گمراہی کا طالب گمراہی کو ہی لیگا۔ اس میں جبر مذہبی کی کوئی ضرورت نہیں)

(۹۷) وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ (جبر مذہبی زبان اور جسم پر کیا جا سکتا ہے لیکن ایمان کا

تعلق دل کے ساتھ ہے۔ وہ انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ انسان گمراہی کا پیڑ لگاتا ہے خدا اُسے گمرہ بنا دیتا ہے اور اگر ہدایت کا پیڑ لگاوے تو خدا تعالےٰ اُسے ہدایت کے پھل کھلاتا ہے اور اُسے اُسی میں ترقی دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) اور جس کو اللہ (اُس کی طلب کے مطابق) ہدایت دیوے تو وہی ہدایت والا ہے اور جس کو (اُس کی لاپروائی کے سبب) گمراہی میں ڈال دے سو تو ایسے لوگوں کے لئے اُس (خدا) کے سوائے کوئی سرپرست نہیں پائیگا (اگرچہ وہ سرپرست جماعت بنکر بھی آئیں۔ ہدایت والے کے لئے خود خدا ہی کافی ہے اور گمراہوں کے لئے کوئی شفاعت کا دم نہیں بھر سکتا۔ پس عادل و رحیم خدا کی درگاہ میں غیروں کا بھروسہ سرتا پا فضول ہے۔ جس کو وہ بخشنا چاہے اُس کے لئے وہ خود ہی کافی ہے۔ اور جس کو وہ جہنم کے علاج کے بغیر بخشنا نہ چاہے تو اُس کے آگے کون دم مار سکتا ہے) اور ہم اُن کو پیشی کے دن (جس طرح دنیا میں مُکبًّا یعنی اوندھے چلتے تھے ۲۹/۲ اور حق پر غور کرنے سے اندھے تھے اور فطری حق کے بیان کرنے سے گونگے تھے اور حق کے سننے سے بہرے تھے) اُن کے مونہوں کے بل اندھے اور گونگے اور بہرے بنا کر ہانکتے ہیں اُن کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب کبھی وہ (آگ ایک پوست کو جلا کر) مدہم ہونے لگی تو ہم نے اُس کو (دوسرے پوست کے جلانے میں) تیز کر دیا (۵/۲)

(۹۸) ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ یہ اُن کی سزا اس سبب سے ہے کہ اُنھوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا اور کہنے لگے کہ جب ہم ہڈیاں اور چورا چورا ہو جاتے ہیں تو کیا ہم اُسوقت نئی پیدائش میں پیش ہوتے ہیں (وہ انسان کے روح و نسمے کا خیال نہیں کرتے۔ کثیف جسم جو انڈے کے چھلکے کی طرح پیچھے چھوڑا جاتا ہے اُسی کو اصل انسان سمجھتے ہیں)

(۹۹) اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ کیا (نئی پیدائش کے لئے اصل انسان کا قائم رہنا محال ہے) اور انھوں نے نہیں دیکھا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا

کیا ہے وہ ان کی مثل پیدا کرنے پر قادر ہے (جبکہ خدا روز انسان کے مثل پیدا کرتا رہتا ہے تو کیا اُس کے لئے اصل کو قائم رکھنا مشکل ہو سکتا ہے) اور اُس (انسان) کے لئے (پیشی کی خاطر) ایک میعاد بنائی جس میں کوئی شک نہیں۔ پس ظالم کفر کرنے کے بغیر نہ ٹلے (جب خدا تعالےٰ نے انسان کو امکان سے شروع کر کے عقلی تحقیقات اور علمی میدان میں لا ڈالا جن کی ترقیات کی کوئی حد نہیں تو کیا وہ ایسے وقت میں ہی اُسے فنا کر دیگا۔ خدا تعالےٰ زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کر کے تھک نہیں گیا کہ انسان کو نکما چھوڑ دے اور اُس کے حساب کو مدت دراز پر ڈال دے۔ ظالم اپنی آئندہ ترقیات سے مایوس ہیں)

(۱۰۰) قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝ (یہ دنیا فانی ہے اور دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اس جگہ خدا تعالےٰ کا وہ جمال اور جلال ظاہر نہیں ہوتا جو عالم آخرت میں ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ کے پاس بیشمار خزانے ہیں۔ وہ انسان کے آئندہ ارتقاؤں میں اُن خزانوں کو خرچ کرتا رہتا ہے۔ اُس کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے۔ انسان خدا تعالےٰ کو بھی اپنی مانند بخیل سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ خدا بھی خزانے کے ختم ہونے کے خوف سے ڈر ڈر کر خرچ کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) تو کہہ دے کہ اگر یہ بات ہوتی کہ تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے۔ جب تو تم خرچ ہونے کے خوف سے (اُنھیں) بند رکھتے اور انسان ہے ہی بڑا تنگدل۔ (انسان خزانوں کو ختم کر کے اور خزانے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے)

رکوع دوازدہم (۱۰۱) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝ (اصل نعمت وحی الٰہی ہے۔ خدا تعالےٰ اپنے وعدوں کو ضرور پورا کرنے والا ہے۔ فرعون جیسے بادشاہ کے آگے بھی یہی نعمت پیش کی گئی تھی جیسا کہ ارشاد ہے) اور ہم نے موسیٰ کو نو روشن آیات (یعنی واضح احکام) دیئے سو تو بنی اسرائیل سے پوچھ لے جبکہ وہ اُن کے پاس آیا تھا تو فرعون نے (ان نعمتوں کی بے قدری کر کے) اُسے کہا تھا کہ اے موسیٰ میں تجھے دھوکے میں پڑا ہوا (یا غلطی خوردہ) دیکھتا ہوں (تیرے ہوش

وجوہ ٹھیک نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فرعون تعلیم الٰہی کے سبب سے موسیٰ علیہ السلام کو مجنون و مسحور کہتا تھا۔ اور اگر مسحور کے معنی ساحر سمجھے جائیں تو یہ ایک خانہ ساز بات ہوگی۔ اسطرح جو جی چاہے بنا لیا جا سکتا ہے۔

تورات کے دس حکم مشہور ہیں۔ اُن میں سے ایک حکم سبت کی بابت ہے۔ قرآن اُسے سزائی حکم بتلاتا ہے باقی نو احکام قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا الخ میں بخوبی آجاتے ہیں۔ صراط مستقیم کا خلاصہ اسی آیت میں موجود ہے)

(۱۰۲) قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ (موسیٰ نے) کہا تو جان چکا ہے (اور تیری فطرت گواہی دیتی ہے) کہ اِن (آیات) کو آسمانوں اور زمین کے رب نے روشن دلائل بنا کر اُتارا ہے (اور چونکہ تو اپنی فطرت کے مخالف چل رہا ہے اسلئے تو کبھی کامیاب نہیں ہوگا بلکہ ہلاکت میں پڑیگا جیسا کہ ارشاد ہے) اور بلاشبہ اے فرعون میں تجھے ہلاک شدہ گمان کرتا ہوں۔

(۱۰۳) فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۝

(جب فرعون نے سُنا کہ موسیٰ میرے جیسے بادشاہ کو بھی ہلاک شدہ خیال کرتا ہے تو اُس کے طیش کی کوئی حد نہ رہی۔ موسیٰ علیہ السلام کے کہنے کے بعد اُس نے بنی اسرائیل پر زیادہ مصیبتیں ڈال دیں اور ارادہ کیا کہ اُنھیں ستا ستا کر ملک سے تتر بتر کر دیا جائے اور اُن کی جمعیت قائم نہ رہے۔ لیکن جب موسیٰ علیہ السلام بحکم الٰہی رات کو اُنھیں جمعیت کے ساتھ لے کر نکلے تو اس سے وہ اور بھی غیظ و غضب میں پڑ گیا اور سمجھا کہ ممکن ہے کہ یہ کبھی قوت حاصل کر کے ہمارا مقابلہ کریں۔ ظالم تباہ کر کے نکالنا چاہتا ہے لیکن جمعیت سے ڈرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) سو اُس نے ارادہ کیا کہ اُنھیں اس مُلک سے ہلچل ڈالکر نکال دے (اور جب وہ جمعیت کی صورت میں نکلے تو فرعون نے اُن کا پیچھا کیا) سو ہم نے اُس (فرعون) کو اور اُن کو جو اُس کے ساتھ تھے۔ سب کو غرق کر دیا۔

(۱۰۴) وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۭ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝

(بنی اسرائیل فرعون کی ہلاکت کے بعد چالیس سال تک جنگلوں میں پھرتے رہے۔ فرعون کی غلامی کے سبب وہ بالکل بزدل ہو گئے تھے۔ جب مصیبتیں جھیل کر وہ حکومت کے لائق ہوئے تو وہ مصر کے بھی وارث بن گئے۔ یہ نبیوں کی اولاد تھے۔ آبائی فخر اور تعصب اور تقلید نے اُنھیں اندھا کیا ہوا تھا۔ جب اُن میں یہ بلائیں جڑ پکڑ گئیں تو داؤد علیہ السلام نے اُن پر لعنت کی جس کا نتیجہ بخت نصر کے ہاتھ سے بنی اسرائیل پر وارد ہوا۔ بنی اسرائیل اپنے اس پہلے فساد کے بعد اپنے ملک سے بالکل خارج نہیں ہو گئے تھے۔ پھر جب حضرت مسیح علیہ السلام نے اُن پر لعنت کی تو اُسکا نتیجہ ایک وحی فیصر کے وقت میں نکلا۔ اسوقت بنی اسرائیل اپنے اصلی وطن اور مقامات مقدسہ سے بالکل تتر بتر ہو گئے تھے جیساکہ ارشاد ہے) اور ہمنے اس (فرعون کی ہلاکت) کے بعد (مناسب وقت پر) بنی اسرائیل کو کہا کہ اس زمین (مصر) میں آباد ہو (بنی اسرائیل اپنی پہلی تباہی کے بعد اپنے ملک سے بالکل خارج نہیں ہو چکے تھے بلکہ دوبارہ غالب ہو گئے۔ لیکن دوسری تباہی کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے) سو جب دوسرا وعدہ (مسیح کی ہجرت کے بعد) آیا تو ہم تم کو (یعنی تمہاری صف کو) لپیٹ کر لے آئے (اس کے بعد بنی اسرائیل کو اپنے علاقے پر تسلط حاصل نہیں ہوا۔ اب یہودیوں کو حق کے ماتحت ہو کر ہی امن ملیگا۔ قرآن خدا کی حفاظت کے ماتحت اُتارا گیا اور اُسی حفاظت کے ماتحت ہم تک پہنچا جیساکہ ارشاد ہے) اور ہمنے اسے حق کے ساتھ اُتارا اور یہ حق کے ساتھ ہی (لوگوں پر) اُترا۔ اور ہمنے تجھ کو صرف (اس کے مطابق) خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

(۱۰۶) وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَي النَّاسِ عَلٰي مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝

اور قرآن جو ہے ہمنے اس کو کھول کھول کر بیان کیا ہے تاکہ تو اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھے (اور اُنھیں اس احسن تفسیر سے آگاہ کرتا جائے جو خود قرآن نے کی ہے ۱۹/۱ اور کفار کے اُن سوالوں اور اعتراضوں کا جواب بھی قرآن میں لایا جائے ۱۹/۱) اور اسی مصلحت سے ہم نے اسے آہستہ آہستہ نازل کیا ہے (ضرور ہے قرآن کی وحی والی تفسیر ۱۹/۱ اور وحی والی تفصیل ۲۴/۱۹

قرآن میں ہی لائی جائے)

(۱۰۷) قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ (اہل کتاب کے بعض علماء مکے میں آئے ہوئے تھے۔ وہ اس قرآن کو سُنکر رونے لگے اور سجدے میں گر پڑے۔ قریش کو کہا جاتا ہے کہ اہل علم پر تو قرآن کا یہ اثر ہوتا ہے اب تمہارا اختیار ہے تم اسے مانو یا نہ مانو جیسا کہ ارشاد ہے) تو کہہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ تحقیق وہ لوگ جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب یہ (قرآن) اُن پر پڑھا جاتا ہے تو وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدوں میں گر پڑتے ہیں۔

(۱۰۸) وَّیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ اور کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے (خدا اپنے وعدوں کا خلاف نہیں کرتا) بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہو گیا ہے۔

(۱۰۹) وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَیَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ (قرآن کے مکمل ہونے پر غور کرکے پھر وہ سجدوں میں گر پڑتے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے) اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گر پڑتے ہیں اور یہ (قرآن) اُنھیں خشوع (یعنی عاجزی اور خضوع) میں بڑھاتا ہے (قرآن کا مکمل ہونا ہی قرآن کو خاتم الکتب بناتا ہے)

(۱۱۰) قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ۝ (اہل کتاب خدا تعالیٰ کو رحمٰن کہتے تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام فرماتے ہیں اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ ۱۶/۱۴ حضرت مریم علیہا السلام کا قول ہے اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا ۱۶/۱۸۔ قریش کو جب کہا جاتا تھا کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے تھے کہ رحمٰن کیا ہوتا ہے۔ کیا ہم اُس کو سجدہ کریں جس کے لئے تو ہمیں حکم کرتا ہے؟ اور یہ بات اُنھیں نفرت میں بڑھاتی تھی ۱۹/۶۰۔ قریش سمجھتے تھے کہ اللہ اور رحمٰن میں فرق ہے وہ اس سبب سے اہل کتاب کے عالموں کو جھٹلانے لگے اسلئے فرمایا) تو کہہ اللہ کو پکارو یا

رحمٰن کو پکارو جس کو بھی تم پکارو تو اس سے خدا دو نہیں بن جاتا بلکہ) تمام نیک نام اُسی کے لئے ہیں (ہاں ایک دوسرے کو سنانے کے لئے ٹرک کر نہیں بولنا چاہئے اور نمونہ دکھلانے کی خاطر چھپا کر بھی نہیں کہنا چاہئے چنانچہ ارشاد ہے) اور اپنی نماز کو کڑک کر نہ پڑھ اور نہ چپکا ہی رہ اور اس کے درمیان (اعتدال والا) رستہ طلب کر (چلا کر بولنے سے خدا کے ادب کا لحاظ نہیں رہتا اور چُپ کرنے سے غفلت طاری ہو جاتی ہے)

(۱۱۰) وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝ (مشرکوں نے خدا کی بیٹیاں بنائے تھے اور کئی ایک اہل کتاب خدا کے بیٹے ٹھہراتے ہیں اسلئے نماز میں یہ دعا سکھائی جیسا کہ ارشاد ہے) اور تو کہہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اولاد نہیں پکڑی (اگر اُس کی اولاد ہوتی تو مخلوقات کے لئے اُس کی خاص رحمت نہ رہتی۔ وہ اپنے بیٹوں کی عبادت کے لئے ہی مخلوقات کو بلاتا اور یوں وہ ہمارے لئے سچے توکل کے لائق نہ رہتا۔ پھر خدا میں کسی قسم کی کمزوری بھی نہیں جسکو مٹانے کے لئے وہ دوسرے کو اپنا شریک اور مثل بناتا۔ اسلئے فرمایا) اور اُس کے اختیار (و حکومت) میں کوئی شریک نہیں ہے اور کسی کمزوری کے سبب اُس کا کوئی مددگار بھی نہیں ہے (اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم نماز میں اس آیت کو پڑھا کرتے تھے۔ کیا کوئی مسلمان رسولؐ کے اس نمونے پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ آگے فرمایا) اور تو (اپنی نماز میں) اُس (خدا) کی بڑائی بیان کر جیسا کہ بڑائی کا حق ہے +

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورۃ الکہف

مضمون اور نظم و ربط

سورت سابقہ سبحان کی صفت سے شروع ہوئی تھی۔ اس سے صحیفۂ فطرت کا بے بدل ہونا ثابت کیا گیا تھا۔ یہ سورت الحمد سے شروع ہوتی ہے۔

حمد کے معنی خوبی اور کمال کے ہیں۔ اس خوبی کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن کریم کا قیم ہونا دکھلایا گیا ہے۔ قرآن مجید تمام دنیا کو عدل و انصاف اور بخشش اور رحمت کے ساتھ قائم رکھتا اور چلاتا ہے۔ اس قرآن میں کوئی کجی اور کمی نہیں رکھی گئی۔

یہ قرآن جسطرح ہمارے لئے قیم ہے۔ ہمارے رسول کے لئے بھی قیم ہے۔ پس ہمارے رسول کریم اس قرآن کے قیم اور اس پر قاضی و حاکم نہیں ہو سکتے۔ اگر قرآن کو بھیجنے والا خدا قرآن کے الفاظ سے قرآن کی سمجھ نہیں دے سکتا تو قرآن کو فصیح و بلیغ کہنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اُن لوگوں سے جو اس قرآن کو سمجھتے ہی نہیں ایسا خطاب کرنا کہ تم اس کی مثل لے آؤ کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا کوئی شخص سمجھی ہوئی کتاب کی مثل بھی لا سکتا ہے؟

قرآن مجید کا جسقدر زیادہ فہم حاصل کیا جائے اتنا ہی اس کا علم الٰہی کے مطابق ہونا سمجھ میں آ سکتا ہے۔ کفار اس قرآن میں کجیاں ڈھونڈھتے تھے تاکہ اُسے جھٹلائیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ ثابت کرتا ہے کہ اس قرآن میں کوئی کجی اور کوئی ریب نہیں ہے۔

اس سورت کا نام الکہف ہے۔ ہمارے رسول کریم بھی کفار سے بچکر غار میں جا چھپے تھے۔ غار سے نکلنے کے بعد آپ کا اقبال شروع ہوا۔

اصحاب کہف بھی غار سے نکلنے کے بعد عیسائی مذہب کا عروج دیکھتے ہیں۔ اُن کی قوم مومن بنگئی جسطرح قریش بھی قرآن کے مصدق بن گئے۔

اصحاب کہف کی ہجرت کا نمونہ ہمارے رسول کریم کی ہجرت کو دکھلانے کے لئے پیش کیا گیا ہے۔ ملک شام میں انجیل کی تعلیم جاری تھی اور بہت سے رومیوں نے توحید الٰہی اور انسانی حریت و مساوات کو تسلیم کیا ہوا تھا۔ اسوقت ایک رومی قیصر توحید الٰہی کی مخالفت پر کھڑا ہوا۔ اُس نے لوگوں کو ڈرا کر توحید الٰہی کے اظہار سے روک دیا۔ اُس کی قوم میں سے کئی ایک نوجوان توحید کے عاشق بن گئے

تھے۔ جب بادشاہ نے اُنھیں سامنے بلایا تو اُنھوں نے وحدانیت الٰہی کا صاف اقرار کیا۔ جب بادشاہ نے اُنھیں پکڑنا چاہا تو وہ بھاگ کر کہف میں جا چھپے۔

غار پہاڑوں میں وہ سوراخ ہوتا ہے جو گہرا اور ڈھلوان ہو۔ اور کہف پہاڑ کے اندر کے رستوں کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ غار میں ہوں یا سیدھے راستے۔ وہ غار جس میں یہ نوجوان جا چھپے تھے اُس کا مُنہ شمال کی طرف تھا۔ وہ غار اُس علاقے میں تھی جو خطِ سرطان سے بہت اونچا ہے۔ جسطرح ہمارے مُلک میں جاڑے کے موسم میں شمال رویا مکانوں میں روشنی صبح اور شام کو بھی نہیں آتی۔ اسی طرح سورج غار کے عین مشرق سے جنوب کی طرف ہٹکر نکلتا تھا اور مغرب سے بھی اُسی طرح کترا کر پیچھے رہجاتا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ اُس غار میں سورج کی روشنی ہرگز نہیں پہنچتی تھی۔ اُس غار کا دہانہ تنگ تھا۔ لیکن غار میں آگے جاکر ایک کھُلی جگہ آتی تھی۔ سورج کی روشنی وگرمی کے وہاں تک نہ پہنچنے سے اُس جگہ کوئی زہریلی گیس جمع تھی۔ اُس کا اثر دروازے تک بھی آتا تھا۔ کتا جو اُن کے ساتھ تھا۔ وہ بھی اُس کے اندر جانے کی جرات نہیں کرسکا۔ فطرت نے اُسے دہلیز پر ہی روک رکھا تھا۔ وہ چوکس اور ہوشیار ہونے کے بجائے دہلیز پر اگلے پاؤں پھیلائے ہوئے بے ہوش پڑا تھا۔ لیکن اصحاب کہف خوفزدگی کی حالت میں اُس غار کے اندر کشادہ جگہ میں جا پہنچے۔

اُن کے لئے اُسوقت کوئی اور صورت نظر نہیں آتی تھی۔ وہ خدا سے دعا مانگ کر اس غار میں داخل ہوئے۔ وہ کئی ایک نوجوان تھے۔ وہاں کی گیس اُن سب پر تقسیم ہوگئی۔ جس سے وہ بیہوش ہوگئے۔ لیکن موت سے بچ رہے۔ اُن کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ اور وہ بے کلی سے کروٹ پر کروٹ بدل رہے تھے

اگر ہمارے رسول کریم جیسا بہادر شخص بھی اُن کی اس حالت کو دیکھتا تو خوف سے بھر جاتا۔ بلکہ وہاں سے راہ فرار اختیار کرلیتا۔

اُن کے تنفس اور جسموں کی گرمی سے اُس گیس میں حرکت پیدا ہوئی اور باہر کی تازہ ہوا اندر آنے لگی۔ اسی سبب سے وہ تین چار یا زیادہ دن تک بے آب وخورش پڑے رہے۔ لیکن اپنی تکان اور بھوک کا خیال کرکے کہنے لگے کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ ہم کتنی دیر پڑے رہے۔ اُن کو پڑے رہنے کا بھی علم نہ تھا۔

الغرض ہوش میں آکر اُنھوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو کہا کہ چھُپ کر جاؤ اور نرم کلامی کرو تاکہ تم پر کوئی واقف نہ ہوجائے۔ اور کوئی صاف ستھرا کھانا لاؤ

کوئی رسول و نبی بھی ایسے جسد والا نہیں ہو سکتا جو کھانا نہ کھاتا ہو ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام اور کوئی اور نبی و رسول بھی کھانے کے بغیر کبھی زندہ نہیں رہا ۔ پھر اصحاب کہف جو رسول بھی نہ تھے کسطرح زندہ رہکر کھانے کے بغیر صبر کر سکتے تھے ۔

اس بادشاہ کے قریبی رشتہ داروں میں خفیہ موحد موجود تھے ۔ کسی نے موقع پاکر اس ظالم بادشاہ کو ٹھکانے لگا دیا اور عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص صبح کو بادشاہ ہوتا ہے اور شام کو بیڑیوں میں جکڑا ہوتا ہے یا قتل کیا جاتا ہے ۔

اسوقت ملک شام کے سمجھدار لوگوں میں توحید کا بڑا چرچا تھا مگر اکثر لوگوں نے بدعات کو بھی اختیار کیا ہوا تھا ۔ آخر کار یہ بدعات تثلیث کے رنگ میں بدل گئیں ۔ عیسائی بھی یہودیوں کے سخت دشمن تھے ۔ اُنھوں نے ظالم یہود کی پھر وہاں جڑ نہیں لگنے دی ۔

جب اصحاب کہف میں سے ایک شخص کھانا لینے کے لئے آیا تو اس نے وہاں آکر عجیب رنگ دیکھا کہ عیسائیوں کا پھر غلبہ ہو رہا ہے ۔ اُن کا خیال تھا کہ غار والے اس زہریلی غار میں پہنچے ہیں ضرور ہے کہ مر گئے ہوں گے ۔

اُنھوں نے آپس میں کمیٹی کی ۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ہم اس غار پر عمارت بنائیں گے ۔ غالب رائے والے کہتے تھے کہ ہم یہاں مسجد تعمیر کریں گے ۔ ایسے وقت میں لوگوں کو اصحاب کہف کا پتہ مل گیا تاکہ اصحاب کہف اور دوسرے مومن جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے وہ نیکوں کی اس دنیا میں بھی مدد کرتا ہے ۔ پس قیامت کے متعلق بھی جو اُس کے وعدے ہیں حق ہیں ۔ اُنھوں نے غالباً لوگوں کو ساتھ لے جاکر دکھلایا کہ اب غار کی حالت درست ہو گئی ہے ۔ پہلی طرح پر نہیں ہے ۔

عرصہ دراز کے بعد لوگوں نے اصحاب کہف کے قصے کو معجزانہ رنگ میں اس طرح پر لکھا جیسا کہ مذہبی لوگوں کا قاعدہ ہے ۔

اس کے وہ قائل تھے کہ وہ خدا سے دعا مانگ کر غار میں گئے تھے ۔ لیکن لوگوں کی اس بارے میں دو رائیں تھیں کہ وہ کتنی دیر رہے ۔ کوئی کہتا تھا کہ تین سو سال تک رہے اور کوئی تین سو نو سال بتاتا تھا ۔ لوگوں کے نزدیک اس فرق و اختلاف سے خدا تعالےٰ کا یہ منشا تھا کہ لوگوں کو دکھلاوے کہ رلیوں کے دو گروہوں میں سے کس نے اس مدت کو یاد رکھا ہے ۔ یہ دونوں مدتیں بھی سرتاپا غلط ہیں ۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں ہی جانتا ہوں جتنی دیر رہے ۔ ضرور ہے کہ بحکم قرآن وہ غار میں اتنی مدت رہے ہوں جتنی دیر تک انسان کے لئے کھانے پینے کے بغیر زندہ رہنا ممکن ہے ۔

لوگوں نے یہ قصہ ایک تختی پر لکھکر غار پر لگا دیا ہوگا۔ رسول کریم اس قصے کو سنکر حیران ہوتے تھے حضور نے آخر کار یہ گمان کر لیا تھا کہ شاید یہ بات واقعہ کے مطابق ہی ہو۔ رسول کریم کا یہ خیال صحیح نہیں تھا۔ اسلئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ

کیا تو نے غار اور نوشتے والوں کے اس قصے کو جبکہ وہ دلما مانگ کر غار میں گئے اور بعد کے من گھڑت نوشتے کے مطابق کئی سال سوئے رہے۔ پھر ہم نے اُن کو اسلئے جگایا تاکہ دیکھیں کہ مذہبی مورخین کی دو جماعتوں میں سے کس کو غار میں اُن کی مدت قیام کا علم ہے۔ پھر کیا تو نے اس من گھڑت قصے کو آیت الٰہی گمان کر لیا کہ شاید ایسا ہی ہوا ہو یہ تیرا خیال صحیح نہیں ہے۔

آگے فرمایا ہم اُن کا بیان تجھ پر ٹھیک ٹھیک کرتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ پہلا قصہ رسول کریم کا محض گمان تھا صحیح نہیں تھا۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ سے لیکر لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا تک الٰہی وحی نے اسکا حقانی اور سچا بیان کر دیا ہے۔ آگے لوگوں کے ان اختلافات کا ذکر کیا ہے جو اُن کی تعداد اور غار میں مدت قیام کے بارے میں تھے۔ اور دونوں کا جواب یہ دیا ہے کہ نہ اُن کی تعداد کا کسی کو علم ہے اور نہ مدت قیام کا۔ بلکہ اکثر لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اصحاب کہف کا وجود بھی تھا یا نہیں۔ اور اُن کی ٹھیک ٹھیک مدت قیام کو سوائے خدا تعالےٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

اصحاب کہف کے نوجوانوں کا ایسی بہادری دکھلانا واقعی قابل قدر ہے۔

اس سورت میں تین بڑے بڑے قصے آئے ہیں۔ پہلا قصہ اصحاب کہف کا ہے۔ یہ لوگ نیکی میں بڑھے ہوئے تھے۔ لوگ ایسے بے نفس بزرگوں کو خدا کا بیٹا بنا لیا کرتے ہیں۔ دوسرا قصہ خضر و موسیٰ علیہما السلام کا ہے۔ جس میں خضرؑ کو علم میں بڑھا ہوا دکھلایا ہے۔ لوگ ایسے علم والوں کو بھی خدا کا بیٹا قرار دے لیتے ہیں۔ تیسرا قصہ ایک بادشاہ کا ہے۔ جس نے اپنے زمانہ حکومت کے دو حصے کئے تھے۔ پہلے حصے میں اپنے ملک کا اندرونی انتظام کیا تھا۔ اور ہر قسم کے ساز و سامان بہم پہنچائے تھے۔ دوسرے حصے میں اپنے ملک کے حدود کے قیام اور حفاظت کے لئے سفر کئے۔ نادان لوگ ایسے مہاراجوں کو بھی خدا کی اولاد قرار دے لیا کرتے ہیں۔

خدا تعالےٰ نے اس سورت کی تمہید اسطرح پر اُٹھائی ہے کہ یہ قرآن تمام دنیا کے لئے قیّم ہے اور ان لوگوں کو بھی ڈراتا ہے جو خدا کے محبوب و معشوق اور بیٹے قرار دیتے ہیں۔ آگے نمونے پیش کر کے دکھلایا ہے کہ نہ کوئی انسان نیکی کر کے خدا کا بیٹا بن سکتا ہے اور نہ علم لدنی پا کر ہی بیٹوں کی صف میں داخل ہو سکتا ہے۔ اور نہ مہاراجہ بن کر ہی خدا زادہ قرار پا سکتا ہے۔

اصحاب کہف کے ذکر کے بعد فرمایا کہ اصحاب کہف کے لئے خدا کے سوائے کوئی سرپرست نہیں تھا۔ اور خدا اپنی کسی مخلوق کو اپنے حکم میں شریک نہیں کیا کرتا۔ خضر علیہ السلام نے خود ہی اقرار کیا کہ میں نے یہ کام اپنے حکم سے نہیں کئے۔ اور ذوالقرنین کے متعلق بھی بیان کیا گیا کہ اس کی مضبوط دیوار کو بھی خدا نے اپنے قواعد کے مطابق توڑ پھوڑ دیا۔ سورت کے اخیر میں ہمارے رسول کریم کے متعلق فرمایا کہ تو ہمارے وحی کرنے کی حالت میں بھی دوسرے بشروں جیسا ایک بشر ہے۔ سو جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہے تو وہ صلاحیت والے عمل کرے اور خدا کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ اور ان بزرگوں کا قصہ بیان کر کے فرمایا کہ لوگوں نے ان کو میرے سوا دوست اور کارساز پکڑا ہے۔

اس سورت میں خدا کی ولایت و سرپرستی کا دو آدمیوں کی مثال دیکر ایک نمونہ دکھایا ہے۔ قریش کے پاس باغ تھے۔ اور وہ خوشحالی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ مومنین کو اُن کی توحید کی خاطر ستاتے تھے۔ آخر اُنھیں لمبے قحط نے آپکڑا اور توحید والوں کو غلبہ حاصل ہوا۔ یہ پیشگوئی اس بات کی سند کے لئے پیش کی گئی ہے تاکہ دکھلایا جائے کہ ہمارا ولی سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔ پہلی سورت میں بھی بیان تھا کہ خدا کے سوائے کسی کو وکیل مت پکڑو۔ پھر پہلی سورت کے اخیر میں فرمایا تھا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا الخ اس سورت کے شروع میں فرمایا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا ۙ وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ پہلی سورت میں بیٹا نہ پکڑنے پر خدا کی حمد کی گئی ہے۔ اس سورت کے شروع میں قرآن کے قیم ہونے اور خدا کے لئے بیٹا بنانے والوں کو ڈرانے پر حمد کا اظہار کیا ہے الحاصل اس سورت کے بارہ رکوعوں میں اسی قسم کے مضامین لائے گئے ہیں۔

ترجمہ و تشریح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمان و رحیم ہے

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ

تمام خوبیاں اُس خدا کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب اُتاری اور اس کتاب کے لئے کوئی کجی (کسر) نہیں رہنے دی (قرآن کا ہر کسر و کجی سے خالی ہونا اللہ تعالےٰ

کی پرلے سرے کی نعمت ہے۔ خدا کے لئے تمام خوبیوں کو ثابت کرنے کے موقع پر اس قرآن کی نعمت کو ہی پیش کیا گیا ہے اور قرآنی علوم کے لحاظ سے رسول کو بندہ بتایا گیا ہے۔ پھر ایسے قرآن کے متعلق یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ موم کی ناک ہے یہ یقیناً ناقص ہے۔ بندے رسول کا اپنا کلام اسے کامل بناتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ رسول کی اپنی باتیں اس پر حاکم و قاضی بن سکتی ہیں۔ اس صورت میں درحقیقت رسول ہی تمام خوبیوں کا مالک بن جائیگا اور خدا کا کلام رسول کی قضا و حکومت کے ماتحت ہو جائیگا)

(۲) قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ۙ (یہ قرآن صرف ہر کجی سے ہی محفوظ نہیں رکھا گیا بلکہ یہ دنیا کی تمام اقوام کو) قائم رکھنے والا ہے تاکہ یہ (لوگوں کو) سخت عذاب سے ڈرائے جو (قادر مطلق) خدا کی طرف سے آنیوالا ہے (کسی کو یہ طاقت نہیں کہ اس خدا کا مقابلہ کرے) اور تاکہ یہ (قرآن) اُن ایمانداروں کو جو صلاحیت والے کام کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دے کہ اُن کے لئے نیک اجر ہے۔

(۳) مَّاكِثِينَ فِيهِ أَبَدًا ۙ درانحالیکہ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

(صلاحیت والے کام وہی ہو سکتے ہیں جن میں دراصل صلاحیت موجود ہو۔ محض کسی کے کہنے سننے سے کوئی غلط بات اپنی ذات میں صلاحیت والی نہیں بن سکتی۔ لوگ بات کی صلاحیت کو نہیں جانچتے بلکہ اس کی غلطی کو دیکھکر بھی کسی بڑے نام کی طرف منسوب کرکے اُسے صحیح بنانے کی کوشش کرتے ہیں یہ بات طریق تحقیق میں بہت بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے)

(۴) وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۝ (یہ قرآن عام بدکاروں کو ڈرانے کے لئے تو آیا ہی ہے مگر اس کی تعلیم کا سب سے بڑھکر مقصود یہ ہے) تاکہ اُن کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا پکڑا ہے (وہ مخلوقات میں حریت و مساوات قائم نہیں رکھتے۔ وہ مخلوقات کے دو حصے کر دیتے ہیں۔ ایک حصے کے متعلق بتاتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کو اُن کے ساتھ ازلی محبت ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کے ازلی معشوق ہیں۔ یہ لوگ خدا تعالےٰ کو خدا ہی نہیں جانتے)

(۵) مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ نہ اُن لوگوں کو اور نہ اُن کے باپ دادوں کو اس بات کا کوئی علم ہے۔ یہ بھاری بات ہے جو اُن کے مونہوں سے نکلتی ہے۔ یہ محض جھوٹ ہی بولتے ہیں۔

(۶) فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ پھر کیا تو افسوس کے سبب اُن کے پیچھے پیچھے جاکر (یا اُن کی روایتوں کی سُبکی پر نظر کرکے) اپنی جان کو ہلاک کر لینے والا ہے (اس رنج سے) کہ وہ اس (وحی والی اور معقول) حدیث (یعنی قرآن) کو نہیں مانتے۔

(۷) اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝

(جبر مذہبی تو ہر صورت ممنوع ہے اور کسی کے گھر جاکر اور منت و خوشامد کے ساتھ تنگ کرکے ایمان کی طرف بلانا بھی ایک قسم کا جبر مذہبی ہے ۱۱/۱۵۔ اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو اس سے بھی روکتا ہے۔ مال۔ دولت اور خوبصورتی اس دنیا کے لئے زینت کا موجب ہیں۔ بعض لوگ اُن کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور بدیوں میں پڑ جاتے ہیں۔ اور انصاف والے لوگ اچھے عمل بجا لاتے ہیں۔ جب تک لوگوں کی طرف سے جبر نہ کیا جائے ان اعمال کے بجا لانے میں کسی پر جبر کرنا ہرگز درست نہیں ہے جو چاہے زینتوں پر گرے اور جو چاہے خدا کی طرف متوجہ ہو کر نیک اعمال کرے اور انصاف کے ساتھ دنیا کو قائم رکھے۔ خدا تعالےٰ نے انسان کو اختیار دیا ہے جو چاہے کفر کرے اور جو چاہے مومن بنے ۱۹/۱۴ کفر و ایمان کی جزا خود خدا ہی دیگا ۲۵/۱۸۔ چنانچہ (ارشاد ہے)

بلاشبہ ہمنے اُن چیزوں کو جو زمین پر ہیں اُس (زمین) کے لئے زینت بنایا ہے تاکہ ہم ان لوگوں کو امتحان میں ڈالیں کہ کون اُن میں سے عملوں کے لحاظ سے اچھا بنتا ہے۔

(۸) وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝ اور ہم اُن چیزوں کو جو اس (زمین) پر ہیں (مٹا کر)

خالی میدان بنانے والے ہیں (جیسا کہ عام زلزلوں اور تباہیوں کے وقت میں ہوتا ہے اور نوع انسان کی کلی تباہی کے وقت پر بھی ہوگا)

(۹) اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا

(یہ نے انسان کو جب تک وہ جیتا ہے نیک عملوں کے لائق بنایا ہے۔ ہمارا یہ منشا کبھی نہیں ہوسکتا کہ انسان کو مدت دراز تک سُلا کر عملوں سے روک دیا جائے)

کیا تو نے غار اور نوشتے والوں (کے اس قصے) کو (جس کا ذکر اگلی تین آیتوں میں آتا ہے) تعجب کرتے ہوئے ہماری نشانیوں سے گمان کرلیا ہے (کہ یہ کسی نہ کسی طرح مدت دراز تک سوتے رہے ہونگے۔ اس کی ترکیب یوں بھی ہوسکتی ہے کہ کانوا کی خبر من آیتنا اور عجبا دونوں کو بنایا جائے تو پھر اس

(۱۰) اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ جب کہ کئی نوجوانوں نے غار کی طرف پناہ لی۔ پھر وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار تو ہم کو اپنے پاس سے رحمت دے اور ہمارے اس کام سے ہمارے لئے نیک نتیجہ پیدا کر (قصہ گو بھی مانتے تھے کہ غار والوں نے غار سے خیر کے ساتھ نکلنے کی دعا مانگی تھی۔ اُن کا یہ خیال ہرگز نہیں ہوسکتا تھا کہ ہمارے لئے کوئی معجزہ کیا جائے۔ اس سے غار والوں کی کمزوری اور عاجزی کا اظہار ہوتا ہے جیسا کہ اس قصے کے نتیجے میں بیان کیا گیا ہے)

(۱۱) فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝ (مگر قصہ بانوں نے اسے کرامت کے

بنگ میں رنگ دیا تھا جس پر ہمارے رسول کریم مدت تک تعجب کرتے رہے اور آخر گمان کرلیا کہ شاید یہ امر قعی ہوا اور خدا کی قدرتی آیات سے ہو چنانچہ ارشاد ہے) اور ہم نے (قصہ تراشوں کے خیال کے طابق) غار میں اُن کے کانوں پر کئی سال تک تھپکی ماری (یعنی انھیں اسطرح لادیا جسطرح لوگ اپنے بچوں کے کانوں پر تھپکی لگا کر سلاتے ہیں۔ وہ جتنی دیر بھی سوئے رہے آرام نہیں سوئے رہے۔ کروٹوں کے بدلنے سے اُنکی بےچینی کا صاف اظہار ہوتا ہے)

(۱۲) ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝ پھر ہم نے (افسانہ نویسوں کے قول کے مطابق) اُنھیں جگا دیا تاکہ ہم دیکھیں (کہ قصہ گوؤں کی) دونوں جماعتوں میں سے کس نے اُس مدت کو یاد رکھا ہے جسقدر کہ وہ (وہاں) رہے (قصہ نویسوں کی بتلائی ہوئی دونوں روایتیں ہی غلط تھیں۔ وہاں اتنی مدت رہے جتنی دیر تک زندہ آدمی کھانے پینے کے بغیر جی سکتا ہے)

رکوع دوم (۱۳) نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًی ۝ (یہاں تک خدائے علیم نے ہمارے رسول کریم کے گمان کی جو ہرگز وحی الٰہی کے مطابق نہیں تھا غلطی ظاہر کی ہے۔ اب اللہ تعالےٰ آگے اصل حق کا اظہار کرتا ہے اور فرماتا ہے) ہم تجھ پر (اپنی وحی سے) اُن کا قصہ حق کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ کئی ایک نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے اُنکو ہدایت (اور سمجھ) میں ترقی دی تھی۔

(۱۴) وَّرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝ اور ہمنے جب وہ (حاکم کے سامنے) کھڑے ہوئے تو اُن کے دلوں پر ثابت قدمی ڈالدی۔ سو وہ بولے کہ ہمارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم ہرگز اُس کے سوائے کسی معبود کو نہیں پکاریں گے (اگر ہم ایسا کریں) جب تو ہمنے زیادتی کی بات کہہ دی۔

(۱۵) هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَیِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ۝ اس ہماری قوم نے اس خدا کے سوائے اور معبود بنالئے ہیں۔ کیوں اُن (کے وجود) پر کوئی روشن دلیل نہیں لاتے (مشرک خدا تعالےٰ کی شان گھٹا کر عاجز اور بھولنے والی مخلوق کو مثلہ معہ

بناتا ہے۔ پھر اپنے اس جھوٹ پر چلنے کے لئے دوسروں کو مجبور کرتا ہے اور کوئی روشن دلیل نہیں لاتا اسلئے فرمایا) اور (جب بات یہ ہے تو) اُس سے بڑھکر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے (خدا پر جھوٹ بولنا یقیناً کسی دوسرے پر جھوٹ بولنے سے بڑھکر ظلم ہے۔ کسی مخلوق کو ابا بڑھانا جس سے خدا کی شان میں فرق آجائے یقیناً ظلم عظیم ہے)

(۱۶) وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا ۝ (انھیں دھمکیاں دی گئیں اور لالچ دیکر پھسلانے کی کوشش کی گئی اور انھیں اپنی حالت پر غور کرنے کا موقع دیا گیا ایسا موقعہ پاکر انھوں نے آپس میں کہا) اور جب تم ان لوگوں (کی صحبت) سے اور اُن سے جن کو یہ خدا کے سوائے پوجتے ہیں (یعنی اُن کی قبروں اور مورتوں اور استھانوں سے) الگ ہوجاؤ تو اس غار کی طرف پناہ لو (کیونکہ ہمیں اسوقت دور جانے کے لئے موقع نہیں مل سکتا) تاکہ تمہارا پروردگار تمہارے لئے اپنی رحمت پھیلادے اور تمہارے اس کام سے تمہارے لئے آسانی کا راستہ تیار کردے (یہ دعا انھوں نے بڑے دریغ کے ساتھ مانگی آگے اُن سامانوں کا ذکر ہے جن سے اس دعا کی قبولیت میں مدد ملی)

(۱۷) وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا ۝

(یہ آیت اس قصے کے لئے کلید اور قدرتی آیت و نشان کا کام دیتی ہے۔ سمجھداروں کو اس سے سمجھ لی جاتی ہے لیکن ضدیوں کو جہنم کے ساتھ خود خدا ہی سنوار دیگا جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے) اور (اگر تو وہاں ہوتا) تو تو دیکھتا کہ سورج جب چڑھتا تھا تو اُن کی غار سے دائیں طرف ہٹ کر پیچھے رہ جاتا تھا اور جب غروب ہوتا تھا تو بائیں طرف کو کترا کر رہ جاتا تھا۔ اور وہ (یعنی غار والے) اُس (غار) کے کھلے حصے میں تھے (اس غار کا دہانہ تنگ تھا۔ آگے چلکر ایک کھلی جگہ آتی تھی جس میں پہنچکر وہ بیہوشی کی حالت میں پڑ گئے۔

اس غار کا مُنہ شمال کی طرف تھا۔ یہ غار مُلک شام کے شمال کی طرف واقع تھی جو خطِ سرطان سے بہت اونچا ہے۔ اس غار کا دایاں مشرق کو تھا اور بایاں مغرب کو۔ سورج اُس کے مشرق و مغرب سے ہمیشہ اسی طرح کترا کر پیچھے رہ جاتا تھا جسطرح ترکستان میں ہوا کرتا ہے۔ یہ انہی کی غار کا خاصہ نہ تھا بلکہ خدا تعالےٰ نے اپنی قدرتی آیات میں سے فرمایا ہے) یہ بات خدا تعالےٰ کے (قدرتی) نشانات سے ہے جسکو خدا ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے اور (جس کو وہ ایسی واضح بات کے باوجود) گمراہی میں ڈالدے تو تُو اس کے لئے کارساز اور راہنما نہیں پائیگا۔

رکوع سوم (۱۸) وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝ (اس آیت میں اُن کی بیہوشی کے نقشے کو دکھلایا ہے) اور تو اُن کو (اُن کی بیکلی کی وجہ سے) جاگتے تصور کرتا حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے اور ہم اُن کو دائیں اور بائیں کروٹ پر پھیرتے تھے اور اُن کا کُتا دہلیز پر ہی اپنے اگلے ہاتھ پھیلائے پڑا تھا اگر تو (سوتے) اُن پر جھانکتا تو تُو اُن سے بھاگتا ہوا مُنہ پھیر لیتا اور بالضرور اُن کی وجہ سے خوف سے بھرپور ہو جاتا۔

(یہ دونوں آیات اس واقعہ کے لئے کلید کا کام دیتی ہیں)

(۱۹) وَكَذَٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۖ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنظُرْ أَيُّهَا أَزْكَىٰ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ۝ اور (جسطرح ہمنے اُن کو اس زہر کے اثر کے سبب سُلا دیا تھا) اسی طرح ہمنے اُن کو (اس زہر کے اثر کو دور کرنے سے) جگا دیا تاکہ وہ آپس میں سوال کریں۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم نے کتنی دیر کی (غیر معمولی دیر کے بعد اکثر ایسے سوالات کئے جاتے ہیں)

اُنھوں نے کہا کہ ہم نے دن یا دن کا کوئی حصہ دیر کی ہے (لیکن جب اُنھوں نے اپنی تکان اور بھوک کی شدت کا خیال کیا تو) اُنھوں نے کہا۔ تمہارا رب ہی جانتا ہے جسقدر تم نے دیر کی (اس نیند کی ٹھیک ٹھیک میعاد کی خود اصحاب کہف کو بھی خبر نہ تھی۔ پھر غار کے باہر والوں کو اُس مُدت کی تعیین کا کیا حق تھا۔ اُنھوں نے تو دنوں کو سالوں میں بدل دیا ہے۔ اصحاب کہف نے یہ بھی کہا کہ) سو تم اپنے میں سے ایک کو اپنے اس سکّے کے ساتھ اس شہر کی طرف بھیجو (اصحاب کہف کو اپنے سکوں کے دیکھنے سے بھی خیال نہیں آیا کہ تین سو سال تک یکساں پڑے رہنے سے ان سیمیں سکوں کی کیا حالت ہونی چاہیئے تھی۔ اگر تین سو سال کا عرصہ صحیح ہوتا تو ضرور تھا کہ اُن کے کپڑے بھی قائم نہ رہتے اُن کے سروں اور ڈاڑھیوں کے بال حد سے زیادہ بڑھ جاتے۔ اور اُن کے بال جوانی کی حالت سے بڑھاپے میں پہنچکر سفید ہوجاتے اور وہ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۚ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ۳۶ کے قاعدے کے مطابق بہت ہی بوڑھے ہوجاتے۔ اور اگر کُتّا بھی تین سو سال تک سویا رہتا تو ضرور ہے اخیر میں اس کے معجزے کا بھی ذکر آتا۔ آگے اصحاب کہف اُس کھانا لانے والے کو یہ بھی تاکید کرتے ہیں) سو چاہیئے کہ دیکھے کہ اُس (بستی) میں کونسا کھانا زیادہ ستھرا (و پاکیزہ) ہے۔ پس چاہیئے کہ وہ تمہارے لئے اس میں سے کچھ کھانا لائے (جو خوشی سے کھایا جائے اور بسہولت ہضم ہوجائے) اور چاہیئے کہ نرمی کرے (تاکہ کوئی اس سے لڑ نہ پڑے جس سے ہمارا پتہ لگنے کا موقعہ پیدا ہوجائے۔ چنانچہ اُنھوں نے کہا) اور تمپر کوئی خبردار نہ ہوجائے۔

(۲۰) إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَن تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا ۝ بلاشبہ اگر وہ تمپر واقف ہوجائیں گے تو تم کو سنگسار کردینگے۔ یا تم کو اپنے مذہب میں (جبراً) لوٹا لینگے اور (اگر تم ایسا کروگے) جب تو تم ہرگز فلاح نہیں پاؤگے (اور خدائی پکڑ میں آجاؤگے)

(۲۱) وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا ۚ إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا ۖ رَّبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۖ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ

اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝ (اُس ظالم بادشاہ کو اُس کے کسی عیسائی رشتہ دار نے قتل کر دیا اور حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور دنیا میں ایسے انقلابات ایک ہی دن میں واقع ہو سکتے ہیں۔ جب اُس کھانا خریدنے والے نے عیسائی حکومت دیکھی تو خدا تعالےٰ کا شکریہ بجا لایا۔ عیسائیوں کو معلوم ہوا کہ وہ غالباً اس غار میں گئے ہیں اس غار میں جا کر کوئی بچ نہیں سکتا۔ ضرور ہے کہ وہ مر گئے ہونگے۔ اس لئے اُنھوں نے کمیٹی کی۔ کچھ اُن میں سے کہتے تھے کہ ہم اُن کی یادگار میں یہاں عمارت بنائیں گے اور جن کی رائے کو غلبہ ملا۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم ان پر مسجد تعمیر کرینگے۔

جبکہ اُن میں یہ جھگڑا ہو رہا تھا۔ اُس وقت اس شخص کے جانے سے اُن پر اصحاب کہف کا حال منکشف ہو گیا۔ وہ لوگوں کو غار میں اپنے ساتھ لے گئے اور اُنھیں دکھلایا کہ اب اس غار کی حالت بدل گئی ہے بشرطیکہ آئندہ اس کی درستی کا لحاظ رکھا جائے چنانچہ ارشاد ہے)

اور اس طرح ہم نے (لوگوں کو) اُن پر خبردار کر دیا تاکہ (سب) لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے (وہ اپنے بندوں کا مددگار ہے) اور (اس بات کو دیکھکر یہ بھی جان لیں) کہ پیشی کی گھڑی میں کوئی شک نہیں (یہ خبر لوگوں کو اُسوقت ہوئی) جبکہ وہ آپس میں اُن کے (یعنی اصحاب کہف کے) معاملے میں جھگڑ رہے تھے۔ سو اُنھوں نے کہا کہ تم ان پر عمارت بناؤ۔ اُن کا رب اُن کو خوب جانتا ہے (کہ وہ کس نیت سے کہہ رہے تھے) اُن لوگوں نے جنہوں نے اپنی بات پر غلبہ پایا کہا ہم ان پر مسجد بنائیں گے۔ (اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت مُلک میں اصحاب کہف کے خیرخواہوں کی حکومت تھی)

(۲۲) سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ۝ (اس آیت میں اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق لوگوں کا اختلاف بیان کیا گیا ہے اور دکھلایا ہے کہ ایسے اختلاف کرنے والے راویوں کا کوئی اعتبار نہیں ہونا چاہئے۔ چنانچہ ارشاد ہے)

ابھی یہ لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے چوتھا اُن کا کُتّا تھا اور کہیں گے کہ وہ پانچ

تھے اور چھٹا اُن کا کتا تھا۔ یہ بن دیکھے نشانے لگا رہے ہیں (اور اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں) اور کہیں گے کہ وہ سات تھے آٹھواں اُن کا کتا تھا (یہ بات بھی غلط ہے اُن کی تعداد اس سے بڑھکر تھی) تو کہہ کہ میرا رب اُن کی گنتی کو خوب جانتا ہے (اکثر لوگوں کو اتنی بھی خبر نہیں کہ اصحاب کہف کوئی تھے بھی یا نہیں) تھوڑے لوگوں کے سوائے اُن کو کوئی نہیں جانتا پس تو اے رسول) اُن کے بارے میں صرف ظاہری جھگڑا کر (کہ وہ خدا کے بیٹے نہیں تھے۔ محض بندے تھے) اور تو اُن کے بارے میں کسی سے سوال نہ کر (جبکہ خود اُن میں اختلاف ہے تو اُن کی محض روایات کا کیا اعتبار ہے)

رکوع چہارم (۲۳ و ۲۴) وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۝ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَنْ يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا ۝ (اصحاب کہف کا ارادہ تھا کہ سردست ہم اس غار میں پناہ لینگے پھر موقع پاکر کہیں دُور بھاگ جائیں گے۔ کوئی انسان غیب دان نہیں ہے کہ کل کیا کیا کریگا ۲۱/۱۳۔ اس لئے رسول مقبول کو بھی نصیحت کی جیسا کہ ارشاد ہے) اور تو کسی شے کے متعلق مت کہہ کہ میں اسے کل کرنے والا ہوں مگر یہ کہ اللہ چاہے (انسان بیماری اور موت یا کسی اور مصیبت سے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ انسان ایسا وعدہ تو کر سکتا ہے کہ میں اپنی طاقت کے مطابق اس کام کو ضرور بجا لاؤنگا لیکن ہر قدرتی روکاوٹ کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلئے ضرور ہے کہ اپنی عاجزی کو دکھلانے کے لئے انشاء اللہ بھی کہے) اور جب تو بھول جائے تو اپنے رب کو (اُس وقت ہی) یاد کر لیا کر (جیسا کہ اصحاب کہف نے بیہوشی کی حالت میں خدا تعالےٰ کو بھلا دیا تھا تو بھی انسان ہے تیرے لئے بھی ویسی ہی مجبوریاں ہیں۔ تجھ پر بھی کوئی کام تیری طاقت سے بڑھکر نہیں ڈالا جا سکتا۔ یاد الٰہی کو بھلا دینا انسان کی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے اس فعل کو وحی نہیں بتایا جا سکتا۔ انشاء اللہ کہنے سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ رسولوں کی ہر بات وحی نہیں ہوتی) اور (یہ بھی) کہہ قریب ہے کہ میرا رب مجھکو ایسی بات کی رہنمائی کرے جو ہدایت (و کامیابی) میں اس سے زیادہ قریب ہو۔ (اصحاب کہف کو غار میں بڑی تکلیف پہنچی اور اُنھوں نے واجبی کامیابی دیکھی۔ اس جگہ رسول کریم کو اُمیدوار کیا گیا ہے کہ تجھے غار کے بعد زیادہ ہدایت اور کامیابی ملیگی)

(۲۵) وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوا تِسْعًا (۲۱) آیت میں جو بیان ہے وہ اُس یقولون کے ماتحت ہے جو آیہ نمبر ۲۲ میں آیا ہے۔ یہاں بھی مدت قیام کے متعلق لوگوں کے اختلافات دکھلائے گئے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک کلام کے درمیان کوئی مناسب نصیحت بیان کرکے پھر پہلے کلام کو ہی شروع کیا جاتا ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں۔ بیچ میں خدا تعالےٰ ماں باپ کی قدر دکھلانے کے لئے اولاد کو حکم دیتا ہے اور دو لمبی آیتوں کے بعد پھر لقمان کی نصیحت کا جو وہ اپنے بیٹے کو کرتا ہے باقی حصہ لایا جاتا ہے اور کوئی ایسا لفظ نہیں لایا جاتا جس سے معلوم ہو کہ یہ لقمان علیہ السلام کا قول ہے۔ اسی طرح سورت مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان يَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا تک کیا ہے۔ آگے خدا تعالےٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عاجزی کو دکھلانے کے لئے دو آیتوں کو جملہ معترضہ کے طور پر لایا ہے۔ اس کے آگے مسیح علیہ السلام کا باقی قول بیان کیا گیا ہے جو یہ ہے وَإِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ۔ یہ خدا تعالےٰ کا قول نہیں ہے صرف مسیح علیہ السلام کے قول کا ہی تتمہ ہے۔ سورت یوسف علیہ السلام میں فرمایا ہے ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّيْ لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَائِنِيْنَ ع ۱۲ یہ یوسف علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے جسے بہت سی آیتوں کے بعد لایا گیا ہے۔ اسی طرح آیہ نمبر ۲۲ میں بھی لوگوں کے اختلافی اقوال بیان کئے گئے ہیں۔ پھر رسول کریم کو مناسب نصیحت دیکر اُنہی لوگوں کے اقوال کو ہی پھر بیان کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں) اور اُنھوں نے اپنے غار میں تین سو سال تک دیر کی اور اُنھوں نے نو سال اور بھی بڑھائے (یعنی دوسرے قصہ گوؤں نے کہا کہ وہ تین سو نو سال غار میں رہے۔ یہ دونوں قول صریح البطلان ہیں۔ ہر دانا اُن کے باطل ہونے کو یقیناً تسلیم کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ عَسٰى أَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِأَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا سے یہی تحقیق مقصود ہو جو آگے آتی ہے)

(۲۶) قُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَبْصِرْ بِهٖ وَأَسْمِعْ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖ أَحَدًا ان (اسلئے اس کے آگے پہلے کی طرح فرمایا) تو کہہ کہ اللہ ہی جانتا ہے جتنی دیر وہ رہے (خدا نے اس بات کو تمام لوگوں سے غائب رکھا ہے کیونکہ) آسمانوں اور زمین کے غیب اسی کے لئے ہیں

وہ خدا ہی خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔ ان (اصحاب کہف) کے لئے اُس خدا کے سوا کوئی سرپرست نہ تھا اور خدا اپنے حکم میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا (وحی کرنا خدا کا خاصہ ہے۔ خدا اس کا اختیار بھی کسی صاحب اختیار بندے کو نہیں دیتا اور فوق الفطرت تصرفات بھی اُس خدا کے لئے ہیں۔ اُن کے بجا لانے کے وقت بھی وہ کسی بندے کو اپنے ساتھ کھڑا نہیں کر لیا کرتا)

(۲۷) وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ (کسی واقعہ کو خارق عادت بنا دینا اُس واقعہ کی تحقیقات نہیں ہے۔ بلکہ ایسا کہنے سے اُس کی تحقیقات ملیامیٹ ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اس واقعہ کو نیچر کے مطابق ثابت کیا جائے اور اُس کی کلید کا پتہ دیا جائے اور اختلافات دکھلا کر راویوں کی کمزوری ظاہر کی جائے تو ایسی تحقیقات عالموں کی علمیت کو دکھلاتی ہے۔ خدا تعالےٰ بے غلط عالم ہے، جس تحقیقات کو وہ پیش کرتا ہے وہ ضرور خدا تعالےٰ کے اسرار و علوم کا اظہار کرتی ہے۔ اگر اصحاب کہف کی مذکورہ بالا تحقیق اسی قسم کی ہے تو ضرور ہے کہ اس جگہ قرآن کی تعریف کی جائے ورنہ خوارق کو تو وہ لوگ بھی مانتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہنومان جی سارے کے سارے ہمالہ پہاڑ کو اُٹھا کر لے آئے تھے ایسے قصے کہانیاں بیان کرنا تحقیقات کا خون کر دینا ہے۔ ہمارے مُلّا ایسے ہی قصے کہانیوں پر ریجھے ہوئے ہیں اور ایسی باتوں کے بیان کرنے میں ہی خیال کرتے ہیں کہ ہماری تحقیقات کی داد دی جائیگی سچی تحقیقات خدا کی کتاب سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ رسول کے لئے بھی اس کتاب کے سوائے کوئی جائے پناہ نہیں۔ رسول اس کتاب پر حاکم و قاضی نہیں بن سکتا۔ اس کتاب کے ذریعے سے رسولوں کی بھی غلطیاں نکالی جا سکتی ہیں اور اُن کے گمان کی تغلیط کی جاتی ہے۔ اوپر کی آیت میں فرمایا ہے کہ خدا تعالےٰ اپنے حکم میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا۔ پس لازم ہے کہ یہاں کتاب الٰہی کی عزت ظاہر کی جائے جیسا کہ ارشاد ہے) اور تو اس کی تلاوت کر جو تیری طرف وحی کیا جاتا ہے (اور وہ وحی کیا ہے۔ وہ وہ ہے) جو تیرے رب کی کتاب سے ہے۔ اُس (خدا) کے کلمات کو بدلنے والا کوئی نہیں (لیکن وہ خدا تمام رسولوں کے کلمات کو بدل سکتا ہے) اور تو (اے رسول) اُس (خدا) کے سوائے کوئی جائے پناہ نہیں پائیگا۔

(۲۸) وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝ (اس کتاب

پر عمل کرنا جیسا دوسرے مومنوں پر لازم ہے ویسا ہی تجھ پر بھی فرض ہے ۱۲ تو بھی مومنوں کی صف میں ہی داخل ہے۔ اسی لئے فرمایا) اور تو اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ روکے رکھ (اور اُنھیں کی صف میں ملا رہ) جو اپنے رب کو اُس کی رضامندی چاہتے ہوئے صبح اور شام پکارتے ہیں اور تو دنیا کی زندگی کی زینت کو چاہتا ہوا اُن سے اپنی آنکھوں کو مت پھیر لے اور تو اُس کی پیروی مت کر جس کے دل کو ہم (خدا) نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور اُس نے اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کی ہے اور اُسکا معاملہ حد (اعتدال) سے نکلا ہوا ہے (اس سے معلوم ہوا کہ رسول اور مومن مل جل کر نیکی کو بجالاتے تھے اور ایک دوسرے کی اطاعت کرتے تھے)

(۲۹) وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ ۚ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ اور تو کہدے کہ تیرے رب

کی طرف سے یہی حق ہے (میرا کسی پر جبر نہیں ہے) سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے (اس کی جزا ہم دینگے۔ ہمارا احکم الحاکمین ہونا ہر صورت ثابت ہے) بلاشبہ ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ کو تیار کر دیا ہے جس کی لپٹوں نے اُنھیں گھیر رکھا ہے اور اگر وہ پانی کی پکار کریں تو اُن کی ایسے پانی سے فریاد رسی کی جاتی ہے جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند (گرم) ہوتا ہے (وہ منہ کے پاس لیجاتے ہی) چہروں کو جھلس دیتا ہے۔ وہ بہت بُری پینے کی شے ہے اور وہ (جہنم) بہت بُری جائے آرام ہے (جہنم سے آخر کار آرام تو حاصل ہوگا لیکن بہت بُری طرح سے ملیگا)

(۳۰) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا

(اب نیکوں کا حال بیان کیا جاتا ہے) بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور صلاحیت والے کام کئے تو (یاد رہے کہ) بالضرور ہم اُس کے اجر کو ضائع نہیں کرتے جس نے اچھے عمل کئے۔

(۳۱) اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّیَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝ لوگ جو ہیں تو ان کے لئے ہمیشگی کے باغ ہیں۔ اُن (لوگوں) کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔ اُن (باغوں) میں وہ سنہری کنگنوں سے سجائے جاتے ہیں (راجے مہاراجے خوش ہو کر لوگوں کو چاندی اور سونے کے کنگن اور دیگر جواہرات بھی بطور انعام کے دیا کرتے ہیں۔ لوگ اُنھیں اپنی عزت کو دکھلانے کے لئے پہن کر آیا کرتے ہیں۔ جسطرح آجکل لوگ چاندی اور سونے کے تمغے لگا کر آیا کرتے ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تحقیر دکھلانے کے لئے کہا تھا کہ کیوں اسپر خدا تعالیٰ کی طرف سے سونے کے کنگن نہیں ڈالے گئے ۲۵/۱۱۔ علم اور نیکی والوں کو علم اور نیکی کے زیورات سے سجایا جاتا ہے۔ اُخروی زینتیں دنیا کے زیورات کی مانند نہیں ہوتیں جیسا کہ فرمایا ہے۔ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۔ اور وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۲۰/۱۹ اور وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۲۹/۹ ۔ اور فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۲۱/۱۵ وغیرہ ذٰلِكَ مِنَ الْاٰیٰتِ۔ آخرت کے قواعد الگ ہیں۔ دنیا کی آگ میں آدمی بہت جلد جلکر راکھ ہو جاتا ہے لیکن اُخروی آگ میں مدت دراز تک عذاب پاتا ہے۔ اُس آگ میں تھوہر کا درخت بھی اُگتا ہے۔ وہاں کے باغوں میں دودھ اور شہد وغیرہ کی نہریں بہتی ہیں۔ جنت کے لباسوں کا بھی یہی حال ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے) اور وہ باریک ریشم اور موٹے ریشم کے سبز کپڑے پہنتے ہیں (جو اُن کی کامیابی اور نرم کلامی پر دلالت کرتے ہیں) وہاں وہ تختوں پر تکیے لگانے والے ہیں۔ بہت اچھا

اجر ہے اور عمدہ جائے آرام ہے۔

رکوع پنجم (۳۲) وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ (سورت کے شروع سے توحید الٰہی کا ذکر چلا آرہا ہے۔ اصحاب کہف کے بیان کے بعد فرمایا ہے کہ اصحاب کہف کا سوائے خدا کے کوئی سرپرست نہ تھا۔ انسان خواہ کتنا ہی بزرگ کیوں نہ ہو جائے خدا تعالےٰ اپنے فیصلے میں اُسے کبھی شریک نہیں کیا کرتا۔ پھر فرمایا کہ خدا نے تجھے اپنی مرضی سے ہی قرآن دیا ہے تو بھی اپنے لئے اس خدا کے سوائے کوئی جائے پناہ نہیں پائیگا۔ آگے شرک و توحید کی آخری سزا و جزا بیان کی ہے۔ اس رکوع میں دکھلایا ہے کہ اس دنیا میں بھی شرک و توحید کا کچھ نہ کچھ نتیجہ نظر آجاتا ہے تاکہ وہ اُخروی سزا جزا کے لئے ثبوت کا کام دے۔ چنانچہ ارشاد ہے: اور تو اُن کے لئے دو مردوں کی مثال بیان کر۔ ہمنے اِن میں سے ایک کے لئے انگوروں کے دو باغ بنائے تھے (لوگ نعمتوں کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ مگر حقیقت کے لحاظ سے یہ تمام دنیوی انعام کافروں کو بھی خدا تعالےٰ کی مہربانی سے ہی ملتے ہیں۔ دنیا کے باغ لوگ خود آراستہ کرتے ہیں لیکن خدا تعالےٰ کے سبب ساز ہونے کی وجہ سے اُن کی نسبت خدا تعالےٰ کی طرف کرنی بھی بالکل صحیح ہے) اور دونوں باغوں کو ہمنے کھجوروں سے گھیرا ہوا تھا۔ اور ہمنے ان دونوں باغوں کے درمیان (اناج کی) کھیتی بنائی تھی (اس طرح ان دونوں باغوں کا درمیانی میدان بھی سبزہ زار بن رہا تھا)

(۳۳) كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ یہ دونوں باغ اپنا پھل دیتے رہتے تھے اور اس پھل کے مہیا کرنے) میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے۔ اور ہمنے اُن دونوں باغوں کے درمیان نہر جاری کی تھی۔

(۳۴) وَكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّأَعَزُّ نَفَرًا ۝ اور اُس شخص کو اُس باغ سے) بہت سے پھل (اور مالی منافع

بھی) ملتے تھے۔ سو اُس نے اپنے (مومن) ساتھی کو باتیں کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھ سے مال میں زیادہ اور جتھے کے لحاظ سے بڑا عزت والا ہوں (یعنی میرے پاس بڑا مال ہے اور بہت سے لوگ میرے خدمتگار اور رشتہ دار ہیں)

(۳۵) وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۙ اور وہ اپنے باغ میں اس حال میں داخل ہوا کہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنیوالا تھا اور (سمجھتا تھا کہ مجھے یہ باغ میرے افراد کئے ہوئے شریکوں نے دئے ہیں سو) کہنے لگا کہ میں گمان نہیں کرتا کہ یہ (نعمتیں) کبھی بھی ویران ہونگی۔

(۳۶) وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ اور میں گمان نہیں کرتا کہ پیشی کی گھڑی قائم ہے اور اگر میں اپنے رب کی طرف موڑا گیا تو (جسطرح مجھے یہاں آرام دیا گیا ہے وہاں بھی) میں اس سے بہتر جائے بازگشت پاؤنگا۔

(۳۷) قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝ اس کو اس کے (مومن) رفیق نے باتیں کرتے ہوئے کہا کیا تو نے اُس (خدا) کی بے قدری کی جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا (یعنی مٹی سے خوراکیں پیدا کیں اور اُن خوراکوں سے وہ نطفہ تیار کیا جس سے تو پیدا کیا گیا ہے) پھر اس نطفے سے تجھے درست کر کے مرد بنا دیا۔

(۳۸) لٰكِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ لیکن میں جو ہوں تو وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ (اُس کے خاصوں میں) کسی کو شریک نہیں کرتا۔

(اس آیت میں لکنا کے آخری الف کو نہیں پڑھا جائیگا جیسا کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ پڑھا جاتا ہے یہ لفظ لاکن انا سے مرکب ہے اور لاکن اِنّا سے مرکب نہیں جیسا کہ قرآن میں اور جگہ آیا ہے اور انا بمعنی "میں" میں پچھلا الف کبھی نہیں پڑھا جاتا)

(۳۹) وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے کیوں یہ نہیں کہا کہ جو اللہ چاہتا ہے (وہی ہوتا ہے) اللہ کی مدد کے سوائے (کسی کو) کوئی قوت نہیں (ملتی) اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں تجھ سے مال اور اولاد میں کم ہوں۔

(۴۰) فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ تو قریب ہے کہ میرا رب تیرے باغ سے مجھے بہتر دے اور اس تیرے باغ پر کوئی عذاب (جس کا اندازہ خدا تعالیٰ نے تیری سزا کے لئے لگایا ہو) آسمان سے بھیجدے سو کیچڑ والا میدان بن جاوے (اور زیادہ بارش اُسے خراب کردے)

(۴۱) اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝ یا اُس کا پانی (زمین کے نیچے جاکر) خشک ہو جائے سو تجھ کو اُس کے طلب کرنے کی طاقت نہ رہے۔

(۴۲) وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ (الغرض اُس کے باغوں پر عذاب نازل ہوا) اور اُس کے منافع (عذاب کے) پھیر میں آگئے۔ پھر وہ اُس مال پر جو اُس نے اُس پر خرچ کیا تھا (افسوس کے ساتھ) ہتھیلیاں اُلٹانے (اور ہاتھ ملنے لگا) اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر (گل سڑ کر) گر پڑا تھا اور وہ کہہ رہا تھا۔ اے کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔

(۴۳) وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ اور اُس کے لئے کوئی ایسی جماعت موجود نہ ہوئی جو اللہ کے مقابلے پر اُس

کی مدد کرتی اور نہ وہ خود ہی بدلہ لینے والا ہوا۔

(۴۴) هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝ یہیں سے (ثابت ہوتا) ہے کہ بندوں کی سرپرستی خدا کے لئے ہی زیبا ہے وہ (خدا) اجر دینے میں بہتر اور نتیجہ نکالنے میں اچھا ہے۔

رکوع ششم (۴۵) وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ (دنیا کی زندگی بلاشبہ فنا ہونیوالی ہے۔ اس آیت میں اُس کے فنا ہونے کی مثال دیگئی ہے۔ انسان لہو ولعب میں جو وقت گذارتا ہے اس کا کوئی قابل قدر نتیجہ نہیں نکلتا لیکن جو وقت علم کے حاصل کرنے میں گذارتا ہے اس سے بڑے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اس سے روح کو زینت ملتی ہے۔ دنیا کی زندگی کیا ہے۔ وہ مال و دولت کی کثرت چاہنا اور عورتوں سے خواہش نفسانی کا پورا کرنا اور اولاد کی کثرت پر پھولنا ہے۔ یہ دنیا کی زندگی کے سامان ہیں۔ آج ہیں اور کل نہیں رہتے۔ اس کے مقابلے میں آخرت کی زندگی کیا ہے۔ آخرت کی زندگی خوف خدا کو سامنے رکھنا اور اسی خدا کی اُمید پر دوسروں کے ساتھ بلاعوض و معاوضہ احسان کرنا اور اُسی کے خوف سے تنہائی میں بدی کے موقعوں سے رُکنا۔ خدا کی رضا کے لئے بیویوں سے محض شہوت رانی کا خیال نہ رکھنا بلکہ مخلصانہ محبت پیدا کرنا۔ اولاد کو خدا کی رضامندی کے کاموں میں لگانا اور اُنھیں سچی قربانی بنانا ہے۔ یہی باقیات الصالحات ہیں۔

اس زندگی کی مثال ایسی ہے کہ آسمان سے پانی برسایا جاتا ہے۔ اس بارش کے ساتھ آسمان سے زندگی کے جرمز اُترتے ہیں۔ جو اصل انسان بنتے ہیں۔ یہ بارش کے ساتھ آئے ہوئے جرمز زمینی روئیدگی سے مل جاتے ہیں اور اس سے خوراک کا کام لیتے ہیں۔ پھر کثیف اجسام پھل پھول کر خشک ہوجاتے ہیں۔ جب وہ ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں تو ہوائیں اُنھیں بحکم الٰہی مناسب طور پر تقسیم کردیتی ہیں اور ظاہری ساز و سامان ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن اصل انسان جو ترقی کرنے والا ہے وہ باقیات الصالحات والے کام کرتا ہے اور ہمیشہ کے لئے سچا ارتقا پاتا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے)

اور تو اُن کے لئے دنیا کی زندگی کی مثال اس پانی کی مانند بیان کر جسے ہم نے

آسمان سے اُتارا (اُس میں آسمانی جرمز شامل ہوتے ہیں) پھر اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل جاتی ہے۔ پھر وہ چُورا چُورا ہو جاتا ہے جسے ہوائیں (بحکم الٰہی) اُڑا لے جاتی ہیں اور (ایسی حکمتوں کے مطابق) اللہ تعالےٰ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

(۴۶) اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں (لیکن ان سے رضا الٰہی چاہنے کے لئے جو کام لیا جاتا ہے وہ ہمیشہ رہنے والی نیکیاں ہیں۔ چنانچہ فرمایا) اور قائم رہنے والی نیکیاں (جن میں اصل انسان یعنی نفس ناطقہ کو ترقی کرنی چاہیئے وہ) تیرے رب کے نزدیک اجر میں خیر ہیں اور تمنا کے لحاظ سے بہت خوب ہیں (لیکن دنیاوی تمناؤں میں پھنسنا ٹھیک نہیں ۱۴)

(۴۷) وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ (یہ خوبیاں دنیا میں تو کام دیتی ہیں۔ لیکن جب زلزلے کے اوقات میں پہاڑ بھی اُڑ جاتے ہیں اور زمین پہاڑوں سے خالی ہو جاتی ہے تو یہ دنیوی نعمتیں کیسے قائم رہ سکتی ہیں اُس وقت نیکی و بدی ہی ساتھ جاتی ہے اور اُنھیں کا ثمرہ ملتا ہے جیسا کہ فرمایا) اور جس دن ہم (زلزلوں کے اوقات میں) پہاڑوں کو اُڑا دیتے ہیں اور تو زمین کو کھلی پڑی دیکھتا ہے (یعنی اگر تو بچشم بصیرت دیکھے تو تجھے دکھلائی دے کہ زمین اپنی بُری کے بعد خالی پڑی ہے) اور ہمنے (اس حالت کے پیدا ہونے سے پہلے ہی) اُن کا حشر کر لیا ہوتا ہے اور ہمنے (وہاں کے لوگوں میں سے جن کا اُٹھا لینا مقصود ہوتا ہے) کسی کو نہیں چھوڑا ہوتا۔

(۴۸) وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝ اور وہ لوگ (جو زلزلے سے ہلاک کئے گئے تھے) اپنے رب کے آگے صف بستہ پیش ہوئے (تو ہمنے اُنھیں کہا) تم ہمارے پاس اسطرح سے آئے ہو جسطرح ہمنے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔ (دنیا میں لوگ الگ الگ پیدا ہوتے ہیں لیکن اکٹھے ہو کر جماعتیں بن جاتے ہیں۔ اسی طرح زلزلے سے ہلاک ہونیوالے بھی اکیلے اکیلے

ہی مرتے ہیں۔ ہر شخص قیامت کے دن اکیلا ہی آتا ہے ۔ پھر عذاب و ثواب کے وقت صفیں بن جاتی ہیں۔ آدمی خواہ الگ الگ مریں یا اکٹھے ہی فوت ہوں۔ مر کر ہی خدا تعالےٰ کے حضور میں پہنچتے ہیں۔ اور مرنے کے ساتھ ہی وہ پیش ہو جاتے ہیں۔ آگے فرمایا) نہیں نہیں بلکہ تم نے گمان کیا کہ ہم تمہارے لئے کوئی وعدے کا وقت نہیں بناتے (جس میں تم سے باز پرس کی جائے)

(۴۹) وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ اور عمل نامہ پیش کیا گیا۔ سو تو دیکھتا ہے کہ مجرم اس سے ڈرتے ہیں جو اس (عمل نامے) میں ہے اور کہتے ہیں اے افسوس اس عمل نامے کے لئے کیا ہے جو یہ کسی چھوٹی یا بڑی بات کو نہیں چھوڑتا۔ بلکہ اُسے گھیرے ہوئے ہے (صحیفۂ فطرت میں ہمارے کام محفوظ رہتے ہیں اور دل پر بھی سب کاموں کے اثر ڈالے جاتے ہیں) اور جو کچھ لوگوں نے کیا اُسے سامنے پا لیا۔ اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

رکوع ہفتم (۵۰) وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ (خدا تعالےٰ کسی کے ساتھ ہرگز ظلم نہیں کرتا لیکن تم خدا کو چھوڑ کر شیطان کے پیچھے چلتے ہو۔ اور اُس کی دوستی سے فاسق بنتے ہو لوگ شروع سے ہی ایسا کرتے آئے ہیں۔ انسان خدا تعالےٰ کی وہ قدر نہیں کرتا جیسی کہ کرنی چاہیے۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے تمام ملائکہ کو انسان کے تابع کر دیا ہے۔ لیکن افسوس ہے انسان اپنے شرف کو بھی قائم نہیں رکھ سکتا چنانچہ ارشاد ہے) اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے ابلیس کے سوائے سجدہ کیا۔ وہ (ابلیس) ظلمت پھیلانیوالوں سے تھا اسلئے وہ خدا کے حکم سے نکل گیا۔ کیا تم فسق اختیار نہیں کر رہے، پھر اُس کو

اور اس کی اولاد (یعنی تابعداروں) کو میرے سوائے سرپرست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت برا تبادلہ ہے (کہ انھوں نے عادل اور رحیم خدا کو چھوڑ دیا اور شیطان کے پیرو ہو گئے)

(۵۱) مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝ میں نے اُن کو آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر گواہ نہیں بنایا تھا۔ (اس لئے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے بعد پیدا کئے گئے) اور نہ اُن کو انکی اپنی پیدائش پر ہی گواہ بنایا تھا۔ کیونکہ انھوں نے اپنے آپ کو پیدا ہوتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ تو اس صورت میں وہ شیاطین خدا کے ساتھ کیسے سرپرست بن گئے) اور میں (خدا) گمراہ کرنیوالوں کو بازو (یعنی مددگار) نہیں بناتا (نیک لوگ تو شرک سے بالکل بیزار ہیں۔ وہ ڈرتے ہیں کہ شرک کرنے سے ہمارے عمل ضائع ہو جائیں گے اور ہم گھاٹے والے بن جائیں گے ۲۴/۴ و ۷/۱۶ وغیرہ۔ جب نیک لوگوں کا یہ حال ہے تو کیا خدا تعالےٰ گمراہ کرنیوالوں کو ہی اپنے ساتھ اولیاء اور بازو بنائیگا؟

شیطان اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں تاکہ وہ توحیدوالوں سے جھگڑا کریں۔ اور اگر تم اُن کی اطاعت کرو گے تو بلاشبہ تم بھی مشرک ہو ۔ شیطان کی اطاعت سے دنیا مشرک بن گئی ہے۔ ایسی اطاعت شیطان کی پوجا ہے۔ اللہ تعالےٰ سورہ یٰسٓ میں فرماتا ہے۔ اے بنی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا کہ تم شیطان کی پوجا نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور یہ کہ میری پوجا کرنا۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو کہا تھا کہ تو شیطان کی پوجا نہ کر ۱۶/۹۔ الحاصل تمام مشرک شیطان کے پجاری ہیں اور مجوس اور ڈاکو تو صاف اقرار کرتے ہیں کہ ہم شیطان کی پوجا کرنے والے ہیں)

(۵۲) وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ (نیک لوگ اپنی حد سے بڑھکر دعوے نہیں کرتے۔ جب اللہ تعالےٰ نے دوسرے عالم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا تو نے کہا تھا کہ مجھکو اور میری ماں کو خدا کے سوائے دو معبود بناؤ تو انھوں نے عرض کیا کہ تو پاک ہے۔ میرے لئے لائق نہیں کہ میں وہ بات کہوں جسکا مجھے حق نہیں ہے ۔ شیاطین نیکوں پر الزام لگاتے ہیں، اور

اُن کے متعلق جھوٹے قصّے بیان کرتے ہیں ۔ یہ لوگ اپنی پوجا کرتے ہیں اور جزا کے دن جب مدد کا وقت ہوتا ہے گم ہو جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) اور جس دن (خدا) کہتا ہے کہ میرے اُن شریکوں کو بلاؤ جن کو تم نے گمان کر لیا تھا پس اُنھوں نے (جو پہلے گذر چکے ہیں) اُن کو بُلایا ۔ سو اُنھوں نے اُن کی ایک نہ مانی اور ہمنے اُن کے درمیان ہلاکت ڈالدی (اور اُن کے تعلقات کو قطع کر دیا)

(۵۳) وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝

اور اُن مجرموں نے آگ کو دیکھا سو اُنھوں نے سمجھا کہ ہم اس میں پڑنیوالے ہیں ۔ (وہ پھر اُسی میں دھکیلے گئے) اور اُنھوں نے اُس سے لوٹنے کی کوئی راہ نہ پائی ۔

رکوع ہشتم (۵۴) وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ (جب قرآن مجید جہنم کے بیان کو کئی طرح سے لاتا ہے تو کیا ممکن ہے کہ اُس میں اعلیٰ ضرورت کی باتیں ہی نہ آئیں اسلئے فرمایا) اور بلاشبہ ہم اس قرآن میں ہر ایک بیان کو طرح طرح سے لائے ہیں (باوجود قرآن مبین کی اس تکمیل کے لوگ فضول جھگڑوں میں پڑتے ہیں) اور انسان جھگڑا کرنے میں سب سے بڑھا ہوا ہے (لوگ چاہتے ہیں کہ اُن باتوں کو جن کو خدا تعالےٰ نے انسانی عقل پر چھوڑا ہوا ہے خواہ مخواہ قرآن سے ہی نکالا جائے انسان کو عقل ملی ہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ عقل و شعور سے بھی کام لے ۔ انسان کو حیوانوں کی طرح غلام بنانا درست نہیں ۔ ڈنگروں کو زنجیروں سے باندھکر بھی روکا جا سکتا ہے ۔ لیکن صاحب اختیار انسان کو خدا ہی سنوار سکتا ہے)

(۵۵) وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ اور اِن لوگوں نے جب اِن کے پاس ہدایت (یعنی تعلیم قرآن) آئی تو کسی چیز نے اُن کو (اس) ایمان لانے اور اپنے رب سے بخشش مانگنے سے نہیں روک رکھا مگر یہ کہ اُن کے ساتھ پہلے لوگوں کا سا معاملہ کیا جائے یا اُن کے پاس (فی الفور) عذاب سامنے لایا جائے

(سچی اور واقعی تعلیم کو بلا توقف مان لینا چاہیئے۔ دیر لگانے سے خوف ہوتا ہے کہ کہیں لوگوں کو وہی حالتیں پیش نہ آئیں جو پہلے لوگوں پر آئی تھیں یا فی الفور عذاب سے ہی ہلاک کئے جائیں)

(۵۶) وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ؀

اور ہم تو رسولوں کو صرف اسلئے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ خوشخبری دیں اور ڈرائیں اور کافر لوگ باطل کو لیکر جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس (باطل) کے ساتھ حق کو ڈگمگا دیں۔ اور انھوں نے میری آیتوں کو اور اس (عذاب) کو جس سے وہ ڈرائے گئے ٹھٹھا سمجھا

(۵۷) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ؀ اور اس سے بڑھکر ظالم کون ہے جس کو اس کے رب کی آیات کے ساتھ نصیحت دیجائے۔ پھر وہ اس سے منہ موڑے اور اپنے ان اعمال کو بھول جائے جو اس نے (آخرت کیلئے) آگے بھیجے ہیں۔ ہم نے ان کے دلوں پر (ان کی ناقدردانی کی وجہ سے) پردے ڈال دئے ہیں تاکہ وہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے (پس وہ حق کو سن بھی نہیں سکتے) اور اگر تم انھیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ (اپنی ضد کے سبب) کبھی ہدایت نہیں پائیں گے (دنیادار لوگ امیروں کی باتوں پر کان دھرتے ہیں۔ پھٹے پرانے کپڑے والوں کی باتوں سے انھیں نفرت ہوتی ہے کیونکہ وہ حق سے لاپرواہ ہیں۔ اور ظاہرداری پر مرتے ہیں اسلئے وہ قبول حق سے محروم رہ جاتے ہیں)

(۵۸) وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ؀ (اللہ تعالےٰ اصلاح کے لئے مہلت دیتا رہتا ہے) اور تیرا رب بخشنے والا رحمت والا ہے اگر انھیں

اُن کی کرتوتوں کے سبب سے پکڑے تو اُن کو جلدی عذاب دیدیوے۔ نہیں۔ نہیں بلکہ اُن کے لئے وعدے کا ایک وقت ہے اس سے (بھاگ کر) وہ کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔

(۵۹) وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝

اور یہ جو بستیاں تھیں (جن کے متعلق اوپر فرمایا گیا ہے کہ وہ دار آخرت میں پہنچ گئیں) جب اُنھوں نے ظلم کیا تو ہمنے اُنھیں ہلاک کر دیا تھا اور ان کی ہلاکت کے لئے بھی ایک وعدے کا وقت بنا دیا ہے (بشرطیکہ یہ بھی اپنے ظلم پر قائم رہیں)

رکوع نہم (۶۰) وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝ (قرآن کو اللہ تعالےٰ نے خوب طرح سے واضح کر دیا ہے۔ اس میں رنگا رنگ طرز بیان اختیار کئے گئے ہیں۔ ایک ہی بیان کو طرح طرح سے لایا گیا ہے۔

بڑے سے بڑا انسان بھی اُن باتوں پر صبر نہیں کر سکتا جن کی اُس کو سمجھ نہ آئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی باتوں پر جن کی اُنھیں سمجھ نہیں آئی تھی باوجود وعدے کے صبر نہیں کیا۔ واعظوں کے لئے یہ ایک نصیحت ہے کہ وہ لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کریں اور بغیر سمجھانے کے کسی کو کافر و فاسق نہ بنائیں۔ موسیٰ و خضر علیہما السلام کا بیان اسی بات کی تعلیم کے لئے لایا گیا ہے۔ اس قصے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے بزرگ بھی قابل تعلیم تھے چنانچہ ارشاد ہے) اور جب موسیٰ نے اپنے نوجوان کو کہا کہ میں نہیں ٹلونگا جب تک میں دو سمندروں کے ملنے کی جگہ تک نہ پہنچوں یا مدتوں تک نہ چلا جاؤں۔

(موسیٰ علیہ السلام کا یہ سفر حدیث کے مطابق اُسی وقت واقع ہوا تھا جبکہ وہ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکالکر لے گئے تھے اور فرعون غرق ہو چکا تھا۔ اُسوقت بنی اسرائیل کی نگرانی بڑی ضروری تھی۔ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چند روز کے لئے پہاڑ پر گئے۔ بنی اسرائیل پہاڑ کے نیچے موجود تھے۔ باوجود حضرت ہارون علیہ السلام کی خلافت کے سامری نے اُنھیں گمراہ کر دیا اور مصریوں کی طرح ان سے بچھڑے کی مورت کی پوجا کرائی۔ ایسے تجربے کے بعد ممکن نہیں تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اُنھیں چھوڑ کر کہیں چلے جائیں۔ پس یہ واقعہ اُسوقت کا ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون

سے بھاگ کر مدین کو چلے گئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ جب اُن کے ہاتھ سے قبطی کا خون غلطی سے ہو گیا تھا تو فرعونی جماعت موسیٰؑ کے قتل کا فیصلہ کرنے کے لئے بیٹھی۔ وہاں موسیٰ علیہ السلام کا ایک وفادار خادم بھی تھا۔ اُس نے آکر موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ اس مُلک سے بھاگ جائیے کیونکہ فرعونی جماعت آپ کے قتل کرنے کی تجویز کر رہی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے یہ قتل محض خطأً ہوا تھا۔ اگر وہ کمیٹی موسیٰ علیہ السلام کو قتلِ خطا کی سزا دیتی تو وہ بخوشی منظور کر لیتے مگر اُن ظالموں کا ارادہ تھا کہ موسیٰؑ کو قتل ہی کر ڈالیں اسلئے اُن کو بھاگنا پڑا۔ خادم چاہتا تھا کہ اُنھیں کہیں امن کی جگہ پہنچا آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کو کہا کہ میں دم نہیں لونگا جب تک مجمع البحرین تک نہ پہنچوں۔ کیونکہ وہ مقام فرعون کی حکومت سے باہر تھا۔ اور یہ بھی کہا کہ یا میں آگے مدتوں چلا جاؤنگا جب تک مجھے امن کی جگہ نہ ملے۔

حدیث کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خود خدا نے خضر علیہ السلام کی طرف بھیجا تھا لیکن قرآن بتلاتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام مجمع البحرین سے آگے نکل گئے اور خوراک کی ضرورت اُنھیں مجمع البحرین کی طرف واپس لائی تو اُنھیں خدا کے بندوں میں سے ایک عالم بندہ الٰہی تصرف سے مل گیا۔

حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام مچھلی کو اپنی جائے سکونت سے ہی لے گئے تھے وہ مچھلی اس بات کا نشان تھی کہ جہاں وہ گم ہو جائیگی وہیں وہ بندہ ملیگا۔ قرآن کہتا ہے کہ وہ مچھلی کھانے کے لئے تھی اسلئے وہ نشان کا کام نہیں دے سکتی تھی۔

حاصل یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ تھا کہ مجمع البحرین تک تو ضرور پہنچیں اور جائے امن کی تلاش میں آگے بھی سفر کریں۔ جب حضرت موسیٰ اور اُن کا خادم مجمع البحرین تک پہنچے تو وہاں اُنھوں نے کھانا تیار کرنے کے لئے ایک مچھلی پکڑی اور اپنے خادم کو کہا کہ اسے ہمارے کھانے کے لئے تیار کرنا اور خود پتھر پر آرام کے لئے لیٹ گئے۔ خادم نے مچھلی کو بیجان سمجھکر لاپروائی کی اور خیال کیا کہ میں اسے صبح کے قریب تیار کرلونگا لیکن وہ مچھلی رات کی نمی پاکر پانی کو چیرتی ہوئی سمندر میں گم ہو گئی حضرت موسیٰ علیہ السلام اُسوقت سوئے ہوئے تھے صبح کے وقت خادم کو اُنھیں یاد دلانے کا خیال نہ رہا اور آگے نکل گئے۔

جب ریگستان میں چلنے سے تھک گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھوک اور تھکاوٹ

رفع کرنے کے لئے کھانا مانگا تو خادم نے کہا کہ مچھلی کے سمندر میں چلے جانے کا آپ کے آگے ذکر کرنا مجھے یاد نہیں رہا۔ یہ غفلت شیطان نے مجھ سے کرادی ہے۔ اب ہمیں واپس جانا پڑیگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہمیں مجمع البحرین تک ہی پہنچنا ضروری تھا۔ یہاں ہم فرعون کی گرفت سے نکل آئے ہیں پس وہ دونوں اپنے قدموں کا سراغ لیتے ہوئے مجمع البحرین کی طرف واپس آئے تاکہ وہاں سے خوراک حاصل کریں۔ اُنھوں نے وہاں تصرف الٰہی سے ایک ایسے بندے کو پایا جسکو خدا نے اپنے حضور سے علم دیا تھا۔ وہ علاقہ اس کی حکومت میں تھا۔ اگرچہ اس بندے کو موسیٰ اور اُن کے خادم دونوں نے پایا۔ خادم اُنھیں اس بندے کے سپرد کرکے آپ واپس چلا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ اُنھوں نے اس بندے کو کہا کہ کیا میں آپکی پیروی کروں اور آپ کے ساتھ چلوں اس شرط پر کہ آپ مجھے وہ ہدایت سکھائیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے۔ اس بندے نے جواب دیا کہ تو میرے ساتھ صبر نہیں کرسکیگا اور ظاہر ہے کہ تو ایسی بات پر صبر کیسے کرسکتا ہے جس کی تجھے فی الفور سمجھ نہ آئے۔ وہ بندہ موسیٰ علیہ السلام کو ایسے صبر کی تعلیم دینا چاہتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کیا کہ میں مناسب وقت تک صبر کرونگا۔ اُس بندے نے کہا کہ میں اپنے کاموں کی حقیقت آخر کار آپ پر ظاہر کر دیا کرونگا۔ لیکن جب تک میں خود بیان نہ کروں آپ نے مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا۔ یہ وعدہ کرکے حضرت موسیٰ اور وہ بندہ آگے چل پڑے۔ اس بندے نے تین کام کئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر بار اسپر اعتراض کرتے رہے۔ جب وہ موسےٰ علیہ السلام کو یہ بات سکھا چکا کہ تیرے جیسا شخص بھی اُس بات پر صبر نہیں کرسکتا جس کی حقیقت اُسے معلوم نہ ہو تو دیگر سامعین سے اس بات کی توقع رکھنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ لوگوں کو پہلے حقیقت حال سے خبردار کرو اور فتوےٰ لگانے میں جلدی مت کرو۔ جب بندوں کے کاموں کی حکمتیں بغیر سمجھانے کے سمجھ میں نہیں آتیں تو خدا کی حکمتوں کو سمجھنے کے لئے انتظار کی بڑی ضرورت ہے۔

مجمع البحرین وہ جگہ ہے جہاں اب نہر سویز موجود ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں یہ خاکنائے تھی۔ اس کے جنوب کی طرف بحر قلزم اور شمال کی طرف بحر روم واقع تھا۔ اس خاکنائے میں بہت سی جھیلیں تھیں۔ ان جھیلوں کو ملا کر اور پہاڑی راستے کو کاٹ کر جہازوں کی آمد و رفت کے لئے اب راستہ بنایا گیا ہے۔ ان میں سے بڑی جھیل کا نام منسل تھا۔ دریائے نیل کی ایک شاخ جو اب خشک ہوگئی ہے اس جھیل میں گرتی تھی۔ جھیل منسل اور بحر روم کے درمیان ایک

وسیع پہاڑی راستہ تھا جو بالعموم خشک پڑا رہتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی راستہ کے ذریعہ سے مدین میں پہنچے تھے اور بحکم الٰہی اسی راستے کے ذریعے سے فرعون کے پاس دوبارہ تشریف لائے تھے۔ مدّ کے اوقات میں جبکہ شمال کی طرف سے تیز ہوائیں بھی چلتی تھیں بحر روم کا پانی اس پہاڑی راستے پر پھیل کر جھیل منسل کے ساتھ مل جاتا تھا اسی لئے اس راستے کو مجمع البحرین کہتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو رات کے وقت لیکر چل کھڑے ہوئے جب وہ تیسرے چوتھے دن وہاں پہنچے تو وہ راستہ پانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ فرعون کو جب خبر ہوئی کہ بنی اسرائیل رات کو بھاگ گئے ہیں تو اُس نے اپنے نقیب بھیجکر دوسرے علاقوں سے فوج منگائی اور ساز و سامان کے ساتھ ڈبل مارچ کرتا ہوا اُن کے پیچھے چلا اور اُنھیں دیکھا کہ وہ مجمع البحرین تک پہنچے ہوئے ہیں۔ بنی اسرائیل نے جب دیکھا کہ آگے پانی ہے اور پیچھے فرعون تو گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ ہم پکڑے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالےٰ پر پورا بھروسہ تھا۔ آپ فرمانے لگے کہ ہرگز نہیں میرا رب ابھی میری رہنمائی کریگا۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ اپنا سوٹا مار کر اس پہاڑی خشک راستے کا پتہ لگاؤ۔ بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں کی جماعتیں جو پہاڑ کی مانند تھیں اسی راستے پر سمندر کو چیرتی ہوئیں پار چلی گئیں۔ سمندر کو بنی اسرائیل ہی چیرتے جاتے تھے جیسا کہ اذ فرقنا بکم البحر پ سے ظاہر ہے فانفلق ۱۹/۸ سے بھی یہی مفہوم نکلتا ہے کہ سمندر بنی اسرائیل کے چلنے سے پھٹ گیا۔ اسوقت خشک راستہ دکھلائی نہیں دیتا تھا۔ اسی لئے فرمایا کہ ہمنے بنی اسرائیل کو سمندر میں چلا کر پار کر دیا۔ سمندر اُس وقت تھما ہوا تھا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تو سمندر کو تھما ہوا چھوڑ جا۔ کیونکہ اس میں ہواؤں کے سبب زیادہ سیلاب آنیوالا ہے اور فرمایا کہ ان فرعونیوں نے یہاں غرق ہونا ہے ۲۵/۱۴۔ بنی اسرائیل کے گذرتے وقت اس راستے کے بعض نشان اور ریگ کے تودے کھلے تھے لیکن فرعون کے داخلے کے وقت پانی کا زیادہ زور تھا۔ فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ ڈالدیا اور جھیل منسل کی لہروں میں غرق ہوگئے۔ ہمارے مفسران باتوں کو معجزہ کہکر پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔ معجزہ کہکر کسی بات کی تحقیقات کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ معجزے بنی اسرائیل بھی مانتے تھے۔ قرآن مجید نے اُن کی تحقیقات کرکے دکھلایا ہے کہ فی الواقع یہ قرآن خدا کی طرف سے ہے)

(۶۱) فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا

پھر جب وہ دونوں اس جگہ پہنچے جہاں وہ دونوں سمندر اکٹھے ہوا کرتے تھے

وہ اپنی مچھلی کو (جو انھوں نے کھانے کے لیے پکڑی تھی) بھول گئے سو اُس (مچھلی) نے سمندر کو چیرتے ہوئے اپنی راہ لی۔

(۶۲) فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا

پھر جب وہ دونوں (اس راہ سے) گذر گئے (اور آگے ریگستان میں چلنے لگے) تو (موسیٰ علیہ السلام نے تھک کر) اپنے نوجوان کو کہا ہمارا چاشت کا کھانا لاؤ۔ ہم کو اس سفر سے بڑی تکان پہنچی ہے۔

(۶۳) قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۝ اس (خادم) نے کہا کیا آپ نے دیکھا۔ جب ہم اس پتھر کے پاس پناہ گزین ہوئے تو میں مچھلی کو بھول گیا (اور اُسکا خیال نہیں کیا) اور مجھے شیطان نے اس بات کو (آپ کے آگے) بیان کرنے سے بھلا دیا (اگر میں یاد دلا دیتا تو اتنی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔ خوراک کی تلاش کے لئے وہ مجمع البحرین پر واپس آئے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خوراک وہاں سے ضرور حاصل ہو سکتی تھی) اور (باوجود اسکو پکڑنے کی کوشش کرنے کے) اُس نے اپنا راستہ سمندر میں عجب طرح سے لیا (اور کسی طرح میرے قابو میں نہ آسکی بلکہ پکڑتے پکڑتے ہاتھ سے نکل گئی۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ بیجان ہے لیکن وہ زندہ نکلی اور عجیب طرح سے تازگی و قوت پا کر سمندر میں بھاگ گئی)

(۶۴) قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۚ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ اُس نے (یعنی موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ یہی تو ہم چاہتے تھے (کہ مجمع البحرین تک پہنچ جائیں اور فرعون کی گرفت سے نکل جائیں سو وہ تو ہم کو حاصل ہو چکا ہے) سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں کا سُراغ لگاتے ہوئے واپس ہوئے۔

(۶۵) فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ سو اُن دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو (تصرف

الٰہی سے پالیا۔ ہم نے اُسے اپنے پاس سے رحمت دی تھی اور اپنے حضور سے علم سکھایا تھا
(حکمت خیر کثیر ہے۔ لقمان کو بھی حکمت دی گئی تھی۔ اور جس کو حکمت ملی اُس کو بڑی خوبی ملی ۔ یہ شخص
بھی حکمت کے مطابق ہی کام کرتا تھا۔ اس لئے اُس کو خیر کثیر یعنی رحمت اور علم دیا گیا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام اور اُن کا خادم اس کا ارادہ کرکے نہیں گئے تھے ورنہ فوجدا العبد لایا جاتا۔ یعنی
اُنھوں نے اُس بندے کو جس کی طرف اُنھیں بھیجا گیا تھا پالیا۔ حالانکہ خادم کو اس بندے کے ساتھ کوئی
غرض نہ تھی اور اس لئے آگے اس کا ذکر بھی نہیں آتا۔

خدا تعالےٰ نے اپنے تصرف سے اس واپسی کو مفید بنا دیا اور موسیٰ علیہ السلام کی ایک بندے کے
ساتھ ملاقات ہوگئی)

(۶۶) قَالَ لَهُ مُوسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝

موسیٰ نے اُس کو کہا کیا میں تیری پیروی کروں اس شرط پر کہ تو مجھے وہ کچھ سکھائے
جو تجھے ہدایت سے سکھایا گیا ہے۔

(۶۷) قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ اُس نے کہا کہ تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیگا۔

(۶۸) وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝ اور تو کس طرح اس پر صبر کرے
جس کی تجھے خبر (اور سمجھ) ہی
نہیں۔

(۶۹) قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝ (موسیٰ علیہ السلام نے)
کہا اگر اللہ نے چاہا تو تُو مجھے صبر والا پائیگا اور میں کسی بات میں تیری نافرمانی نہیں
کرونگا۔

(۷۰) قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ
ذِكْرًا ۝ اس (بندے) نے کہا کہ پھر اگر تو میری تابعداری کرتا ہے تو مجھ سے کسی بات
کی بابت مت پوچھنا جب تک کہ میں تیرے ساتھ اُسکا ذکر نہ کروں۔

رکوع دہم (۷۱) فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا اِمْرًا ۝ پس وہ دونوں چل پڑے یہانتک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو اُس بندے نے اُسے توڑ ڈالا (موسیٰ نے) کہا کیا تو نے اسے توڑ ڈالا تاکہ تو اُس کے سواروں کو غرق کر دے۔ تو نے ایک حیرت انگیز (اور خطرناک) کام کیا (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کیا تھا کہ میں کسی کام میں تیری نافرمانی نہیں کرونگا۔ اگر وہ اپنی بات پر قائم رہتے تو اچھا تھا۔ لیکن نبیوں پر سوال کرنے سے کوئی شخص کافر نہیں ہو جاتا۔ نبیوں کی اطاعت کی حقیقت اس سے کھل جاتی ہے)

(۷۲) قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۝ اس (بندے) نے کہا کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیگا۔ (پس جو کچھ میں نے کہا وہ ثابت شدہ بات ہے انسان اس بات پر صبر نہیں کر سکتا جو اُس کی سمجھ میں نہ آئے)

(۷۳) قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِىْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا ۝

موسیٰ نے کہا تو مجھے اس بات پر مواخذہ نہ کر جسے میں بھول گیا اور میرے کام سے مجھ پر تنگی نہ ڈال۔

(۷۴) فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا نُّكْرًا ۝ پھر وہ دونوں چل پڑے۔ یہانتک وہ ایک نوجوان لڑکے سے ملے سو اُس (بندے) نے اُس کو قتل کر ڈالا۔ موسیٰ نے کہا کیا تو نے ایک بیقصور شخص کو کسی نفس کو مارنے کے بغیر ہی قتل کر ڈالا ہے۔ تو نے یہ ایک انوکھا کام کیا ہے (اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ نوجوان کسی کو قتل کرتا تو قتل کئے جانے کے لائق بنتا۔ بچہ کسی کو قتل کر کے واجب القتل نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ نوجوان تھا۔ بچہ نہیں تھا)

(۷۵) قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ اس (بندے) نے کہا کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیگا۔

(۷۶) قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ موسیٰ نے کہا اگر میں اس کے بعد تجھ سے کسی بات کا سوال کروں تو تو میری ہمراہی چھوڑ دینا۔ تو میری طرف سے عذر کی حد کو پہنچ چکا ہے (اب میری طرف سے کسی عذر کی گنجائش باقی نہیں رہیگی)

(۷۷) فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ۨ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ پس وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب ایک بستی کے رہنے والوں پر آئے۔ اُس کے رہنے والوں سے کھانا مانگا۔ سو اُنھوں نے اُن کی ضیافت کرنے سے انکار کیا۔ پھر اُنھوں نے اس (بستی) میں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی۔ پس اُس (بندے) نے اسے ٹھیک بنا دیا (موسیٰ نے) کہا اگر تو چاہتا تو اس پر مزدوری لے لیتا (تاکہ مجھے بھی کھانا مل جاتا)

(۷۸) قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ اس (بندے) نے کہا اب تیرے میرے درمیان جدائی ہے۔ ابھی میں تجھے اس کی حقیقت بتاتا ہوں جس پر تو صبر نہیں کر سکا۔

(اس بندے نے موسیٰ علیہ السلام کو ہر دفعہ یہی سکھایا کہ انسان کو جس بات کی خبر نہیں ہوتی اس پر اسکا صبر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ پس واعظین کو چاہیئے کہ اپنی طرف سے لوگوں کو سمجھانے کی پوری کوشش کریں پھر جو نہ مانے تو اس کا اختیار ہے)

(۷۹) اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ۝ (اب وہ بندہ ان باتوں کی حقیقت کھولتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ تقلیدی طور پر میری بات کو مان لیا جائے۔ خضرؑ جیسوں کی تقلید بھی درست نہیں جیسا کہ ارشاد ہے)

لیکن وہ جو کشتی تھی وہ مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے (مسکین محنت کیا کرتا ہے لیکن اپنے گذارے کو بخوبی نہیں چلا سکتا اور فقیر کے پاس بیماری اور کام نہ ملنے کی وجہ سے کچھ نہیں ہوتا۔ پھر وہ کہتا ہے) سو میں نے ارادہ کیا کہ اس (کشتی) کو عیب دار بنا دوں اور اُن کے آگے ایک بادشاہ ہے وہ ہر ایک (سالم) کشتی کو غصب کر کے لے لیتا ہے۔ (کشتی والوں نے اس بندے پر کوئی اعتراض نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے اعتبارات کو جانتے تھے۔ اُنھوں نے موسیٰ و خضر علیہما السلام سے مزدوری بھی نہیں مانگی۔)

(۸۰) وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۝ ولیکن جو نوجوان لڑکا تھا تو اُس کے ماں باپ مومن چلے آتے ہیں۔ پس ہم ڈرے کہ یہ اُن کو بھی اپنی سرکشی اور کفر سے ڈھانک نہ لیوے (وہ نوجوان ظلم کے کام کر کے آتا تھا۔ ماں باپ ممتا کے سبب اُسے پناہ دیتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام اس بات سے ڈرے کہ یہ ظالم لڑکا اپنے ظلموں کا اثر اپنے ماں باپ پر بھی نہ ڈال دیوے اور اُنھیں کافر نہ بنا دیوے۔ وہ بندہ اس کی تلاش میں پھرتا تھا۔ آخر جب وہ اس سفر میں ملا تو اُسے اپنے اعتبارات کی وجہ سے قتل کر دیا)

(۸۱) فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝

(آگے خضر علیہ السلام فرماتے ہیں) سو ہم نے ارادہ کیا کہ اُن (مومن والدین) کے لئے ان کا رب (ایسی اولاد) بدل دیوے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر اور صلہ رحمی میں قریب تر ہو (اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکا نوجوان تھا۔ بچہ نہیں تھا۔ اگر کسی کا فسادی بیٹا مر جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو اُمید ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ اُنھیں نعم البدل عطا فرمائے)

(۸۲) وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ ولیکن جو دیوار تھی وہ دو یتیم لڑکوں کی ہے جو (اس گاؤں سے پرے) شہر میں رہتے ہیں۔ اور اس دیوار کے نیچے اُن کا ایک خزانہ ہے اور اُن کا باپ نیک تھا اُس نے میرے آگے اس خزانے کا ذکر کیا اور کہا کہ آپ اس دیوار کا خیال رکھیں۔

ان گاؤں والوں نے مدت کے بعد دیکھنے کے سبب اُنھیں پہچانا نہیں غالباً اسی وجہ سے اُنھوں نے کھانا دینے سے انکار کیا ہوگا۔ اُنھوں نے اپنا اختیار جتا کر کھانا نہیں مانگا۔ آگے خضر علیہ السلام فرماتے ہیں) سو تیرے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں یہ تیرے رب کی طرف سے رحمت ہے اور میں نے یہ بات اپنے حکم سے نہیں کی۔ (خدا کے فرمان کے مطابق کیا ہے) یہ اُن باتوں کی حقیقت ہے جن پر تو صبر نہیں کر سکا۔

رکوع یازدہم (۸۳) وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ پہلے ایک علم و حکمت والے حاکم کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس پر لوگوں نے ذوالقرنین کا حال پوچھا قصہ گوؤں نے اس کے ذکر کو خوارق سے بھرا ہوا تھا۔ قصہ گو ان خوارق کے ذریعے سے چاہتے ہیں کہ خدا کے ساتھ غیروں کو بھی پجوائیں اور یوں اس کے بیٹے بیٹیاں بنائیں۔ مفسرین نے جو کچھ لیا ہے بہت کچھ ان قصہ گوؤں سے لیا ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ ذوالقرنین کے حالات کا علمی تحقیقات کے ساتھ ذکر کرتا ہے

ذوالقرنین کے معنی ہیں دو زمانوں والا۔

نیک اور خیر خواہ بادشاہ اپنے عہد حکومت کے دو حصے کرتا ہے۔ ایک حصے میں مُلک کی اندرونی مضبوطی کے سامان تیار کرتا ہے اور اُس کے وسائل بہم پہنچاتا ہے۔ جب وہ اپنی کوشش کے مطابق باسامان بن جاتا ہے تو وہ اپنے ملک کے حدود کی حفاظت کے لئے جاتا ہے اور حدود کو قائم کرتا ہے

ذوالقرنین نے پہلے حصے میں ہر طرح کے سامان بہم پہنچائے۔ دوسرے حصے میں مُلک کی حدود کی حفاظت کے لئے نکلا۔

دنیا میں ایک بڑی دیوار تھی جو دنیا کے بڑے عجائبات میں گنی جاتی تھی۔ اسے دیوار چین کہتے تھے۔ ضرور ہے کہ اسی مشہور دیوار کے سبب سے لوگوں نے ذوالقرنین کا حال پوچھا ہوگا۔ یہ چین کا بادشاہ تھا۔ اسکا نام چیو انگٹی تھا۔ اس کی حکومت چین اور جزیرہ نمائے ہند چینی پر تھی۔ اس کے علاقے کی مغربی حد پر خلیج بنگال واقع ہے۔ اُس کی تہ میں سیاہ مٹی ہونے کے سبب اُس کو آج تک کالا پانی کہتے ہیں۔ اس کے کنارے پر پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ پہاڑوں کے مساموں سے پانی دوسری طرف آکر ایک دلدلی چشمہ بناتا تھا۔ وہ چشمہ بھی بڑا وسیع تھا۔ ذوالقرنین نے اس حد کو کافی مضبوط پایا اور اپنے وقت کے لحاظ سے سمجھا کہ اس طرف سے کوئی بھاری فوجیں میرے مُلک پر حملہ آور نہیں ہو سکتیں۔

ایک آدمی جسکی آنکھیں زمین سے چھ فٹ اونچی ہوں کسی روشن چراغ کو تین میل سے پرے نہیں دیکھ سکتا۔ اس فاصلے میں وہ چراغ زمین کے حدب یا گولائی میں چھپ جاتا ہے۔ اس ذریعے سے زمین کا قطر اور محیط اور اُس کی تمام وسعت و ضخامت وغیرہ کا پتہ لگ سکتا ہے۔ اور اگر چراغ کی جگہ سورج ہو تو وہ زیادہ فاصلے پر غروب ہوتا معلوم ہوگا۔ اور اگر آدمی گھوڑے ہاتھی وغیرہ پر سوار ہو تو وہ چیز زمین کے حدب میں چھپنے کے لئے زیادہ فاصلہ چاہیگی۔ یہ تو خشکی کا حال ہوا۔ سمندر میں غائب ہونیوالی چیز کا عکس اونچا آجاتا ہے۔ اسلئے وہ چیز خشکی کی نسبت دیر کے بعد غروب ہوتی نظر آتی ہے۔ سورج کے غروب ہونے کے بعد اگر کوئی شخص کشتی میں بیٹھے اور دریا شرقاً غرباً واقع ہو اور دریا دور تک سیدھا چلا جائے تو سورج پھر اس میں نظر آنے لگیگا۔ پانی کی گہرائی اگر نو گز ہو تو ظاہری نگاہ سے دیکھنے والے کو چھ گز کے قریب معلوم ہوتی ہے۔ سمندر کے صاف پانی میں سورج کا عکس صاف نظر آتا ہے۔ لیکن دلدل میں اسکا عکس مدہم ہو جاتا ہے اور پھیلا ہوا معلوم ہوتا ہے حاصل یہ ہے کہ ذوالقرنین کو معلوم ہوا کہ یہ دلدل ہی بڑا لمبا چوڑا ہے اور اسلئے غیروں کے حملے سے محفوظ ہے۔ پھر ذوالقرنین اپنے مُلک کی مشرقی حد پر گیا جس کے پرے جاپان موجود ہے۔ جاپان کے معنی ہیں مطلع الشمس یعنی سورج کے نکلنے کی جگہ۔ اس حد پر بحر الکاہل موجود ہے۔ سمندر میں خشکی کی نسبت سورج پہلے طلوع ہوتا ہے۔ پھر اس نے واقف کاروں سے بھی اس سمندر کی وسعت کا پتہ لگایا۔ یہ سمندر دنیا کے تمام سمندروں سے بہت بڑا ہے۔ ذوالقرنین اُس قوم پر پہنچا جو اس سمندر کے کنارے پر رہتی تھی۔ سورج جب طلوع کرتا تھا تو سورج اور اُس قوم کے درمیان کوئی بستی یا پہاڑ بیچ میں حائل نہ تھا۔ اس حد کو بھی مضبوط پاکر وہ شمال مغربی حد کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں اُس نے اسی دنیا کی ایک قوم دیکھی۔ اُنھوں نے کہا کہ یاجوج و ماجوج زمین میں بڑا فساد کرتے ہیں اور ہمیں

تا تے ہیں۔ ہم آپ کے لئے چندہ اکٹھا کر دیتے ہیں۔ آپ ان دونوں پشتوں کے درمیان مضبوط دیوار بنادیں اور برجوں پر پہرے بٹھادیں۔ تاکہ وہ اُس پر نہ چڑھ سکیں۔ اور نہ حملہ کر سکیں۔ ممکن ہے کہ چیونگی نے یاجوج وماجوج کے روکنے کے لئے تھوڑی سی دیوار بنائی ہو پہلے بادشاہ بھی اس کی تیاری کرتے آتے تھے۔ اور ممکن ہے کہ اس کی تکمیل پچھلوں کے ہاتھوں سے ہوئی ہو۔ یاجوج وماجوج وہی لوگ ہیں جن کو اب منگول اور منچور کہتے ہیں۔ وہ منگولیا اور منچوریا کے رہنے والے ہیں۔ ان تاتاریوں نے دنیا کو خوب طرح سے تہ وبالا کیا۔ ان سے حفاظت کے لئے کوہ یورال اور کوہ الطائی اور دیگر پہاڑی درروں میں بھی دیواریں بنائی گئی تھیں لیکن دنیا میں مشہور دیوار یہی ایک تھی۔

وہ بادشاہ کوئی ہو۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ نیک بادشاہ اپنے ملک وقوم کی حفاظت کس طرح سے کیا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں سیاسیات کے اصول بھی سکھائے گئے ہیں۔ جب تک رسول کریم ظالموں سے ستائے جاتے تھے اور آپ کو حکومت نہیں ملی تھی قرآن مجید میں اطیعوا الرسول کا لفظ کہیں نہیں آیا۔ لیکن جب آپ کو حکومت ملی اور حضورؐ نے عدالتیں قائم کیں اور نکاح و طلاق و بیاج کے فیصلوں اور دیگر سزاؤں کے دینے کے موقعے آئے تو اطیعوا الرسول کا لفظ لایا گیا ہے۔ بلاشبہ قرآن مجید ایک کامل کتاب ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے) اور یہ لوگ تجھ سے ذی القرنین (یعنی دو زمانوں والے) کا حال پوچھتے ہیں تو انھیں کہہ دے ابھی میں تمہیں (بحکم الٰہی) اس کا ذکر پڑھتا ہوں۔

(۸۴) اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا (اللہ تعالےٰ فرماتا ہے) بالتحقیق ہم نے اس کو قوت دی تھی اور اُسے (اس کے عہد کے پہلے حصے میں) ہر شے کے اسباب (یعنے سامان) دیدئے تھے۔

(۸۵) فَاَتْبَعَ سَبَبًا سو وہ ایک سامان کے پیچھے چلا۔

(۸۶) حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۭ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا

یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پر (یعنی جہاں سورج

زمین کی اوٹ میں آجاتا ہے۔ پہنچا (اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آسمان پر چلا گیا اور وہاں اُس نے اس زمین کی تو میں پائیں) تو اُس نے معلوم کیا کہ سورج کیچڑ کے چشمے (یا کالے پانی کی خلیج) میں ہوتا ہوا ہی زمین کی اوٹ میں آجاتا ہے (یا یوں کہو کہ غروب ہو جاتا ہے غروب کے معنی کیچڑ میں غرق ہو جانے کے نہیں ہیں بلکہ زمین کی اوٹ میں آجانے کے ہیں) اور اُس کے پاس (یعنی سورج کی جائے غروب کے پاس) ایک قوم پائی۔ ہمنے کہا اے ذو القرنین آیا تو انھیں عذاب کریگا یا اُن کے درمیان بھلائی اختیار کریگا۔

(۸۷) قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ اس (بادشاہ) نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ جو شخص ظلم (و سرکشی) کریگا تو قریب ہے کہ ہم اُسے عذاب دینگے۔ پھر وہ اپنے رب کی طرف موڑا جائیگا۔ تو وہ خدا بھی اُسے سخت عذاب کریگا (جب بدامنی پھیلانے والے توبہ نہیں کرتے اور اپنے بُرے ارادوں کو نہیں چھوڑ دیتے تو خدا تعالےٰ بھی اُنھیں دوسرے عالم میں عذاب کرتا ہے۔ جو کچھ ذوالقرنین نے کہا۔ نیک بادشاہوں کو اسی پر عمل پیرا ہونا چاہیئے)

(۸۸) وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝ (ذوالقرنین نے خدا تعالےٰ کے حضور میں یہ بھی کہا کہ) اور پھر جو امن دیوے (یا خدا کا مومن ہو) اور صلاحیت والے کام کرے تو اُس کے لئے (خدا تعالےٰ کے ہاں) نیک جزا ہے اور ہم بھی اپنے معاملے میں اُسے سہل بات کہیں گے (آدمی خدا کو سامنے رکھنے سے بلاشبہ قابل اعتبار بن جاتا ہے)

(۸۹) ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ پھر وہ ایک اور راہ پر چلا۔

(۹۰) حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝ یہاں تک کہ وہ اُس جگہ پہنچا جہاں سورج نکلتا معلوم ہوتا تھا۔ تو اُس نے اُسے دیکھا کہ ایک ایسی قوم پر نکلتا ہے کہ ہم

نے ان کے لئے سورج کے ورے کوئی پردہ نہیں بنایا تھا اور روک نہیں ڈالی تھی)

(۹۱) كَذٰلِكَ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝ بات یونہی ہے اور جو کچھ اُس نے وہاں خبریں پائیں ہم نے اُنھیں گھیرا ہوا ہے (خدا کو اُن کا پورا علم ہے۔ قصہ گو ذوالقرنین کا بیان غلط ہے)

(۹۲) ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ پھر وہ ایک اور راہ پر چلا۔

(۹۳) حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ یہاں تک کہ جب وہ (بادشاہ) دو دیواروں کے درمیان پہنچا تو ان دونوں دیواروں سے ورے اُس نے ایک قوم کو پایا۔ وہ لوگ قریب نہیں تھے کہ بات کو سمجھیں۔

(۹۴) قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ اُنھوں نے (ترجمان کے ذریعے سے) کہا اے ذوالقرنین بلاشبہ یاجوج اور ماجوج (یعنی منگول اور تنچور) اس زمین میں فساد کرنے والے ہیں سو کیا ہم تیرے لئے خرچ اکٹھا کردیں اس شرط پر کہ تو اُن کے اور ہمارے درمیان ایک دیوار بنادے۔

(۹۵) قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ (ذوالقرنین نے) کہا جو کچھ میرے رب نے مجھے (مالی) قوت دی ہے بہتر ہے پس قوت (یعنی محنت مزدوری) کے ساتھ میری مدد کرو۔ میں تمہارے درمیان اور اُن کے درمیان ایک (پتھروں کی) دیوار بھر دوں۔

(۹۶) اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۚ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ میرے پاس لوہے کے

ٹکڑے لاؤ (تاکہ میں پتھر کی سلوں کو جو دیوار میں لگائی گئی ہیں اُن کے ذریعے سے جوڑ دوں) یہاں تک کہ جب وہ (دیوار) دو پشتوں کے درمیان برابر ہوگئی تو ذو القرنین نے کہا کہ تم اس لوہے کو دھونک کر گرم کرو۔ یہاں تک کہ جب اُس (لوہے) کو آگ کی طرح کر دیا۔ (اور لوہا نرم ہوگیا تو اوزاروں سے اُس کے سروں کو موڑ کر پتھر کے سوراخوں میں داخل کیا گیا اور پھیلے اور تراشے ہوئے پتھروں میں اُس لوہے کو چسپاں کر دیا گیا تاکہ وہ لوہا دیوار کے ساتھ ہموار ہو جائے۔ اوپر پگھلا ہوا تانبہ ڈالا گیا تاکہ سرد ہو کر سوراخوں میں مضبوطی سے قائم ہو جائے۔ اور ممکن ہے کہ کہیں کہیں مضبوط دیوار بنانے کے لئے یا کسی جلہ شگاف بھرنے کے لئے بھی لوہے اور تانبے کا استعمال کیا گیا ہو۔ پتھر کی دیوار پر جہاں کہیں لوہے کا استعمال کیا گیا تھا۔ ذوالقرنین نے اس کے لئے) کہا میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس پر پگھلا ہوا تانبہ ڈال دوں (یہ تمام دیواریں جو یاجوج و ماجوج کو روکنے کے لئے بنائی گئی تھیں پتھر ہی کی تھیں۔ اور پتھروں کو مضبوط کرنے کے لئے لوہے اور تانبے کا استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ دیواریں بہت چوڑی ہیں اور ان پر برج بھی بنائے گئے تھے۔ جن کی دیوار اتنی فراخ تھی کہ اس پر چھ سوار پہلو بہ پہلو گھوڑے دوڑا سکتے تھے۔ اب بھی اس بات کا معائنہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ دیوار اب بھی ایک پہاڑ کے راستے کا نمونہ دکھاتی ہے)

(۹۷) فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ سو وہ (وہ یاجوج و ماجوج برجوں کے پہرے کے سبب) اس پر چڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور (لوہے اور تانبے کی مضبوطیوں کے سبب) اس میں نقب بھی نہیں لگا سکتے تھے۔

(۹۸) قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝ (جب وہ دیوار تیار ہوئی تو ذوالقرنین نے) کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے۔ سو جب میرے رب کا وعدہ آئیگا تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا (جیسا کہ اس وقت ان دیواروں کا حال ہو چکا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ یاجوج و ماجوج کسی آئندہ قیامت کے وقت آئیں گے پھر لوگ خدا تعالےٰ کے آگے پیش ہونگے۔ قرآن مجید اس خیال کو غلط ٹھہراتا ہے اور فرماتا ہے کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا اس کے لئے یہ بات حرام ہے کہ وہ یاجوج و ماجوج کے کھلنے اور ہر اونچان سے دوڑتے آنے تک خدا کے حضور میں پیش نہ ہو۔ ہر بستی کی قیامت کا یاجوج و ماجوج کے ساتھ کونسا علاقہ

ہے اور خدا کا سچا وعدہ قریب ہے۔ وہ اسی وقت آجاتا ہے جبکہ کافروں کی آنکھیں حیرت و دہشت سے کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں ۔

اس آیت سے یاجوج و ماجوج کی سکونت کا پتہ بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ وسط ایشیا ایک لمبا چوڑا سطح مرتفع ہے۔ اسی میں پامیر بھی شامل ہے جسے بام دنیا کہتے ہیں۔ یاجوج و ماجوج کے ہر دو طوفان سے بھاگنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی سطح مرتفع کے رہنے والے تھے۔ بعض لوگ دنیا کی آبادی کا اسی جگہ سے شروع ہونا دکھلاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ ہر شے جو اس زمین پر ہے فنا ہونیوالی ہے۔ صرف ذات باری ہی بلا تغیر ایک حال پر قائم رہنے والی ہے۔ اس سورت کے شروع میں بھی فرمایا ہے کہ جو کچھ اس زمین پر ہے ہم اس کو چٹیل میدان بنا دیا کرتے ہیں۔ دیوار خواہ کتنی ہی مضبوط ہو کبھی نہ کبھی وہ ٹوٹ پھوٹ جائیگی) اور خدا کا وعدہ سچ ہے۔

(۹۹) وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ۝ (جب دیوار بن رہی تھی تو ذوالقرنین اور یاجوج و ماجوج کی جنگ بھی ہو رہی تھی۔ ذوالقرنین ان مفسدوں کو جو دیوار کی تکمیل میں حارج تھے تباہ کرتا تھا جیسا کہ ارشاد ہے) اور ہمنے اُس دن اُن کے بعض کو اس حال میں چھوڑا تھا کہ وہ دوسرے بعض میں لہریں مار رہے تھے اور (جنگی) بگل پھونکا گیا اور اُن (جنگ آوروں) کو ہمنے اکٹھا کیا۔

(۱۰۰) وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا ۝ (جنگ میں بہت سے مفسد مارے گئے اور واصل جہنم ہوئے جیسا کہ ارشاد ہے) اور ہمنے اُسی دن جہنم کو کافروں کے سامنے بخوبی پیش کر دیا۔

(۱۰۱) الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ۝ (وہ کافر کون ہیں۔ وہ ایسے لوگ ہیں) جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں (آنکھوں سے عجائبات الٰہی نظر آتے ہیں اور ذکر کو بڑی مدد ملتی ہے) اور وہ دوسروں سے سن کر بھی (ذکر الٰہی کو) نہیں سکتے تھے۔

رکوع دوازدہم (۱۰۲) أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي

مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا (لوگ ان مذکورہ بالا شخصوں کو خدا کے بیٹے بناتے تھے اور حکم میں اُس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے اسلئے اس رکوع میں شرک کی عام طور پر تردید کردی ہے) پھر کیا کافروں نے گمان کرلیا ہے کہ وہ میرے سوائے میرے بندوں کو سرپرست بنائیں گے۔ بلاشبہ ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے مہمانی بنایا ہے (پھر ہمارے مقابلے میں کوئی نیک بندہ تو نہیں آسکتا اور بدکو ہمت ہی نہیں پڑسکتی)

(۱۰۳) قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ؕ تو کہہ کیا ہم تمہیں بتلائیں کہ عملوں کے لحاظ سے بہت گھاٹے والے کون لوگ ہیں۔

(۱۰۴) اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ؕ وہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں ہی گم (اور ختم) ہوگئی اور وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم خوب کاریگریاں کررہے ہیں۔

(۱۰۵) اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ؕ یہی لوگ ہیں جن کے عمل (صرف دنیا کے لحاظ سے تھے۔ آخرت کا لحاظ ان میں نہیں تھا۔ اسلئے وہ آخرت میں) گم ہوگئے اور ہم پیشی کے دن اُن کے لئے کوئی وزن (وقدر) قائم نہیں کرتے (اور اُن لوگوں کی کچھ حقیقت قرار نہیں دیتے)

(۱۰۶) ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ هُزُوًا ؕ

یہ جہنم اُن کی جزا ہے اسلئے کہ انھوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور رسولوں کو (جو انھیں سمجھانے کے لئے آئے تھے) ٹھٹھا قرار دیا۔

(۱۰۷) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ؕ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور صلاحیت والے کام کئے اُنکے

لئے فردوس کے جنت مہمانی ہے۔

(۱۰۸) خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ وہ ان جنتوں میں رہ پڑنے والے ہیں (آگے کو ترقی کرینگے) اس سے (پیچھے کی طرف) لوٹنا نہیں چاہیں گے (اسوقت انسان سمجھے گا کہ مجھے ایسے ہی انعاموں کے لئے بنایا گیا ہے)

(۱۰۹) قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ اللہ تعالیٰ کے عجائبات وانعام جنہیں وہ اپنے حکم سے پیدا کرتا رہتا ہے کبھی ختم نہیں ہو سکتے خواہ وہ نعمتیں اس عالم کی ہوں یا دوسرے عالم کی چنانچہ ارشاد ہے) تو کہہ کہ اگر سمندر میرے رب کے (پیدا کردہ) عجائبات (کو لکھنے) کے لئے سیاہی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائے قبل ازیں کہ میرے رب کے عجائبات ختم ہوں اور اگرچہ ہم (جو خدا ہیں) مدد کے لئے اس کی مثل اور (سمندر سیاہی بنا کر) لے آئیں۔ (سورۂ لقمان)

(۱۱۰) قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ۝

تو کہہ (کہ میری حقیقت یہ ہے کہ میں وحی کئے جانے کی حالت میں بھی ایک بشر ہی ہوتا ہوں۔ وحی میرے کہنے سے نہیں آتی بلکہ جب خدا چاہتا ہے تو وہ خود ہی وحی کر دیتا ہے۔ بشریت کا یہی تقاضا ہے) سوائے اس کے نہیں کہ میں تمہارے جیسا ایک بشر ہوں اس حال میں کہ میری طرف یہ بات وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے۔ سو جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہے سو اُسے چاہئے کہ صلاحیت والے عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے (سورت کا نتیجہ یہ نکلا کہ صلاحیت والے عمل کئے جائیں اور خدا کے ساتھ کسی بڑے سے بڑے کو بھی شریک نہ بنایا جائے اور خدا کی ملاقات کی امید رکھی جائے۔ فالحمد للہ علی ذٰلک)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُورہ مریمؑ

مضمون اور نظم و ربط

سورت سابقہ میں خدا تعالیٰ کے لئے مطلق اولاد ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ اس سورت میں بھی عیسائیوں نے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا تھا۔ خاصکر اس کی تردید کی گئی ہے۔ عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام کو خدا کا اکلوتا بیٹا ٹھہرایا ہے۔ قرآن نے آج تک ان پر بہت بڑی فتح حاصل کی ہے اور کامل اُمید ہے کہ یہ اعتقاد علم و عقل والے عیسائیوں سے بہت جلد جاتا رہیگا۔

لوگ اپنے اپنے نبیوں کو خدا کے ساتھ ایسی طرح سے منواتے ہیں کہ وہی خدا کا بیٹا اور معشوق بن جائے اور اگر یہ مخلوق کے لئے ایک شرف ہے تو دوسروں کو کیوں اس سے محروم رکھتے ہیں۔ اس تعصب اور طرفداری نے دنیا کو مشرک بنا رکھا ہے۔ یہ تو ایک وجہ ربط کی ہوئی۔ دوسری وجہ دوسری فصل ہے۔

اس سورت میں بھی کفار کے ظلم سے بچنے کے لئے مومنوں کو ہجرت کی ترغیب دی گئی ہے اور اس میں کئی ایک نیکوں کی ہجرت کا بیان کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے حضرت مریمؑ کی ہجرت کا بیان ہے۔

مریم علیہا السلام کا والد فوت ہو گیا تھا جبکہ والدۂ مریم حاملہ تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا بیٹا ہوتا بھی ماں کی خبرداری کرنے کے قابل نہ تھا۔ اپنی حالت زار پر نظر کر کے والدۂ مریم نے منت مانی کہ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے میں اُسے بیت المقدس کی درسگاہ میں بطور یتیم کے دیدونگی اور خدا کے سپرد کر دونگی۔ والدۂ مریم کا خیال تھا کہ میرے ہاں بیٹا پیدا ہوگا لیکن بیٹے کی جگہ بیٹی پیدا ہوئی۔ عالم الغیب خدا تعالیٰ ہی ہے۔ اُس پاک عورت کو اتنا بھی معلوم نہ ہوا کہ خود میرے پیٹ میں کیا ہے۔ نذر ماننے کے سبب اور اپنی حالت مجبوری کو دیکھکر اُنھوں نے اس لڑکی کو بیت المقدس کے متولیوں کے سپرد کر دیا۔ زکریا علیہ السلام وہاں کے امام تھے۔ مریمؑ شکل و صورت کے لحاظ سے بہت پسندیدہ تھی جیسا کہ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا سے ثابت ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام مریمؑ کو محراب یعنی اپنے شہ نشین میں رکھتے تھے۔ یہ مکان اُن کے لئے خاص تھا۔ اُن کی غیر حاضری میں لوگ مریمؑ کو کھانے کے لئے کچھ دے جایا کرتے تھے لیکن

زکریا علیہ السلام کے سامنے نہیں لاتے تھے۔ ایسے سلسلوں میں بعض لوگ بدطینت بھی ہوتے ہیں اُن سے نوجوان لڑکیوں کی حفاظت کرنی ضروری ہوتی ہے۔ جب زکریا علیہ السلام نے کئی دفعہ اس بات کا معائنہ کیا تو اُنھیں اُن لوگوں سے خوف پیدا ہوا۔ کہ میرے بعد یہ لوگ اس تعلیم و تربیت کے سلسلے کو تباہ کردیں گے۔ اُسی وقت اُنھوں نے خدا تعالےٰ سے دعا مانگی کہ مجھے اپنے حضور سے پاک بیٹا عطا فرما تاکہ وہ میرا وارث بھی بنے اور اپنی ماں کی جانب سے آل یعقوب کا بھی وارث بنے اور اس طرح اُس کو امامت میں سید کا درجہ ملے۔

خدا نے فرمایا کہ وہ سید ہوگا اور زُہد و عفت کے سبب غیر عورتوں سے پرہیز کرنے والا اور صلاحیت والا نبی ہوگا۔ حصور کو اپنی خواہش پر ایسا قابو ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے بھی اکثر پرہیز کرتا ہے۔ وَالْحٰفِظٰتِ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ سے اس کا ثبوت ملتا ہے ۲۴/۴

والدۂ مریم کو بھی اُن کی ایسی شرارت کا خیال تھا اسی لئے اُنھوں نے دعا مانگی تھی کہ مریم کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ والدۂ مریمؑ اس بات کو جانتی تھی کہ جو عورتیں خدا تعالےٰ کی نذر کی جاتی ہیں بیت المقدس کے متولی اپنی ولایت سے اُن کی شادی کرا دیتے ہیں اور اُن سے کئی بیٹے بیٹیاں پیدا ہو سکتے ہیں اور آئندہ بھی نسل چل سکتی ہے۔ اُنھوں نے مجبوری کے سبب مریمؑ کو اپنے سے آزاد کر دیا تھا اور متولیوں کے لئے لکھ دیا تھا۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام فوت ہو گئے اور یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں ہی بیت المقدس کی امامت ملی تو اُن میں سے ہر ایک نے قلموں کے ذریعے قرعہ اندازی کر کے چاہا کہ نوجوان مریمؑ میری کفالت میں آئے۔ اور ظاہر ہے کہ بالغ عورت کا کفیل چوتھا محرموں سے ہو خاوند ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت زکریا مریم کے کفیل بچپن میں ہی بنے تھے۔ وہ کفالت پرورش و حفاظت کی تھی۔ مریم ایسے نکاح سے بیزار ہو گئی۔ اور اُن سے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی۔ خدا تعالےٰ نے اُس کے صبر کی وجہ سے اُسے ایک نیک بیٹے کی خوشخبری دی۔ اور فرمایا کہ ہم خود ہی اس کا انتظام کریں گے۔ مریم خدا تعالےٰ پر بھروسہ کر کے اپنے اہل کی طرف واپس آ گئی اور بیت المقدس کے متولیوں سے اپنا تعلق قطع کر لیا۔ والدۂ مریم نے اپنی بیٹی کو بیت المقدس کے لئے لکھ دیا تھا۔ مریم علیہا السلام کا خیال تھا کہ میرا نکاح وہی لوگ کرا سکتے ہیں۔ اگر میں خود نکاح کر لوں گی تو وہ لوگ کہیں گے کہ مریمؑ نے ولی کے بغیر نکاح کر لیا ہے۔ جب مریمؑ نے بحکم الٰہی اس رسم کو توڑا تو وہ مریم کے دشمن ہو گئے اور دُکھ دینا چاہتے تھے۔ وہ ایسے نکاح کو جو ولی کے بغیر کیا جائے زناکاری قرار دیتے تھے۔

جب کشفی رنگ میں ملائکہ نے حضرت مریم علیہا السلام کو خوشخبری دی تو مریمؑ نے اپنی دعا میں خدا تعالےٰ کی طرف ہی توجہ کرتے کہا کہ جب نکاح کے معاملے میں میرے راستے میں ایسی مشکلات حائل ہیں تو بغیر مرد کے چھونے کے مجھے بیٹا ہونا محال ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جس بیٹے کو خدا پیدا کرنا چاہتا ہے اُس کو اسی طرح سے ہی پیدا کیا کرتا ہے۔ اس میں کسی مرد و عورت کی خصوصیت نہیں ہے۔ اولاد کے پیدا ہونے کے لئے ہمیشہ سے یہی قاعدہ جاری ہے۔ جب ہم نے تجھ کو ضرور بیٹا دینا ہے تو اُس کے سامان بھی ہم ہی بہم پہنچائیں گے جیسا کہ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۳/۱۳ کے فرمان سے ظاہر ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے اس معاملہ میں اللہ تعالےٰ پر ہی بھروسہ رکھا۔ اُن کا خیال تھا کہ خدا خود ہی نکاح کا انتظام کریگا۔ اگر خدا مجھے نمونہ بنانا چاہتا ہے تو میں اُس کے حکم کے مطابق ہی نمونہ بنونگی۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو جہان کی عورتوں کے لئے نمونہ بنایا تھا ۳/۱۳

پھر حضرت آسیہ اور مریم علیہا السلام کو نکاح کے لئے مومنوں کے واسطے مثال ٹھہرایا تھا۔ دیکھو سورت تحریم جس کی تفسیر منزل ہفتم میں آچکی ہے۔

جب حضرت مریم علیہا السلام اپنے اہل میں آئیں اور ان کے پاس ایک سعید روح اس حال میں حاضر ہوئی کہ وہ تندرست بشر تھا۔ تو مریم نے اُس سے رحمان کی پناہ مانگی۔ اس تندرست بشر نے کہا کہ میں خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں تاکہ تجھے پاک اولاد بخشنے کا باعث بنوں۔ وہ اولاد شرمگاہ کے راستے سے داخل ہوئی اور اس طرح مریم حاملہ ہوگئی۔ پھر لوگوں کے ستانے سے بھاگ کر اس شخص کے ساتھ چلی گئی۔ راستے میں اس شخص نے دائی جنائی کا بھی کام دیا اور وہ اسے پناہ دیکر ناصرت میں لے آیا۔ یہ علاقہ آرام اور چشموں کی جگہ ہے۔ مسیحؑ اس علاقے کے سبب سے جہاں اس کا باپ رہتا تھا ناصری کہلایا۔ اور اسی لئے مسیحؑ کی امت کو نصاریٰ کہتے ہیں۔

حضرت مریم نے نکاح کا ایک نیک نمونہ قائم کیا۔ پس وہ ہجرت جو اُنھوں نے کی قابل تعریف ہے۔ لیکن عام مفسرین کا یہ خیال ہے کہ جب اسے بغیر خاوند کے حمل ہوگیا تو وہ چوروں کی طرح سے بھاگ گئی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ لوگ اس سبب سے مجھ پر زبان طعن دراز کریں گے اور کہیں گے کہ بے نکاحی کو حمل ہوگیا۔ ایسی صورت میں ضرور ہے کہ لوگ اس بات کو زنا کی دلیل بنا سکیں۔ سو اُنھوں نے بھاگ کر اپنے معاملے کو بالکل مشتبہ بنا لیا بلکہ اپنے برخلاف ثبوت پیدا کر لیا۔

جب حضرت مریم علیہا السلام کو فرشتوں نے خوشخبری دی تھی اور بقول علماء اُن کے ہاں بغیر خاوند کے ہی بیٹا ہونا ممکن تھا تو اُنھیں چاہیے تھا کہ وہ بیت المقدس کے متولیوں کے پاس جاتیں

اور انھیں کہتیں کہ خدا نے مجھے بغیر خاوند کے بیٹا دینے کی خوشخبری دی ہے۔ آپ دائیوں سے میرا امتحان کرا لیجئے اور مدت تک اس امتحان میں رکھئے۔ جب ثابت ہو کہ میرے پیٹ میں بیٹا نہیں ہے تو پھر مجھے اپنی تحویل میں رکھنا۔ پھر دیکھنا کہ میرے ہاں بغیر خاوند کے بیٹا ہوتا ہے یا نہیں۔ اس معجزے کے ثبوت کے لئے اس سے بڑھکر اور کوئی صورت ممکن نہ تھی۔ خدا نے بھی مریمؑ کو یہ تجویز نہیں سکھلائی۔ بلکہ وہ خفیہ طور سے بھاگ نکلی۔ اور ثابت کر دیا کہ ایسا حکم کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ اس صورت میں یہ سچی ہجرت کی مثال نہیں بن سکتی۔ جب یہودیوں کے ہاتھ میں یہ زبردست دلیل تھی کہ مریم بے نکاحی ہی حاملہ ہوگئی ہے اسلئے یہ زانیہ ہے۔ تو حضرت مریمؑ کا بھاگنا اپنے آپ کو مجرم بنانے کے لئے ہی ہو سکتا تھا پس مفسرین کی بیان کردہ ایسی ہجرت کا کھوٹا ہونا سورج کی طرح واضح ہے۔

اس کے آگے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت ادریس کی عالیشان ہجرتوں کا بیان ہے۔ حضرت ادریسؑ بھی ہجرت کے بعد ہی بلند مقام پر پہنچے تھے۔

اس سورت کا نام سورۂ مریم ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی تمہید میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام پیر فانی تھے اور اُن کی بیوی بھی بانجھ تھی۔ ایسی روکاوٹوں کا دور کرنا واقعی عجیب ہے۔ لیکن عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں صرف اتنی ہی روک تھی کہ حضرت مریم کے لئے بحکم خدا ایک نیک خاوند بھیجا جائے۔

جب یحییٰؑ جنکی پیدائش ایسی عجیب طرح سے ہوئی تھی خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے تو عیسیٰ علیہ السلام اپنی پیدائش کی وجہ سے خدا کے بیٹے کیسے قرار پا سکتے ہیں۔ اس سورت میں مقصود یہ ہے کہ ثابت کیا جائے کہ عیسیٰؑ خدا کا بیٹا نہیں ہے اسلئے اس سورت کا نام مریم رکھا گیا اور عالیشان تمہیدی بیان کے سبب جو مقصود اصلی نہیں ہے اس سورت کا نام سورت زکریا یا یحییٰ قرار نہیں پایا۔ یہود کہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام بے نکاحی کے ہاں پیدا ہوئے ہیں اسلئے اُن کی پیدائش صحیح نہیں۔ اگر قرآن اس کے جواب میں یہ کہے کہ بلاشبہ وہ بے نکاحی کے ہاں ہی پیدا ہوئے ہیں تو اس سے یہود کو بڑی مدد ملیگی اور اُن کے دعوے کے لئے خود قرآن ہی ایک ثبوت بہم پہنچا دیگا۔ اگر قرآن مجید سچی بات کو کھولنے والا ہے تو اس میں ایسا ذکر نہیں آسکتا۔ حضرت مریمؑ کے نکاح کو صحیح قرار دینے سے ہی یہود کی تردید کی جاسکتی ہے۔

نصاریٰ کہتے تھے کہ آدمؑ و حواؑ کا جوڑا تو پہلے ضرورتاً بنایا گیا جسطرح اونٹ اور گائے اور بھیڑ بکری کا جوڑا بنایا گیا۔ لیکن مریمؑ کے زمانے میں بے شمار مرد موجود تھے۔ اسوقت بغیر مرد کے پیدا کرنے کی

کوئی ضرورت نہ تھی لیکن خدا تعالےٰ نے روح القدس کا سایہ ڈالنے سے، سب تمام دنیا سے الگ طور پر بیٹا دیا اور اسلئے وہ بیٹا خدا کا بیٹا کہلایا۔ اس کی پیدائش ایسے وقت میں تمام لوگوں سے الگ طور پر ہوئی۔ جبکہ الگ طور پر پیدا کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس پیدائش کو الگ کر کے خدا تعالےٰ نے اس کی وہ خصوصیت دکھلادی جو کسی اور انسانی اولاد کو نہیں دیگئی۔ اگر قرآن بھی یہی کہے کہ وہ یعنی عیسیٰؑ روح القدس کے مریم کے شرمگاہ میں روح پھونکنے سے پیدا ہوا تو قرآن نصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے اور اسے انسانی اولاد ہونے کی بجائے خدا کا بیٹا ٹھہراتا ہے۔ اور خدا کا بیٹا ہونے کی تائید کرتا ہے۔ یہ معیبت بھی صرف اسی طرح سے حل ہو سکتی ہے کہ اس کا جائز باپ ثابت کیا جائے۔

ولد اور والد میں ایک نسبی علاقہ ہے۔ والد کسی کو اسی صورت میں کہیں گے جبکہ اُس کا کوئی نہ کوئی ولد ہو اور ولد اُسی صورت میں کہیں گے جبکہ اُس کا کوئی نہ کوئی والد ہو۔

لوگ خدا تعالےٰ کے بیٹے بیٹیاں بناتے تھے اور خدا کو والد ٹھہراتے تھے۔ خدا تعالےٰ اس مشرکانہ اعتقاد کی تردید میں فرماتا ہے کہ خدا کے ہاں بیٹا کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ اس کی بیوی نہیں یہ دلیل اسی نسبی تعلق سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ دلیل اصولی طور پر صحیح ہے تو ولد کا والد و والدہ کے ساتھ ہی پیدا ہونا لازم آتا ہے۔ توحید کی اس دلیل میں استثنا پیدا کرنے سے یہ دلیل بیکار ہو جائیگی۔ اور خدا کے لئے بیٹا ہونے کا امکان ثابت ہوگا۔ اگر یہ دلیل قطعی ہے تو لازم ہے کہ ولد کے لئے والد و والدہ دونوں موجود ہوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ولد کا لفظ باقرار مریم قرآن مجید میں موجود ہے۔ پس ولد کے لئے والد کا ہونا لازم ہے۔ اگر علماء کے پاس کوئی ایسا نمونہ موجود ہے کہ ایک شخص ولد تو ہو اور اسکا والد نہ ہو تو مہربانی کر کے اُسے پیش کریں یا قرآن مجید کی اس توحیدی دلیل یعنی اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ کو غلط ٹھہرائیں۔

خدا تعالےٰ کو لفظاً مذکر بولا جاتا ہے اور اس لئے اُس کے ساتھ صاحبہ کا لفظ جو مونث ہے لایا گیا ہے ورنہ اپنی ذات کے لحاظ سے خدا تعالےٰ مذکر و مونث یا نر و مادہ ہونے سے پاک ہے۔ اگر خدا پر لفظ مونث بولا جاتا تو اس کے ساتھ صاحبہ کی جگہ صاحب کا لفظ لایا جاتا۔ پس اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ مرد کے بغیر عورت کو بیٹا دیا جا سکتا ہے، اور عورت کے بغیر مرد کو بیٹا نہیں دیا جا سکتا قطعاً غلط ہے۔ اگر خدا تعالےٰ میں بالقوہ اولاد موجود ہے صرف بیوی کے نہ ہونے کے سبب سے ہی رُکی ہوئی ہے تو اس سے خدا کا عجز ثابت ہوگا۔ اور ضرور ہوگا کہ اس کے لئے بیوی بھی بنائی جائے۔ خدا تعالےٰ ایسی ضرورتوں سے پاک ہے۔

اللہ تعالےٰ نے ممکنات میں نر و مادہ کی بنیاد رکھی ہے۔ نر و مادہ کے بنانے کے بعد اسی سلسلے سے ہی خدا تعالےٰ ہمیں پھیلاتا ہے ۔ انسانوں اور حیوانوں اور دیگر مخلوقات میں جوڑے کی پیدائش کا قاعدہ رکھنے سے خدا تعالےٰ نے اپنے بے مثل ہونے کی دلیل دی ہے۔

اگر اس قاعدے میں کسی جگہ بھی مستثنےٰ نکالا جائے تو یہ دلیل کسی طرح بھی درست نہیں رہیگی۔ خدا کا بے مثل ہونا ضروری ہے۔ پس جوڑے کی دلیل بہر صورت صحیح ہے۔ تمام ممکنات میں جوڑے کا سلسلہ پایا جاتا ہے۔ مگر اعلیٰ درجے کے حیوانوں میں اس کی پوری پوری تکمیل بلا استثنا دکھائی دیتی ہے۔ اس قاعدے کی تکمیل بھی آہستہ آہستہ ہوئی ہے۔ اس ارتقار میں اعلیٰ تکمیل کا قیاس ادنےٰ حالتوں کی صورت میں دکھانا یقیناً باطل ہے۔ پرندے بالعموم انڈوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن انسان کی پیدائش کو اسی طرح انڈوں سے چاہنا قدرتی تکمیل کو ٹھٹھے میں اُڑانا ہے۔

انسان کی پیدائش کسی ایک زمانے سے شروع ہوئی ہے۔ جوڑا بننے کے لئے پہلے ایک مرد اور ایک عورت کو پیدا کیا گیا۔ اس جوڑے کے بعد کوئی انسان جوڑے کے بغیر پیدا نہیں ہوا۔ مسیح علیہ السلام کے بارے میں لوگوں نے نزاع پیدا کر لیا ہے۔ اگر علمار کے پاس کوئی ایسی سند موجود ہے کہ ابتدائی جوڑا بننے کے بعد کوئی مرد و عورت بغیر جوڑے کے پیدا ہوا ہو تو اُس کا کوئی معقول ثبوت دیں۔ یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ کوئی مرد نرے مرد سے جنا جا سکتا ہے اور کوئی عورت نری عورت سے پیدا ہو سکتی ہے۔ جس قاعدے کو خدا نے اپنی حکمت سے رد کر دیا ہے اسی کو اس کی حکمت کے مطابق دکھانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

جب ہم کسی مرد و عورت سے ملاقات کرتے ہیں تو ہم اُن سے کبھی یہ نہیں پوچھتے کہ تمہاری ماں اور تمہارا باپ تھے یا نہیں۔ ہاں یہ پوچھا کرتے ہیں کہ اُن کا کیا نام تھا۔ وہ کہاں رہتے تھے۔ وہ زندہ ہیں یا مر گئے۔ جوڑوں کے موجود ہونے کی صورت میں کبھی اس میں شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی شخص بغیر باپ یا ماں کے پیدا ہوا ہے۔ اگر کوئی شخص مسیح علیہ السلام سے بھی ملتا تھا تو اُن سے بھی کوئی اس بات کو دریافت نہیں کیا کرتا تھا کہ تمہارا باپ تھا یا نہیں۔ یہ اعتقاد تمام دنیا میں موجود ہے۔ پس انسانی فطرت میں ایسے اعتقاد کا راسخ ہونا صاف بتلاتا ہے کہ انسان کے لئے ایسا سمجھنا ایک فطری امر ہے۔ ایسی محکم بات کو ایسے خیالات سے غلط ٹھہرانا کہ اُس کی ماں کا بیان آیا ہے یا اُسے کلمہ اور روح کہا ہے یقیناً باطل ہے۔ ایسے الفاظ کا منشا دریافت کرنا چاہئے۔ وہ خود ہی کسی صورت سے دلیل نہیں بن سکتے۔

ابتدائی جوڑے کے بننے کے ساتھ ہی انسان کے لئے والدین کا ہونا لازم قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی لئے انسان کو تاکیدی نصیحت کی گئی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ دونوں کے ساتھ احسان کرے ۲۶/۲ ؛ ۲۱/۱۱ و ۱۵/۳ ۔ ان آیتوں میں مسیح کو مستثنےٰ کر کے نہیں دکھایا گیا۔

مسیح علیہ السلام کا جب باپ زندہ تھا تو ضرور ہے کہ وہ اس آیت کے مطابق ماں باپ دونوں کے ساتھ احسان کرتے ہوں۔ لیکن جب اُن کا باپ مر گیا اور ماں ہی اُنھیں لیکر قوم کی طرف آئی اُسوقت اُن کی اکیلی ماں ہی موجود تھی۔ تو اللہ تعالےٰ نے اُنھیں زندہ ماں کے ساتھ عملی سلوک کرنے والا بنایا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ اگر ماں باپ میں سے ایک بھی زندہ موجود ہو تو اُن کے لئے اُف نہ کہنا۔ اور اُن کے لئے عاجزی کے بازو پست کرنا اور عزت کے ساتھ کلام کرنا ۱۵/۳ ۔ حاصل یہ ہے کہ زندہ اور مردہ ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے میں قرآن بالضرور فرق دکھلاتا ہے۔

یہودیوں نے ماں پر اعتراض کیا تھا کہ تو اسے ناجائز طور پر حاصل کر کے لائی ہے۔ مسیح علیہ السلام نے اس کا جواب دیا کہ اگر یہ ماں خدا تعالےٰ کی نافرمان ہوتی تو خدا تعالےٰ مجھے ایسی ماں کے ساتھ سلوک کرنے کا خاص کر کے کیوں حکم دیتا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ماں خدا تعالےٰ کی نافرمان نہ تھی۔

عیسائیوں نے حضرت عیسٰی اور مریم کو دو الٰہ بنایا ہوا تھا۔ ابن مریم کہنے سے دونوں کی اُلوہیت ٹوٹ گئی۔ کیونکہ جنا ہوا اور جننے والے دونوں الٰہ نہیں ہو سکتے۔

آدم و حوا علیہما السلام کی پیدائش مٹی سے شروع کی گئی۔ پھر اُن کی نسل کو ذلیل پانی کے نچوڑ سے پیدا کیا ۱۲/۱۴ ۔ پھر اُسی پانی کو درست کیا جاتا ہے اور اسمیں نفخ روح ہوتا ہے۔ اسی پانی کو روح کے ساتھ رحم میں داخل کیا جاتا ہے۔ انسان کی پیدائش کے یہی دو طریقے ہیں۔ اب علما ہی بتلائیں کہ مسیحؑ بھی آدم و حوا کی طرح ابتداءً مٹی سے بنا تھا یا اُس نطفے سے جو مریم کی طرف ڈالا گیا تھا۔ یا کیا وہ نسلِ آدم سے خارج تھا۔ اور اسلئے وہ نطفے سے تیار نہیں ہوا۔

ہم سب لوگ مسیحؑ کی طرح بنی آدم ہی ہیں۔ اور یہ یقینی طور پر ثابت ہے کہ سب لوگوں کا تعلق آدم علیہ السلام کے ساتھ باپوں کے ذریعے سے ہی ہے۔ مسیح علیہ السلام کے متعلق بھی یہی بات مانی جاتی ہے کہ اُن کا تعلق بھی آدم علیہ السلام کے ساتھ ہمیشہ باپوں کے ذریعے سے ہی رہا ہے۔ پھر ایک مریم کے معاملے میں فرق ڈالنے کے کیا معنی؟ مذہبی دیوانگی جماعتوں کے دماغوں

پر بھی پردہ ڈالتی آئی ہے بلکہ جماعتیں ہی بالعموم اس کا شکار ہوتی رہی ہیں۔

پھر سورت انعام میں اللہ تعالےٰ عیسیٰ علیہ السلام کو ابراہیمؑ یا نوح کی ذریت فرماتا ہے۔ جسطرح بہت سے دوسرے رسولوں کو بھی اُنھیں کی نسل سے قرار دیتا ہے۔ تمام دوسرے نبیوں کا تعلق ابراہیمؑ کے ساتھ باپوں کے ذریعے سے ہی تسلیم کیا جاتا ہے۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں باوجود اس کے کہ ان کا تعلق بھی باپ کے ذریعے سے مانا جانا عام قاعدے کے مطابق ہے خواہ مخواہ فرق ڈالا جاتا ہے۔

قرآن کی آیات جہاں صحیفۂ فطرت کے ساتھ پورا تعلق رکھتی ہیں اور مخالف پہلو اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی وہاں ہماری بدقسمتی سے ایسے مفسر پیدا ہو گئے ہیں جو سیدھی بات کا بھی اقرار نہیں کر سکتے۔

آگے ابراہیم و لوط و زکریا اور عیسیٰ و یحییٰ وغیرہم کے باپوں کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کے باپوں میں سے ہم نے بعض کو ہدایت دی۔ باپ سب کے ثابت کئے ہیں ھدینا کی ضمیر جو سب رسولوں کی طرف پھرتی ہے وہ آباء کے لئے مضاف الیہ ہے۔ آیت میں اس مضاف الیہ کی تبعیض نہیں کی گئی بلکہ آباء پر جو مضاف ہے مِنْ کا لفظ لایا گیا ہے۔ سو اگر کسی کو تبعیض کا خیال گزرتا ہے تو وہ اس لحاظ سے ہے کہ ان نبیوں کے جو باپ تھے اُن میں سے بعض ہدایت یافتہ نہیں تھے۔ اس آیت سے بڑی صراحت کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کا باپ اسی طرح ثابت ہوتا ہے جسطرح تمام مذکورہ بالا رسولوں کے باپ ثابت ہوتے ہیں۔ اس آیت میں کسی قسم کا فرق کر کے نہیں دکھلایا گیا۔

ادائے مسیحؑ کے باپ کو کسی ایسے طریقے سے بیان نہیں کیا جو دوسرے رسولوں سے الگ نوع کا ہو۔ باوجود ایسی صفائی کے ایسے دماغ والے مفسر بھی پائے جاتے ہیں جو مسیح علیہ السلام کے باپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اُن کے باپ سے مراد ماں یا نانا ہے۔ اگر آباء کے معنی ایک رسول کے ساتھ ماں یا نانا کے لئے جائیں تو اس طرح سے یہ معنی دوسرے تمام رسولوں کے متعلق بھی لئے جا سکتے ہیں۔ یہ معنی تمام رسولوں کے لئے بھی کلیہ کے طور پر ہی لئے جائیں گے۔ پھر ایسی صورت میں مِنْ آبائھم کی تبعیض کا اعتراض جو آپ نے کیا ہے۔ کیا وہاں بھی کرینگے۔ اور ثابت کرینگے کہ ان میں سے بعض کی مائیں اور نانے بھی نہ تھے۔ اب کا لفظ اکیلی ماں پر ہرگز نہیں بولا جا سکتا جب تک اس کے ساتھ باپ موجود نہ ہو۔ یہی حال نانا اور چچا کا بھی ہے۔ جب تک باپ نہیں ہے چچا کیسے بن سکتا ہے اور وہ کونسا نانا ہے جو بیٹی بیاہنے کے بغیر ہی نانا بن جائے۔ اگر علما کے پاس کوئی ایسا نانا موجود ہے تو اس کا پتہ دیں۔

ہمارے پاس دو اصل سرچشمے ہیں۔ ایک قرآن اور دوسرا صحیفۂ فطرت۔ قرآنی آیات جو آیاتِ صحیفہ فطرت کے ساتھ پختہ کی گئی ہیں محکمات ہیں۔ ہمارے مفسر ایسی محکمات کی بھی کوئی قدر نہیں کرتے بعض لوگ کہتے ہیں کہ جسطرح اس آیت میں ان نبیوں کے باپوں کا ذکر ہے اسی طرح اس میں ان کے بھائیوں اور اولاد کا بھی بیان ہے۔ کیا بھائی اور اولاد بھی ماں باپ کی طرح ہر ایک کے ہونے لازم ہیں۔ اس لئے معترضین کہتے ہیں کہ جب ممکن ہے کہ ان میں سے بعض کے بھائی اور اولاد نہ ہوں۔ اسی طرح ممکن ہے کہ ان میں سے بعض باپ کے بغیر بھی پیدا ہوئے ہوں۔

کمترین عرض کرتا ہے کہ جب بقول معترض ماں باپ کا معاملہ بہن بھائی اور اولاد سے الگ ہے تو بہن بھائی اور اولاد کے قیاس سے یہ سمجھ لینا کہ جب بہن بھائی اور اولاد نہیں ہیں تو ماں باپ بھی نہیں ہونگے کسی صورت سے بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ جوڑوں کی پیدائش کے جاری ہونے کے بعد کسی سے نہیں پوچھا جاسکتا کہ تیرے ماں باپ تھے یا نہیں لیکن بہن بھائی اور اولاد کے متعلق ضرور پوچھا جاسکتا ہے کہ وہ ہیں یا نہیں۔ پس بہن بھائی اور اولاد پر ماں باپ کا قیاس کرنا بہر صورت غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب خدا تعالےٰ نے ان کے بہن بھائی اور اولاد بھی ثابت کئے ہیں تو ہمارے لئے اس عموم کو توڑنے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ بلاشبہ ان کے بہن بھائی اور ولد بھی تھے۔

معترضین کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کا نہ باپ تھا نہ بہن بھائی تھے اور نہ اولاد تھی گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان تینوں قیدوں سے آزاد تھے۔ اس بات کو دیکھکر سخت حیرانی ہوتی ہے کہ جب مسیح علیہ السلام ان تینوں قیدوں سے آزاد تھے تو ان کا ذکر ایسی قیدوں والوں کے ساتھ کس لحاظ سے کیا گیا ہے۔ کیا معاذ اللہ خدا بھول کر ان نبیوں کے بیان میں مسیحؑ کا نام لے آیا ہے۔ جن پر ان قیدوں میں سے ایک بھی عائد نہیں ہوتی۔ اگر مسیحؑ کا باپ تھا تو انبیاءِ بحر سے ثابت ہے اور اگر مسیح علیہ السلام کے بہن بھائی تھے تو وہ ضرور مریمؑ کے بیٹے بیٹیاں ہونگے پھر کیا بہن بھائی کے بیان سے اس بات کا صریح پتہ نہیں لگتا کہ مسیح کا باپ بھی ضرور تھا۔

انجیلوں میں مسیحؑ کے بہن بھائیوں کا بصراحت تمام ذکر ہے مگر ان کو کوئی بغیر باپ کے نہیں کہتا اور اگر آیت کے عموم کے مطابق مسیح علیہ السلام کی اولاد تھی تو ضرور ہے کہ وہ بیوی کے ذریعے سے ہی ہوگی۔ سو جب مسیح علیہ السلام کی اولاد جوڑے سے ہوئی تو مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے وقت بھی جوڑوں سے ہی اولاد پیدا ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ

خدا جس بیٹے کو پیدا کرنا چاہتا ہے اُس کو اسی طرح سے پیدا کیا کرتا ہے ۳/۱۳ +

حاصل یہ ہے کہ ان تینوں قیود سے مسیح کا باپ ہونا ثابت ہوتا ہے اور لوگ چاہتے ہیں کہ مسیح کو ان تینوں قیدوں سے خارج کردیں جس حال میں کہ خود خدا انہیں ان قیود کے ماتحت لایا ہے

سورت انبیاء میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے زکریا کو یحییٰ بخشا اور اس کے لئے انکی بیوی کو آئندہ کے لئے بھی تندرست بنا دیا ۱۲/۹۰۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام پر دو نعمتیں کیں۔ ایک تو ان کی بیوی کو درست کر کے یحییٰ بخشا اور دوسری نعمت یہ کی کہ اُن کی بیوی کو آئندہ بھی اُن کے لئے درست بنا دیا۔ اگر یہ نعمت حضرت یحییٰ کی پیدائش پر ہی ختم ہو گئی ہوتی تو یحییٰ کی پیدائش کے بعد بھی اس نعمت کا ذکر کرنا بیمعنی ہوتا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زکریاؑ کے ہاں یحییٰؑ کے بعد بھی کوئی بیٹا بیٹی پیدا ہوئے اور وہی اولاد حضرت یحییٰؑ کے بہن بھائی بنے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام ابن مریم تھا۔ خدا تعالےٰ سورت آل عمران میں فرماتا ہے کہ فرشتوں نے مریمؑ کو خوشخبری دی کہ تیرے بیٹے کا نام مسیح عیسیٰ۔ ابن مریم ہوگا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابن مریم صرف ایک نام ہے جو مریم کی شہرت کے سبب پڑ گیا تھا۔ اسی طرح مسیح بھی بہت لوگ ہوئے ہیں۔ ابن مریم پر بھی یہ نام عائد کیا گیا۔ الیسع و یسعیا اور یوشع بھی کئی لوگوں کے نام تھے۔ مسیح کو بھی یسوع اور عیسیٰ کے نام سے پکارا جائیگا۔ یسوع اور عیسیٰ کے معنی ہیں جو اپنی قوم کو جہالتوں اور ضلالتوں سے نکالے اور مردہ حالت سے ترقی کر کے عروج پر پہنچائے۔ موسیٰ علیہ السلام بھی اپنی قوم کے منجی تھے۔

یہ کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ اگر کسی کی ماں کا ذکر آئے تو اس کا باپ نہ ہو اور باپ کا ذکر آئے تو اس کی ماں نہ ہو۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکیاں کہتی ہیں کہ ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے اور ان سے ایک موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرتی ہے کہ میرا باپ تجھے بلاتا ہے۔ حضرت شعیب کی بیوی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ہاں عموم کے طور پر ذکر ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بالتحقیق تجھ سے پہلے رسول بھیجے ہیں اور اُن کے لئے بیویاں اور اولاد بھی بنائی ۱۳/۱۲۔ اس آیت سے عموم کے طور پر حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام کی بیویوں اور اولاد کا بھی صریح پتہ چلتا ہے۔ اگر اس آیت سے تمام رسولوں کی اولاد اور بیویوں کا پتہ نہیں لگتا تو شعیب علیہ السلام کی بیوی کا بھی پتہ نہیں لگ سکیگا ایسی صورت میں محض ان لڑکیوں کے باپ کا ذکر آنے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اُن کی ماں نہیں تھی

یقیناً غلط ہے۔ اسی طرح ماں کا ذکر کرنے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت عیسیٰ کا باپ نہیں تھا سراسر باطل ہے۔
قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے باپ کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ ہاں ہٰذا اٰبَآءِ بِهِمْ والی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے باپ کا ذکر اسی طرح آیا ہے جسطرح مسیح علیہ السلام کے باپ کا بھی ذکر آیا ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام انھیں ماں جائے بھائی کہکر ہی پکارتے ہیں۔ پھر کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا باپ نہ تھا صحیح ہو سکتا ہے؟
سیدوں کو بنی فاطمہ کہتے ہیں حالانکہ وہ حضرت علی کی اولاد تھے۔ علماء کے پاس ایسے مشتبہ الفاظ کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ خدا تعالےٰ متشابہات کو دور کر کے محکمات کو قائم کرتا ہے اور سکھاتا ہے کہ قرآن کا ترجمہ ہمیشہ محکمات کے ماتحت ہی کرنا چاہیئے۔
رسول کریم کے زمانہ میں نصاریٰ حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کو دو معبود ٹھہراتے تھے۔ ماں کا نام بالخصوص اسلئے لایا گیا ہے تاکہ ان دونوں کی اُلوہیت کو توڑا جائے جیسا کہ پہلے ذکر آ
بعض لوگ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ۲۱/۱۴ کی آیت سے ثابت کرتے ہیں کہ لوگوں کو باپوں کے نام سے پکارنا چاہیئے۔ وہ لوگ اس حوالے کو پیش کر کے اٰبا کے معنی باپوں کے ہی لیتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ حوالہ یقیناً غلط ہے۔ اُدْعُوْهُمْ میں هُمْ کی ضمیر جو جمع مذکر غائب ہے ادعیاء کی طرف پھرتی ہے نہ تمام لوگوں کی طرف۔ حضرت مسیح علیہ السلام کسی کے متبنیٰ نہ تھے۔ اس آیت سے بصفائی تمام معلوم ہوتا ہے کہ متبنیٰ لوگوں کو باپوں کے ناموں سے پکارا جائے۔ متبنیٰ بنانے والا خود انھیں اپنا بیٹا نہ کہے تاکہ لوگ حرمت و حلت اور وراثت میں دھوکا نہ کھا جائیں۔ اور چونکہ ادعیاء کے باپ تو ضرور ہوتے ہیں اسلئے یہ نہیں فرمایا کہ اگر ان کے باپ نہ ہوں بلکہ فرمایا ہے کہ اگر تم کو اُن کے باپوں کا علم نہ ہو تو انھیں اپنے دینی بھائی سمجھو۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جوڑوں کی پیدائش کے بعد باپ تو ضرور ہوا کرتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھی اُن کے باپوں کا پتہ نہیں چل سکتا۔ یہ بات اِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ کے لفظ سے سورج کی طرح ظاہر ہے ۳۳/۵
مشرکین قریش فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ عیسائی پیدائش مسیح میں روح القدس کو دخیل سمجھتے تھے۔ جبرئیل اور دیگر فرشتوں نے اُن کی خوشخبری دی تھی۔ قریش کہتے تھے کہ ہمارے معبود یعنی فرشتے مسیح سے بہتر ہیں۔ اسلئے جب مسیح کا ذکر آتا تھا تو کفار خوشی کے سبب سے پھولے نہ سماتے تھے اور تالیاں بجاتے تھے۔ کہ جب عیسائی مسیح کو پوجتے ہیں تو ہمارے فرشتے مسیح سے افضل ہونے کی وجہ سے پوجے جانے کے زیادہ لائق ہیں۔ قریش اس دلیل کو عیسائیوں کے آگے

کو پیش کر سکتے تھے۔ ہمارے رسول کریم کے سامنے اس ڈھکوسلے کو پیش کرنا ایک مجادلانہ اور مخاصمانہ حیثیت رکھتا تھا۔ فرشتوں نے مسیح کی پیدائش کی اُسوقت خوشخبری دی جبکہ مریم ابھی بیت المقدس کے ساتھ تعلق رکھتی تھی۔ لیکن جسوقت وہ اپنے اہل میں آگئی اُسوقت سے اُسکا تعلق بیت المقدس سے جاتا رہا اُسوقت جو سعید روح اُس کے پاس آئی۔ وہ ایک تندرست بشر تھا۔ سورت مریم میں پیدائش مسیح کے متعلق فرشتوں کے آنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ خوشخبری بہت سے فرشتوں نے دی تھی۔ لیکن وہ سعید روح کہتی ہے کہ مجھے خدا نے اسلئے بھیجا ہے تاکہ میں تجھے بیٹا دینے کا سبب بنوں۔ بیٹا دینا اور بات ہے اور خوشخبری دینا الگ معاملہ ہے۔ خوارق کے قائل ایسی باتوں کو خواہ مخواہ جمع کر لیا کرتے ہیں اور اسطرح حقیقت حال کو گم کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ انسان میں نطفے کو اعتدال پر لاتا ہے اور اس میں زندگی کی روح پھونکتا ہے۔ پھر وہ نطفہ اُس علقہ کو لیکر رحم مادر میں داخل ہوتا ہے اور آنکھوں اور کانوں والا بنکر پیدا ہوتا ہے ۲۲/۱۴

تمام مخلوقات جو خدا تعالےٰ کے حکم سے پیدا ہوتی ہے خدا تعالےٰ کے کلمات کہلاتی ہے۔ نطفہ بھی ایک کلمہ ہے۔ وہی کلمہ مریم کی طرف ڈالا گیا۔ مسیح کی اصلیت روح ہے جو بمنزلہ ایک حرف کے ہے کلمہ مرکب صورت کا نام ہے جو علقہ کی شکل اختیار کر کے رحم مادر میں ڈالا جاتا ہے۔ اور مسیح کا کمال رسالت ہے جو کہ کلام یا آیت کے حکم میں ہے تمام رسولوں کا یہی حال ہے۔ اُن کو خدا بنانا قطعاً غلط ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ اس آیت سے نتیجہ نکالتا ہے کہ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ۔

تمام رسولوں کا کمال جو جوڑے کا سلسلہ بنانے کے بعد پیدا ہوتے ہیں رسالات الٰہیہ کے حاصل ہونے کے وقت ہی ہوتا ہے پھر بات یہ ہے کہ وہ نطفے کی صورت میں ماؤں کے پیٹوں میں ڈالے جاتے ہیں۔ اور اصل حقیقت کے لحاظ سے وہ ایک روح ہی ہوتے ہیں جو امر الٰہی سے پیدا ہوتی ہے۔ پس جب مسیح کے ساتھ دوسرے رسولوں کا بھی یہی حال ہے تو لازم ہے کہ تم اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اُنھیں مسیح کی طرح خدا مت ٹھہراؤ۔ لوگ دوسرے نبیوں کو بھی خدا جانتے تھے ۲۲/۱۴ و ۲۲/۱۴ و ۲۲/۱۴ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ کی آیت کے نتیجے میں رسولوں کے جمع لانے سے بطلان تمام ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش بھی دوسرے رسولوں کی طرح ہوئی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جب قریش نے اپنے فرشتوں کو حضرت مسیح سے افضل ٹھہرایا تو اُس کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا اور جب ابن مریم کی مثال (یعنی حال) بیان کیا جاتا ہے تو جب تو تیری قوم اس سے تالیاں بجاتی ہے اور کہتی ہے (کہ اب بتاؤ کہ) ہمارے معبود (یعنی فرشتے جو مسیح کے

بنانے والے ہیں) بہتر ہیں یا وہ (مسیح) یہ لوگ اسکا بیان تیرے آگے مجادلے کے طور پر کرتے ہیں (انھیں چاہیے تھا کہ یہ بحث عیسائیوں کے ساتھ کرتے) نہیں نہیں بلکہ یہ قوم ہی جھگڑالو ہے (اُن کی عادت ہی یہی ہے۔ خدا کے نزدیک تو مسیح کا یہ حال ہے کہ) وہ ایک بندہ ہے جسپر ہمنے انعام کیا تھا اس کی ماں کی فرمانبرداری کے سبب سے اور اُس کے خود اپنا نکاح کر لینے کی وجہ سے اس کے لئے اس کے بیٹے پر بھی انعام کیا اور انعام کرکے دکھلا دیا کہ ایسا بیٹا حکم الٰہی کے مطابق ہی نیک نمونہ اور آیت بن سکتا ہے ایسے بیٹے کی پیدائش میں کوئی دخل شیطانی نہیں ہوا) اور اسے بنی اسرائیل کے لئے نمونہ بنایا (جو ایسے نکاح کو مثل زنا سمجھتے تھے۔ اس کے آگے اللہ تعالےٰ نے قریش کو بتلایا کہ مسیح فرشتوں سے اعلیٰ تھے۔ وہ خلیفۃ اللہ ہے۔ فرشتے خلیفہ نہیں بن سکتے چنانچہ فرمایا) اور اگر ہم چاہتے تو تمہاری جگہ فرشتوں کو زمین میں خلیفہ بنا دیتے (انسان کی یہ خلافت آخرت کے ثبوت کے لئے ایک علم کا کام دیتی ہے۔ خدا تعالےٰ انسان سے ضرور جواب طلبی کرتا ہے جیسا کہ فرمایا) اور تحقیق یہ بات پیشی کی گھڑی کے لئے ایک دلیل ہے پس تم اس گھڑی میں شک نہ کرو اور (خدا فرماتا ہے کہ) تم میرے حکموں پر چلو یہی سیدھا راستہ ہے (سچا اتباع خدا تعالےٰ کا ہی ہے تمام اتباع خدا کی مطابقت میں کئے جا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ اور تمہیں شیطان (اس اتباع سے) نہ روک دیوے بلاشبہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ اور جب عیسیٰ کھلے بیانات کو لیکر اُن کے پاس آیا تو اُس نے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لیکر آیا ہوں (یہ اسوقت کا بیان ہے جبکہ وہ رسول بنکر بنی اسرائیل کی طرف آیا تھا۔ وہ خوارق لیکر نہیں آیا تھا بلکہ حکمت کا نشان لیکر آیا تھا) اور (اس لئے بھی آیا ہوں) تاکہ میں تمہارے لئے (بحکم الٰہی) بعض ان باتوں کا بیان کر دوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو (اُن باتوں میں جن کو میں خدا کی طرف سے لیکر آیا ہوں) بلاشبہ اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ سو تم اس کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے ۲۵/۱۲" ان آیات سے بھی مسیح کی ولادت اور مسیح کے معجزات پر پوری روشنی پڑتی ہے۔

اُس بشرا سوی نے اسی علقے کو جس میں مسیح کی روح تھی شرمگاہ کے راستے سے ڈالا (سورت تحریم) اور اس باہر سے گئی ہوئی چیز نے پیٹ کے اندر جا کر مریم علیہا السلام کو حاملہ کر دیا اور حضرت مریم علیہا السلام کو عام قاعدے کے مطابق مناسب وقت پر دردِ زہ نے پکڑ لیا وہ بشر سوی مسیح کے جنانے کے وقت مریم کو تسلی اور آرام دیتا تھا۔ سفر میں جہاں مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے وہاں بھی چشمہ اور کھجوریں موجود تھیں۔ وہ علاقہ ناصرت کے قریب تھا۔ دوسرے دن ناصرت میں

داخل ہوتا تھا۔ اسلئے مرد ناصری نے حضرت مریم کو ایک دن کے لئے کلام کا روزہ رکھنے کا اشارہ کیا مسافر عورتیں حضرت مریم کو کہتی تھیں کہ ایسی مصیبت کی حالت میں تو نے کیوں سفر اختیار کیا۔ ایسے کلاموں سے تنگ آکر حضرت مریم نے کہا کہ میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور میں بھولی بسری ہوتی۔ اس بیصبری کو دیکھکر اس مرد ناصری نے اسے ایک دن کے لئے روزہ رکھنے کا حکم دیا تاکہ وہ مسافر عورتوں کی باتیں سُنکر تنگی نہ محسوس کرے اور اسے ہر قسم کی تسلی دی کہ خدا نے اس ضرورت کے وقت میں بھی تیرے لئے تمام ضروری چیزیں مہیا کردی ہیں تو خود ہی جب چاہے کھجور کو ہلا کر کھجوریں حاصل کرسکتی ہے۔ خدا نے تیرے لئے حسب موقعہ خوراک اور صفائی کے لئے کھجوریں اور چشمے بہم پہنچا دیئے ہیں۔ مسیح علیہ السلام کی اُمت کو اُن کے ناصری باپ کی وجہ سے ہی نصاریٰ کہتے ہیں۔ نصاریٰ کا لفظ بھی اُن کے باپ ہونے کے لئے اشارے کا کام دیتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے اتنا لمبا سفر جس میں مسیح علیہ السلام پیدا بھی ہوگئے اکیلے ہی اختیار نہیں کیا تھا بلکہ ان کے ساتھ انکا خاوند بھی تھا جو اُنھیں راستے میں امن و آرام دینے کا موجب تھا۔ وہی مرد ناصری اُنھیں لیکر اس علاقے کی طرف آگیا جو آرام اور چشموں کا علاقہ تھا۔ اصل پناہ تو خدا دیا کرتا ہے لیکن وہ پناہ بالعموم انسانوں کے ذریعے سے ہی ملتی ہے۔ جب مسلمانوں نے ہجرت کی تو خدا نے اُنھیں فرمایا کہ فَاٰوٰکُمْ ۚ یعنی خدا نے تمہیں مدینے میں پناہ دی لیکن انصار کے ذریعے سے ہی ملی جیسا کہ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا سے ثابت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مریم علیہا السلام کے لئے بحکم الٰہی وہ مرد ناصری آیا اور اُن کے ساتھ حکم الٰہی کے مطابق نکاح کیا اور جب دیکھا کہ لوگ مریم کو اس نکاح کی وجہ سے ستاتے ہیں تو وہ اُنھیں پناہ دیکر ناصرت کی طرف لے آیا جو ایک اونچی جگہ ہے اور جسے آرام اور چشموں کا علاقہ کہا جاتا ہے ۱۳۔ اس آیت سے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے باپ کا صریح پتہ چلتا ہے۔

بیت المقدس میں یہودیوں کے اقتدار کی وجہ سے یہودیوں کا بہت کچھ زور تھا۔ لیکن ناصرت وغیرہ میں رومی ان یہود کو کسی مداخلت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ پھر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ تشبیہ میں پانچ چیزوں کا بیان آتا ہے اوّل مشبہ۔ دوم مشبہ بہ۔ سوم حرف تشبیہ۔ چہارم وجہ شبہ پنجم غرض تشبیہ۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ الخ ۳ میں ان پانچوں باتوں کا بیان لایا گیا ہے۔ ان آیات میں مَثَلَ عِیْسٰی یعنی عیسیٰ کا بیان مشبہ ہے اور مَثَلِ اٰدَمَ یعنی آدم کا بیان مشبہ بہ ہے اور کَ حرف تشبیہ دونوں کے درمیان موجود ہے۔ مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ کئی ایک

ہوسکتی ہیں۔ شیر بہادر بھی ہوتا ہے اور اُس کی گندہ دہنی کے سبب سے اس سے نفرت بھی کی جاتی ہے اگر کسی شخص کو شیر کے ساتھ گندہ دہنی میں تشبیہ دی جائے تو اس تشبیہ سے وہ نتیجہ نہیں نکلیگا جو بہادری کی تشبیہ سے نکالا جاتا ہے۔ خوبصورت شخص کو خوبصورتی میں گلاب کے ساتھ بھی تشبیہ دی جاسکتی ہے اور اگر وجہ شبہ مُرجھانے اور خشک ہوجانے کو قرار دیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلیگا کہ یہ خوبصورتی قائم نہیں رہیگی۔ خوش الحان کی آواز کو شیرینی میں بتاشوں کے ساتھ بھی تشبیہ دی جاسکتی ہے اور اگر ٹوٹ پھوٹ جانے کے لحاظ سے دی جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلیگا کہ اس الحان کا لطف جلدی جاتا رہیگا وغیرہ۔

وجہ شبہ اگر مذکور نہ ہو تو سامع کا اختیار ہوتا ہے کہ جس بات کو مناسب دیکھے وجہ شبہ بنا لیے لیکن جہاں وجہ شبہ بیان کردی جائے وہاں کسی کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ اپنی طرف سے کوئی نئی وجہ شبہ قرار دے لے اور جو نتیجہ چاہے نکال لے۔ قرآن مجید نے اس جگہ خود ہی وجہ شبہ بتلادی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اُس کے لئے کہا کہ ہوتا جا پس وہ ہوتا جاتا تھا یعنی بچپن سے جوانی میں۔ جوانی سے بڑھاپے میں اور بڑھاپے سے موت وغیرہ میں بدلتا جاتا تھا تمام اولادِ آدم نسلِ آدم ہونے کی وجہ سے آدم کی مانند ہی ہے۔

قرآن مجید میں نفس واحدہ آدم علیہ السلام کو ہی کہا گیا ہے ۴/۱۲ و ۱/۱۸ و ۹/۱۴ و ۲۳/۱۵۔ اور تمام انسانوں کی پیدائش کو اور خدا کے آگے پیش ہونے کو نفس واحدہ یعنی آدم کی مانند ہی قرار دیا گیا ہے ۲۱/۱۲۔ پس مومن اور کافر ہر ایک کی پیدائش نسلِ آدم ہونے کے سبب سے ہی آدم علیہ السلام کی مثل ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کی خلق بھی نسلِ آدم ہونے کی وجہ سے آدم کی مانند ہے۔ بلاشبہ حضرت عیسٰی علیہ السلام بنی آدم تھے اور آدم کے بعد مدت ہائے دراز تک انسان ہی پیدا ہوتے رہے اور وہ جوڑوں سے ہی پیدا کئے جاتے رہے۔ اب بھی انسان کی پیدائش کا وہی حال چلا آتا ہے۔ بیچ میں ایک عیسٰیؑ نوع انسان سے الگ ہوکر اور خدا کا بیٹا بن کر کیسے پیدا ہوگیا۔ حاصل یہ ہے کہ جسطرح ہماری پیدائش نفس واحدہ یعنی آدم کی پیدائش کی مانند ہے یہی حال عیسٰی علیہ السلام کا بھی ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی مانند مٹی سے پیدا نہیں کئے گئے وہ تو اپنی ماں کے پیٹ سے ہی دوسرے بچوں کی طرح دردِ زہ کے ساتھ برآمد ہوئے۔ جسطرح ہم کو خدا تعالےٰ ہماری ماؤں کے پیٹوں سے نکالتا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بھی ماں کے پیٹ سے ہی نکالا گیا ۴/۱۲۔ ہم سب ماؤں کے پیٹ میں ماؤں کے نکاح

کے بعد ہی جاتے ہیں۔ پھر ایک مسیح کو ہی بے نکاحی کے پیٹ سے پیدا کرنے کا کیوں دعوے کیا جاتا ہے دنیا میں کبھی کوئی ایسی ماں نہیں ہوئی جس کے ساتھ پیدا ہونے والے بچے کا باپ نہ ہو۔ یہ اندھیر صرف مسیح کے حق میں ہی مانا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آدمؑ کی اولاد ہونے کے سبب سے ہی مٹی کی پیدائش کہلاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ تمام کافروں کو بھی فرماتا ہے کہ ہمنے تم کو مٹی سے پیدا کیا ۱۵

سورت کہف میں ایک مومن رفیق اپنے کافر رفیق کو کہتا ہے کہ خدا نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا پس عیسیٰ علیہ السلام اولاد آدم میں سے ہونے کے سبب سے ہی مٹی کے ہیں۔ پھر وہ پیدا ہونے کے بعد اسی طرح تغیرات میں رہے جس طرح آدم علیہ السلام رہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ و عیسیٰؑ میں وجہ شبہ یہ تھی کہ عیسیٰؑ آدمؑ کی طرح ہی مٹی کا تھا اور انھیں کی طرح ایک حال سے دوسرے حال میں بدلتا جانیوالا تھا۔ پھر کیا ایسا شخص خدا کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ ان آیتوں میں حضرت عیسیٰ اور آدم کی تشبیہ کی غرض یہ بتلائی ہے کہ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ۔ اس جگہ خدا تعالیٰ نے تشبیہ کے بیان کو مکمل کر دیا ہے۔ ہمیں ان آیات سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ کا باپ بالضرور تھا۔ وہ بے نکاحی کا بیٹا ہرگز ہرگز نہیں تھا۔ مباہلے میں دونوں طرف سے اولاد اور بہن بھائیوں اور عورتوں کو حاضر کرنے سے بھی اسی حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ یہ سب اولاد آدم ہونے کے سبب سے عیسیٰ علیہ السلام کی طرح جوڑے سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ جسطرح سے یہ خدا نہیں ہیں مسیح بھی اسی طرح خدا نہیں ہو سکتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ کُنْ فَیَکُوْنُ کے قاعدے سے پیدا ہوا ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ ہم سب بھی اسی قاعدے سے ہی پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وہی خدا تو ہے جس نے تم کو تراب سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے پھر علقہ سے۔ پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتا ہے پھر (تمہیں مہلت دیتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ۔ پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تم میں سے ایسے شخص بھی ہیں جو پہلے ہی (کسی انسانی غلطی کا شکار ہو کر) پہلے سے ہی فوت کئے جاتے ہیں۔ اور اللہ تم کو مہلت دیا کرتا ہے) تاکہ تم مقررہ میعاد تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم عقل والے بن جاؤ۔ وہی خدا تو ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے سو جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے اس کے سامان کو کہتا ہے کہ ہوتا جا پس وہ ہوتا جاتا ہے ۱۶ حاصل یہ ہے کہ یہ الفاظ مسیح کی پیدائش کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ ہم بھی اسی طرح سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ خدا ہی ہم کو پیدا کرتا ہے اور ہمارے لیے تمام سامانوں کو بہم پہنچاتا ہے۔ لیکن ہم میں سے اکثروں کا توکل ڈگمگا جاتا ہے۔ اور

مخلصانہ فرمانبرداری میں بھی خلل واقع ہو جاتا ہے۔

ہم ماں باپ سے ہی پیدا ہوتے چلے آئے ہیں۔ باوجود اس کے ہماری پیدائش خدا تعالےٰ کی مشیت سے ہی ہوتی ہے۔ ہم ماں باپ سے پیدا ہو کر بھی یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ میں داخل ہیں پس یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ سے پیدا ہونے والا ماں باپ سے خالی نہیں ہوا کرتا۔

آسمانوں اور زمین کا اختیار خدا تعالےٰ کے لئے ہے۔ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے (آگے اسکی دلیل دی ہے) جسکو چاہتا ہے بیٹیاں بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے یا بیٹے اور بیٹیوں کو ملا کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنی حکمت کے مطابق بانجھ بنا دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ بڑے علم والا بڑی قدرت والا ہے ۲۵۰/۶ خدا تعالےٰ اپنا اختیار و قدرت دکھاتا ہے لیکن ہر کام حکمت کے مطابق کرتا ہے۔ دسویں جماعت والوں کو الف۔ ب والی جماعت میں داخل نہیں کرتا پس دسویں جماعت پر پہلی جماعت کا قیاس کرنا سراسر فضول ہے۔ مذکورہ بالا لڑکے لڑکیاں جوڑوں سے ہی ملتے ہیں۔ جوڑوں کی پیدائش اس حکمت کے لئے بنائی گئی ہے کہ آدم و حوا جیسی پیدائش جو قواعدِ قدرت کے مطابق مدتہائے دراز میں ہوئی تھی۔ جوڑوں کی پیدائش سے اسی کو قوانین قدرت کے مطابق جلدی سے تیار کیا جائے۔ جب یہ سہل اور حکیمانہ قاعدہ موجود ہو گیا تو اسے ابتدائی لمبے قاعدوں میں ڈالنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ ہر کام کے لئے ایک موقعہ ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ بے موقعہ کام کرنے سے پاک ہے۔

اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ جب کوئی فرشتہ (بفرض محال) آدمی بنا کر بھیجا جائے تو اُس فرشتے اور آدمی میں کوئی تمیز نہیں ہو سکیگی ۲/۹

کفار فرشتوں کو دیکھنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جس دن وہ فرشتوں کو دیکھتے ہیں مجرموں کے لئے کوئی خوشخبری نہیں ہوتی ۹/۲ اسوقت مجرموں کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور وہ دوسرے عالم میں پکڑے چلے جاتے ہیں۔ وہ دنیا کے لوگوں کو بتانے کے لئے واپس نہیں آتے کہ ہم نے فرشتوں کو دیکھا ہے۔ اس طرح فرشتوں کا دیکھنا اُنھیں کچھ کام نہیں دیگا۔

موت کے وقت فرشتے مرنے والے کے مُنہ اور پیٹھ پر مارتے ہیں۔ اس عذاب کو مرنے والے کے سوائے دنیا کے لوگ نہیں دیکھ سکتے۔ اس معاملے کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے دنیا کے ساتھ نہیں۔ یہ بات بھی آخرت کی حقیقت پر روشنی ڈالنے والی ہے ۲۶/۲ وغیرہ فرشتوں کو اس دنیا میں دیکھنے کی ایک صورت ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ فرشتے کو مرد بنا کر لایا جائے۔

اللہ تعالےٰ اس کے متعلق فرماتا ہے (بفرض محال) جب کوئی فرشتہ آدمی بنا کر بھیجا جائے تو اس فرشتے اور آدمی میں کوئی تمیز نہیں ہو سکیگی اور جو اعتراض اب بشر رسول پر کئے جاتے ہیں وہی اس فرشتے پر بھی کئے جائیں گے ہے۔ ایسے فرشتے پر وہی حکم لگائے جا سکتے ہیں جو آدمی کے لئے ہوں۔ ایسا فرشتہ عورتوں سے مجامعت کر سکتا ہے۔ کھانا کھا سکتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جو فرشتہ آیا تھا۔ وہ پورا مرد بنکر آیا تھا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ مجھے خدا نے اسلئے بھیجا ہے کہ میں تجھے بیٹا بخشنے کا باعث بنوں۔ وہ آدمی بنا ہوا فرشتہ سفر میں حضرت مریم کے ساتھ تھا۔ مریم کو عام قاعدے کے مطابق وہی دردیں شروع ہوئیں جو دوسری جننے والیوں کو بھی ہوا کرتی ہیں۔ ایسے وقت میں دائی کی اشد ضرورت ہوتی ہے اس شخص کے مریم کے تحت میں ہونے سے اسکا صریح ثبوت ملتا ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ بالضرور موجود تھا۔ اگرچہ وہ بقول بعض علماء ایسا فرشتہ تھا جو تندرست انسان بنکر آیا تھا۔ تَمَثَّلَ لَهَا کے معنی ہیں ظَهَرَ لَهَا یعنی وہ مریم کے سامنے آیا۔ بَشَرًا سَوِيًّا تمثل کے فاعل سے حال ہے۔ مغنی اللبیب والا اس حال کے لئے دو مثالیں بیان کرتا ہے پہلی مثال یہ ہے جَاءَنِي زَيْدٌ رَجُلًا مُحْسِنًا یعنی زید میرے پاس اس حال میں آیا کہ وہ احسان کرنے والا مرد تھا۔ اس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ زید پہلے بھی مرد تھا۔ آنے کے وقت احسان کرنیوالا مرد ہو کر آیا۔ دوسری مثال یہ لکھی ہے کہ تَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا یعنی وہ مریم کے سامنے آیا اس حال میں کہ وہ تندرست بشر تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے ہی بشر تھا۔ ہاں اگر پہلے اس میں کوئی بیماری تھی تو اس نمودار ی کے وقت وہ پورا پورا تندرست بشر تھا۔ اس سے اس روح کا بشر ہونا بڑی صفائی کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ تمثل کے معنی منتخب اللغات میں برمثال چیزے شدن لکھا ہے اور منتہی الارب میں اس کے معنی برابر چیزے شدن لکھے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اس معنی میں یہ لفظ لام کے ساتھ متعدی بنایا جاتا ہے اور لام یہاں موجود ہے۔ پس تمثل لھا کے معنی ہوئے کہ وہ نیک روح مریم کی مانند بن کر آیا۔ مریم کو وحی الٰہی ہوئی۔ مریم بلاشبہ صدیقہ تھی۔ اس شخص نے بھی ارادہ کیا کہ میں نکاح کے معاملے میں مریم کے پیچھے چلونگا۔ اسکی مخالفت ہرگز نہیں کرونگا۔ عورت کے لئے بھی اس کی مثل ہی حقوق ہوتے ہیں جو مردوں کے لئے ہیں پس نیک مرد بیوی کے مثل اور خیر خواہ بنکر آتے ہیں۔ ان پر زیادتی کا کوئی ارادہ کرکے نہیں آتے۔ ایسے ارادے والوں کا نکاح بلاشبہ بڑی برکات کا موجب ہے۔

ہاں جب وہ مریم کے پاس ہتقال امر کرنے کا ارادہ کر کے آیا تو وہ اس حال میں تندرست بشر ہی تھا جلاشبہ وہ بشر تھا۔ مریمؑ اسوقت اپنے اہل میں واپس آئی ہوئی تھی اور بیت المقدس کے متولیوں کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں رکھا تھا۔ ضرور ہے کہ مریمؑ نے اپنے اہل میں آکر اپنی پیشگوئی کا ذکر کیا ہو۔ اور اس کے خاندان نے بھی اس سے یہی نتیجہ نکالا ہو کہ اس پیشگوئی کے مطابق خدا تعالےٰ نے تجھے نکاح کی اجازت دی ہوئی ہے۔ لیکن مریمؑ کا یہ ارادہ تھا کہ جب خدا نے ضرور ہی یہ کام کرنا ہے تو وہ خود آپ ہی کسی کو وحی کر کے میری طرف بھیجیگا۔ اسباب کا مہیا کرنے والا اکیلا وہی ہے جیسا کہ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ سے ثابت ہے۔ وہ خدا کے پیغام لانے والے کی منتظر تھی۔ وہ محض کسی کے کہنے سے اس کام کے لئے آمادہ نہ تھی۔ پس وہ اپنے اہل سے ہٹکر صحن یا کوٹھے پر دھوپ میں جا بیٹھی اور اپنے اور اہل کے درمیان دیوار وغیرہ کا پردہ پکڑ لیا۔ اس پردہ پکڑنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے شور و غوغا کو سُن سکتے تھے۔ اور ایک دوسرے کی مدد کے لئے پہنچ سکتے تھے۔ وہ بشرًا سوی اہل میں سے ہو کر آیا۔ ضرور ہے کہ اہل کے لوگ اس سے پورے طور پر واقف ہوں۔ اور ضرور ہے کہ وہ بشرًا سوی مریمؑ کے اہل کے بتلانے سے ہی مریم کے پاس آیا ہو۔ مریم بھی اسکا بڑا پرہیزگار ہونا جانتی تھی۔

مریمؑ نے کہا اگر تو بڑا پرہیزگار ہے جیسا کہ میں تجھے جانتی ہوں۔ تو میں نے یہ معاملہ رحمان پر چھوڑا ہوا ہے۔ میں تجھ سے رحمان کی پناہ میں آتی ہوں۔ تو اس معاملے میں کوئی دخل نہ دے۔ مریمؑ کو خیال گذرا کہ میرے اہل نے ہی اسے میرے ساتھ نکاح کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اگر مریمؑ اُسے فاسق و فاجر۔ چور اور ڈاکو تصور کرتی تو کیا وہ دُہائی دیکر اپنے اہل کو بلا نہیں سکتی تھی۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ مریم نے ان سے درے پردہ پکڑا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس پردے کے بغیر اُن کے اہل کی نگاہ مریم تک پہنچ سکتی تھی۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سردی کا موسم تھا۔ جس کے لئے حضرت مریم دھوپ والی جگہ میں جا بیٹھی۔ اور اگلی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے وقت کھجوریں بالکل پختہ تھیں۔ اس سے اس بات کا صاف پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ اُن کی مدت حمل کس قدر تھی۔

جب اسی بشرًا سوی نے کہا کہ میں اپنی مرضی سے نہیں آیا بلکہ تیرے رب کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ اور آیا اس لئے ہوں تاکہ تجھے بیٹا دینے کا باعث بنوں تو مریم نے کہا کہ یہ تو محال ہے کہ بغیر نکاح یا زنا کے مجھے بیٹا ہو جائے۔ تو خدا کا بھیجا ہوا ہے تو زنا کے لئے نہیں آسکتا۔ تو کیا تو بیٹا دینے کی خاطر نکاح کرنے کے لئے آیا ہے۔ تو رب کے اس رسول نے کہا کہ بات یہی ہے کہ میں نکاح کرنے کے لئے

آیا ہوں۔ تو نکاح کو رواج کے خلاف دیکھکر بیزار ہے۔ تو اپنی مرضی سے نکاح کرنے کو ایک بھاری امر خیال کرتی ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ بات میرے سامنے ایک معمولی سی بات ہے۔ اور خدا کا منشا ہے کہ تیرے اس نکاح کو لوگوں کے لئے ایک نشان بنائے۔ بلاشبہ یہ نکاح لوگوں کے لئے ایک نمونہ تھا۔ اس نکاح سے ایک نبی اور مبارک اور سلوک والا اور سعادتمند اور سلامتی والا بیٹا پیدا ہوا اس بیٹے کے وجود نے بھی مریم کے اس نمونے کو لوگوں کے لئے فی الواقعہ نشان بنا کر دکھا دیا۔ پس ماں اور بیٹا دونوں مل کر ہی ایک ثابت شدہ نشان بنے ۱۵/۳ و ۱۶/۴

بہت سے عیسائی حضرت مریم اور عیسیٰ دونوں کو الٰہ کہتے تھے۔ قرآن فرماتا ہے کہ وہ ہرگز الٰہ نہیں ہیں بلکہ آیت اللہ ہیں۔ جب حضرت مریم علیہا السلام کو اس رسول کے بیان سے پوری طرح تشفی حاصل ہوئی تو ضرور ہے کہ نکاح کیا گیا ہو۔ اور حضرت عیسیٰ کا علقہ شرمگاہ کے راستے سے داخل ہوا اور مریم حاملہ ہو گئیں۔ عورت کے لئے سفر میں سرپرست کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر حاملہ کے لئے تو اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔

وہ رسول ہی حضرت مریم کو کسی دور علاقے کی طرف لے گیا فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا میں ہ کی ضمیر اسی رسول کی طرف پھرتی ہے۔ آگے وہی رسول مریم کو بیصبری سے ڈانٹتا ہے اور مریم کے لئے آرام کی چیزوں کا پتہ بتاتا ہے اور ایک دن کے لئے کلام کا روزہ رکھنا فرماتا ہے۔ تاکہ کسی کے ساتھ آئندہ بیصبری کی باتیں نہ کی جائیں۔ پھر مریم اور اُن کا بیٹا مدت دراز تک اُس پناہ دینے والے ناصری کے پاس ناصرت میں رہے۔ جب وہ شخص فوت ہو گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل ملی اور نبی بنائے گئے تو مریمؑ اُنھیں ترغیب دیکر اور سوار کر کے قوم کی طرف لائی۔ مسیحؑ نے اپنے باپ سے بھی ورثہ پایا اور جہاں جہاں اُنھوں نے کوئی کام کیا تو خدا نے اُنھیں برکت دی۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ سلوک کرنے والے تھے اور آپ کو حکم تھا کہ اپنی وفات تک نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیتے رہیں۔

جب اُن کی ماں اُنھیں سوار کر کے قوم کی طرف لائی تو قوم نے پہلے اُن کی ماں پر ہی سوال کیا کہ تیرا باپ اور ماں بُرے نہ تھے۔ تیرا بڑا بھائی ہارون تھا۔ تو نے اس کو بھی ولی نہ بنایا۔ تو نے یہ ایسا کام کیا ہے جو دروغ بر بافتہ یعنی خلاف شرع اور بدعی کام ہے۔ پس کیا ایسے کام کا نتیجہ بھی مسیح کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ چونکہ یہ ایک مسئلہ تھا اسلئے حضرت مریمؑ نے اشارہ کیا کہ میرے بیٹے سے پوچھو۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ تو زمانہ ماضی میں نجار باپ کے بنائے ہوئے پنگھوڑوں میں کھیلا کرتا تھا۔ آنیوالا مسیح تو خدا ہوگا۔ اُسے بچپن کے وقت پنگھوڑوں میں کھیلنے کی کیا ضرورت۔ اس نے عام بچوں

معتین کے معنی کے لئے دیکھو ۱۵/۳

کی طرح پرورش پائی ہے اور ضرور ہے کہ یہ اپنے مہربان باپ کو ہی اچھا بتائیگا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں خدا بن کر نہیں آیا ہوں۔ صرف ایک بندہ ہوں۔ جب خدا تعالےٰ بیت المقدس کے امام کے لئے جائز نہیں سمجھتا کہ وہ حرامزادہ ہو تو کیا وہ نبی کو ہی ایسا بنا سکتا ہے اور اُسے انجیل جیسی تعلیم دے سکتا ہے۔ اور جہاں جہاں وہ جائے اسے مبارک بنا سکتا ہے اور اسے شکر گذار بنانے کے لئے نماز و زکوٰۃ کا حکم بھی دیا کرتا ہے۔ خدانخواستہ اگر یہ ماں خدا کے حکم کے برخلاف کام کرتی تو خدا مجھے کیوں اس ماں کے ساتھ بالخصوص سلوک کرنے کا الگ حکم دیتا۔ میں اپنے باپ کا بھی سعادتمند بیٹا ہوں کیونکہ خدا نے مجھے جبار و شقی نہیں بنایا۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام پر سلامتی تھی کہ اُن کے ماں باپ دونوں موجود تھے۔ مجھ پر بھی وہی سلام ہے جو یحیٰی علیہ السلام پر تھا یحیٰی کے لئے سلام نکرہ لایا گیا ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے لئے اُسی سلام کو ثابت کیا ہے جو یحیٰی علیہ السلام پر کیا گیا تھا۔ قوم مسیحؑ کی پیدائش کو ناجائز بتاتی تھی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جواب میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہا جس سے اُن کا بے باپ ہونا ثابت ہو۔ بلکہ یہ دکھلایا ہے کہ میری ماں نے جو کچھ کیا ہے صحیح ہے۔ پس جھگڑا صرف یہ تھا کہ فعل حلال ہے یا حرام۔ نادان لوگوں نے بنا لیا ہے کہ جھگڑا باپ اور بے باپ میں تھا۔ جب حضرت مریم علیہا السلام عیسٰی علیہ السلام کو قوم کی طرف لائیں تو یہ وہی وقت تھا جبکہ مسیح علیہ السلام نبی بن چکے تھے۔ سورت آل عمران میں اسی وقت کے متعلق ہی آیا ہے کہ عیسٰی رسولاً الی بنی اسرائیل بنکر ہی آئے تھے۔ مسیح علیہ السلام نے یہ تعلیم اُسوقت بھی سکھائی تھی کہ اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَیْنِھِمْ الخ سے بھی بصراحت تمام معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُسوقت کا ذکر ہے جبکہ مسیح علیہ السلام نبی بن چکے تھے۔ لیکن قصہ گوؤں نے اُسے اُسی دن کا واقعہ بیان کیا ہے جسدن حضرت مسیح السلام پیدا ہوئے تھے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک بات یوں ہے کہ مریم کو ایک دن کے لئے کلام کا روزہ رکھنے کا حکم تھا۔ تو مریم نے اُسی دن حضرت مسیحؑ کی طرف اشارہ کیا تھا کہ کلام کرکے اپنی بریت دکھلائے۔

مریمؑ اپنی قوم سے الگ ہو کر اتنی مدت تک چلتی رہی کہ عیسٰی علیہ السلام پیدا بھی ہو گئے۔ یا یوں کہو کہ قوم کی طرف جانے کے لئے بہت سے دنوں کا سفر تھا۔ پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ مریمؑ اُسی دن اپنی قوم کی طرف واپس آگئی۔ جاتے ہوئے اُنھیں بہت سے دن لگے اور آتے ہوئے اُسی دن واپس آجانا کسطرح صحیح ہو سکتا ہے کہ مریمؑ اُسی دن اپنی قوم کی طرف واپس آگئی۔ جاتے ہوئے

انھیں بہت سے دن لگے اور آتے ہوئے اُسی دن واپس آجانا کسطرح صحیح ہوسکتا ہے۔ اگر یہ وہی دن تھا تو حضرت مسیح علیہ السلام کیوں فرماتے ہیں کہ مجھ پر اُس دن سلام تھا جس دن میں پیدا ہوا۔ کیا یہ وہی دن ہوسکتا ہے۔ کیا اُسی ایک دن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت سی جگہ جاکر مبارک بنائے گئے تھے۔ کیا بچپنے سے ہی اُن کو نماز اور زکوٰۃ کا تاکیدی حکم دیا گیا تھا۔ کیا بچپن ہی میں اُنھیں انجیل مل چکی تھی۔ اور نبی بن گئے تھے۔ نادان لوگ ف کو تعقیب بلافصل قرار دیکر ایسی گپیں ہانکتے ہیں

اللہ تعالےٰ سورت فرقان میں فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو کہا کہ تم دونوں اُس قوم یعنی قوم فرعون کی طرف جاؤ۔ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ سو ہمنے اُن کو ہلاک کردیا ہلاک کرنا ۱۹/۲۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف جانے کا حکم ملا تھا۔ فرعون اور اُس کی قوم کی ہلاکت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تشریف لانے کے سالہا سال بعد واقع ہوئی تھی۔ پس ایسے مقام پر ف بلافصل نہیں لائی جاتی۔ ایسی ف کے معنی الحاصل۔ حاصل کلام۔ الغرض وغیرہ کے ہوتے ہیں۔

حضرت مریمؑ کی والدہ نے جب اپنے پیٹ کے بچے کے لئے نذر مانی تو اُسے معلوم نہیں تھا۔ کہ میرے پیٹ میں بیٹا ہے یا بیٹی۔ جب لڑکی پیدا ہوئی تو اُسوقت اس نے یہ دعا کی۔ اے خدا میں اس لڑکی اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں

والدۂ مریم خوب جانتی تھی کہ نذر مانے ہوئے بیٹے بیٹیوں کا بھی نکاح کرایا جاتا ہے۔ اور ان سے اولاد بھی پیدا ہوتی ہے۔ والدۂ مریمؑ نے مریم اور اُس کی اولاد سے بدی کو دُور رکھنے کی التجا کی اُن کے دل میں یہ خیال کبھی بھی نہیں گذرا کہ یہ بیٹی بے نکاحی ہی بیٹا جنیگی۔ جن بیویوں کو اپنے خاوند کے ساتھ خلوص حاصل ہوتا ہے وہ اس خلوص کو بڑی بھاری نعمت سمجھتی ہیں۔ والدۂ مریم مریمؑ کے لئے بھی اس کو بڑی نعمت سمجھتی تھیں کہ وہ بھی اپنے خاوند کے ساتھ با اخلاص محبت رکھے۔ مفسرین نے مریم کے لئے اس با اخلاص محبت کا تو انکار کیا ہے لیکن نکاح سے جو مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ جن کے لئے بعض لوگ نکاح سے بیزار ہوتے ہیں وہ سب مریم پر عاید کردی گئیں۔ اُس کو اسی طرح حاملہ بنایا جسطرح دوسری عورتیں کُڑھا جنتی ہیں اور دردِ زہ کے سبب یہ کلمات بھی اُس کی زبان سے کہلوائے کہ میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہوتی۔ پھر مریم نے دوسری عورتوں کی طرح مدت رضاعت کو بھی پورا کیا۔ اور مسیح کے بچپن کی بیماریوں سے بھی تکلیف اُٹھائی۔ ایسی حالت میں معلوم نہیں ہوتا کہ مریم کو نکاح سے روکنے والی کونسی صحیح ضرورت پیدا ہوسکتی تھی۔ لوگ اولاد

سے آزادی اسلئے چاہتے ہیں تاکہ وہ بیفکر ہو کر خدا کے کام میں لگ سکیں اور علمی ترقیات حاصل کر سکیں مریم کو اپنے خاوند کے ساتھ مخلصانہ محبت بھی پیدا نہ ہوئی اور اسپر بار بھی دوسرے لوگوں کی طرح ہی ڈالا گیا۔ صلیب کے واقعہ تک مریم اور عیسٰے کو کوئی امن کی صورت حاصل نہیں ہوئی۔ مریم کی ماں کی شہادت صاف بتاتی ہے کہ مریم کا نکاح ہوا اور عیسٰے علیہ السلام اسی صحیح نکاح سے ہی پیدا ہوئے یہودیوں کا خیال تھا کہ مریم متولیان بیت المقدس کے دخل کے بغیر نکاح کرنے کے لئے مجاز نہیں ہے۔ مریم کا خود ہی نکاح کر لینا اُن کے نزدیک صحیح نہیں تھا۔ مریم کو بھی یہ بات کچھ دیر تک خدشے میں ڈالتی رہی۔

یہ ضروری ہے کہ خدا تعالےٰ جوڑوں کا سلسلہ چلانے کے لئے پہلے ایک جوڑے کو پیدا کرے پھر یہ بھی ضروری ہے کہ پہلا جوڑا اس طرح پر پیدا نہ ہو جسطرح جوڑے کے بعد پیدائش چلی آئی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ انسان دو ہی طریق سے پیدا ہوا ہے۔ ایک پہلے جوڑے کا پیدا کرنا۔ دوم اُن کی اولاد کو جوڑوں سے بنانا۔ اس کے لئے تیسرا کوئی قاعدہ مقرر نہیں کیا گیا۔ آگے سورت کے اخیر تک ثابت کیا گیا ہے کہ خدا کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ خدا نے کسی کے ساتھ ایسا عہد نہیں کیا کہ تو لوگوں کا شفیع بنیگا خدا کے پاس ہر شخص اکیلا اکیلا ہی حاضر ہوتا ہے۔

ترجمہ و تشریح

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمان و رحیم ہے

(۱) کٓھٰیٰعٓصٓ ۝ (ان حروف میں توحید کا بیان بیج کی طرح موجود ہے۔ اس سورت میں مسیح علیہ السلام اللہ تعالےٰ کی توحید کی تعلیم دیتے ہیں اور بڑے ذوق و شوق سے فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ۔ کٓھٰیٰعٓصٓ میں پانچ حروف ہیں جو سب کے سب اس توحیدی آیت میں لائے گئے ہیں۔

دنیا میں شرک کو کھڑا کرنے کے لئے بڑی بھاری وجہ یہی رہی ہے کہ لوگ اپنے پسندیدہ بزرگوں کو خدا کے ساتھ مثلہٗ معہٗ بناتے چلے آئے ہیں۔ حالانکہ دین۔ اللہ کا ہے۔ ہدایت۔ اللہ کی ہے۔ حکم بھی اُسی کے لئے خاص ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ۔ یعنی زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ہی ملک ہے۔ اس مالکیت میں خدا کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اسی مالکیت کے وصف سے ہی تمام مخلوقات خدا تعالےٰ کی محکوم ہے۔ اور اسی سے

نیکی میں خدا تعالےٰ کی فرمانبرداری پیدا ہوتی ہے اور بدی سے اجتناب کرنا لازم ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی ملک ہے۔ نتیجہ اس سے یہ پیدا ہوتا ہے تاکہ اللہ بدی کرنیوالوں کو اُن کے عملوں کی جزا دے اور نیکی والوں کو نیکی کا اجر دے پ۲۷۔ پس نیکی کی اطاعت اور بدی سے اجتناب خدا تعالےٰ کے حکموں کے ماتحت ہی کیا جاسکتا ہے۔

بیچ کی تفاصیل کو اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔ رسول کریم کو بھی یہ خبر نہ تھی کہ ك ھ ی ع ص کے الگ الگ کیا معنی ہیں۔ اور اگر خدا نے آپ کو اس بات کی وحی کردی تھی تو کیا وہ وحی گم ہوگئی ہے یا رسول نے اسے اپنے پاس چھپا رکھا ہے۔ جب حرفوں تک کی وحی بھی قرآن میں ہی لائی گئی ہے۔ تو اور کونسی وحی تھی جس کو قرآن کے باہر جگہ دینے کی ضرورت سمجھی گئی)

(۲) ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ (اب تمہید کے طور پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تاکہ دکھلایا جائے کہ جب یحییٰ جیسا نبی اپنی پیدائش اور نیک عمل کے سبب سے خدا نہیں مانا جاسکتا تو مریمؑ و مسیحؑ کو دو الٰہ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے) یہ تیرے رب کی اس رحمت کا ذکر ہے جو اُس نے اپنے بندے زکریا پر کی۔

(نیک اولاد کا پیدا ہونا بلاشبہ باپ کے لئے بڑی رحمت ہے اور ہر باپ کے ساتھ اس ماں کا ہونا لازم ہے جس کے پیٹ میں اس بچے کی صورت بنے۔ پس نیک بچہ ماں کے لئے بھی رحمت ہوتا ہے۔ بوڑھی اور عاقر عورت بھی اگر تندرست ہو کر بچہ جنے اور باپ کا پتہ نہ لگے تو یہ بات اس عورت کے چال چلن کی بُرائی پر دلالت کریگی۔ لیکن اگر وہ عورت نوجوان ہو اور کہا جائے کہ اُس نے بے نکاحی ہونے کی حالت میں ہی بچہ جنا ہے۔ تو ایسا بچہ اس کے لئے صراحتاً سخت طعن و تشنیع کا موجب ہوگا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے بیٹا حاصل کرنے کی دُعا شرم کے مارے آہستگی کے ساتھ کی جیسا کہ اگلی آیت میں فرمایا ہے)

(۳) اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ جب اُس نے اپنے پروردگار کو آہستگی کے ساتھ پکارا۔

(۴) قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ (وہ دُعا یہ تھی۔ زکریا) بولا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں

سست ہوگئی ہیں اور بڑھاپے (کی سفیدی) کے سبب سے میرا سر چمک اٹھا ہے۔ اور میں تجھے پکار کر کبھی محروم نہیں رہا۔ (اُمید ہے کہ میری یہ دعا بھی جلدی سُنی جائیگی)

(۵) وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۝ (اس دعا کی وجہ یہ بیان کی ہے) اور بلاشبہ مجھے اپنے وارثوں سے جو میرے پیچھے ہیں خوف پیدا ہوا ہے (مجھے اُن کا چال چلن اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ سورت آل عمران میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ زکریا علیہ السلام کی غیر حاضری میں لوگ حضرت مریم علیہا السلام کو کھانا دے جاتے تھے۔ وہاں اس بات کا ہرگز اشارہ نہیں ہے کہ وہ کھانا پھل ہوتے تھے اور بے موسم آتے تھے۔ اگر حضرت زکریا علیہ السلام نے بے موسم پھل آتے دیکھکر دعا کی ہوتی تو اُس کے لئے ایک دفعہ ہی بے موسم پھلوں کا آنا کفایت کر سکتا تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی غیر حاضری میں کئی دفعہ ان کھانوں کا آنا دیکھکر اس سے اُن کی شرارت کا نتیجہ نکالا۔ اس لئے اُنھوں نے اپنے لئے پاک اولاد کی درخواست کی جیسا کہ یہاں بھی فرمایا ہے) اور میری عورت بانجھ ہے (تیرے ہاتھ میں ہی تمام بیماریوں کا دُور کرنا اور روکاوٹوں کو اُٹھا دینا ہے) سو تو مجھے اپنے حضور سے وارث عطا فرما (اس وارث کا اصل دینے والا تو ہی ہے۔ مجھے اس کے حاصل کرنے کا سبب بنا۔ حضرت مریم کے پاس بھی خدا تعالےٰ نے بشرًا سوی کو بیٹا دینے کا واسطہ بنا کر بھیجا تھا۔ بیٹا دینے کا واسطہ خاوند ہی بن سکتا ہے۔ بشارت ملائکہ وغیرہم بھی دیسکتے ہیں)

(۶) یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ۝ تاکہ وہ (بیٹا) میرا وارث ہو اور (ماں کی طرف سے) آل یعقوب کا بھی وارث ہو اور (اے خدا) تو اس (میرے بیٹے) کو پسندیدہ بنا دے (وہ اس کارخانے کو تیرے حکم کے مطابق چلائے۔ عورتوں اور بچوں کو ٹھیک طور پر تعلیم ملے اور اُن کی تربیت بھی ٹھیک ہو۔

حضرت زکریا علیہ السلام مریم کے کفیل مریم کے بچپن کے وقت میں بنے تھے۔ سورت آل عمران میں ایک اور کفالت کا بھی ذکر ہے۔ جو قلموں کے پھینکنے سے کی گئی تھی۔ اس وقت مریم بالغہ بھی اذ یلقون اقلامھم الخ واذ یختصمون میں جو اذ کے لفظ لائے گئے ہیں۔ اُن کا بدل وہ اذ ہے جو اذ قالت الملٰئکۃ میں آیا ہے۔ مریم اس وقت کہتی ہے کہ اگر میرا خاوند ہوتا تو میرے

ناں بیٹا ہو سکتا تھا۔ جس سے مریم کا بالغہ ہونا صراحتاً ثابت ہوتا ہے۔ اسوقت حضرت یحییٰ علیہ السلام ابھی بچے ہی تھے جیسا کہ وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا سے واضح ہے۔

مریم متولیوں کی شرارت کو سمجھ کر اُن سے قطع تعلق کر کے اپنے اہل میں واپس آگئی جیسا کہ آگے ذکر آتا ہے)

(۷) یٰزَكَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ بِاسْمُهٗ یَحْیٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ۝ (جب حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے زکریا ہم تجھے ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں کہ نام اس کا یحییٰ ہوگا۔ ہم نے اس کے لئے اس سے پہلے کوئی ہمنام نہیں بنایا (مہربانی اور پاکیزگی کے لحاظ سے پہلے کوئی نبی اس پایہ کا نہیں ہوا)

(۸) قَالَ رَبِّ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِیًّا ۝ (زکریا نے) کہا اے میرے پروردگار میرے لئے بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جس حال میں کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی حد کو پہنچ گیا ہوں (ان دونوں روکاوٹوں کے باوجود میرے لئے بیٹا ہونا محال ہے کیا یہ دونوں روکاوٹیں دور کر دی جائیں گی)

(۹) قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَیْـًٔا ۝ (خدا نے) فرمایا اسی طرح سے ہوگا (یعنی روکاوٹیں دور کر دی جائینگی) تیرا رب فرماتا ہے کہ یہ کام مجھ پر آسان ہے اور تحقیق میں نے تجھے پہلے پیدا کیا اور تو کوئی (ایسی) شے نہ تھا (جس کا پہلے مذکور ہو۔ تیرے متعلق کوئی وعدہ نہیں ہوا تھا۔ تمام انسان اسی طرح سے پیدا کئے گئے ہیں ۱۶/۸ اور دیکھو سورت دھر)

(۱۰) قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ۝ (زکریا نے) کہا اے میرے پروردگار میرے لئے (میری تندرستی کا)

کوئی نشان بنا دے رہے دیکھ کر میں شادماں ہو جاؤں اور تیرا شکریہ بجا لاؤں۔ بعض دفعہ سست اور بوڑھے آدمیوں میں بھی خواہش کی ایک رو پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم سے اولاد پیدا ہونی ممکن ہے۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ بات محسوس کی تو وہ خدا تعالیٰ کے اس نشان کو دیکھ کر شکر گذاری میں مصروف ہوئے اور تندرست ہو کر تین دن رات دنیا کا کوئی کلام نہیں کیا۔ ہاں اس شکر کے میں خدا کی عبادت بجا لاتے رہے۔ (انتہیٰ) فرمایا کہ تیرا نشان یہی ہے کہ تو تندرست ہو کر تین رات (دن) کلام نہیں کریگا (اور اس شکر گذاری میں مصروف ہو کر دنیاوی باتوں میں شامل نہیں ہوگا۔ ۱۲)

(۱۱) فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝

پھر وہ اپنی قوم پر اپنے محراب سے نکلا۔ سو اس نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ صبح و شام (خدا کی) تسبیحیں کرو (وہ خدا سمیع الدعا ہے)

(۱۲) يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ (حاصل یہ کہ یحییٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے اور انہیں حکم دیا گیا کہ) اے یحییٰ کتاب کو قوت کے ساتھ پکڑنا (یعنی جوان ہو کر اس پر ٹھیک طور پر عمل کرنا اور اس کی مشق و مہارت ابھی سے شروع کر دینا) اور ہم نے اسے (بیت المقدس کی) حکومت بچپن میں عطا کر دی تھی۔

(۱۳) وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۝ اور اسے مہربانی اور پاکیزگی عطا فرمائی اور وہ (خدا سے) ڈرنے والا تھا۔

(۱۴) وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ (اس وقت اس کے ماں باپ دونوں زندہ تھے اسلئے فرمایا) اور ہم نے اسے اپنے ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنیوالا بنایا اور وہ سرکش اور (اپنے ماں باپ کا) نافرمان نہ ہوا۔

(۱۵) وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝ اور (خدا فرماتا ہے کہ) اس پر سلامتی تھی جس دن وہ پیدا ہوا (یعنی وہ کسی گندے طریق سے پیدا نہیں ہوا) اور جس دن

مر رہا تھا اس کا خاتمہ توحید اور نیکی پر ہی ہو رہا تھا) اور جسدن زندہ ہو کر وہ خدا کے آگے (سرخروئی کے ساتھ) پیش ہو رہا تھا۔

رکوع دوم (۱۶) وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا

پہلے رکوع میں اللہ جل شانہٗ کی اس رحمت کا ذکر ہے جو اولاد دینے کے متعلق حضرت زکریا پر کی گئی تھی۔ نیک اولاد بلاشبہ نعمت ہے۔ جب نیک بیٹے کا باقاعدہ ملنا زکریا کے لئے رحمت ہوا۔ تو کیا مریم کے لئے نیک بیٹے کا باقاعدہ ملنا ہی عذاب ہو سکتا ہے۔ پہلا ذکر بطور تمہید کے قرآن میں ہی لایا گیا ہے۔ پس ضرور ہے کہ مریم کا ذکر بھی قرآن میں ہی لایا جائے۔ قرآن مجید خدا تعالےٰ کا کلام ہے۔ کلام کے لحاظ سے یہ ہمارے لئے اصل سرچشمے کا کام دیتا ہے۔

اگر قرآن مجید کی تشریح و تفہیم میں کبھی اختلاف پڑ جائے تو ہمیشہ الفاظ قرآن سے ہی اسکا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ الفاظ خدا تعالےٰ کے ہیں تو لازم ہے کہ اُسی مطلب کو مقدم رکھا جائے جسے خدا کے الفاظ خود سمجھاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو فرماتا ہے "تو کہدے کہ تمہارے شریکوں میں سے کون ایسا ہے جو از خود ہی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ تو کہہ اللہ تو حق پر چلا بھی دیتا ہے۔ پھر کیا وہ خدا جو حق کی طرف ہدایت دیتا ہے زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا کیا وہ حقدار ہے کہ وہ خود ہی راستے پر نہیں ہو سکتا جب تک اُسے ہدایت نہ دیجائے۔ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم ایسے فیصلے دیتے ہو"۔ ۱۱/۹۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل سرچشمہ یعنی قرآن کے ہوتے ہوئے کسی ایسے شخص کی پیروی کی کوئی ضرورت نہیں جو کہے کہ میں نے یہ راہ قرآن سے ہی سیکھی ہے۔ سکھانے میں قرآن اُستاد ہے۔ اور اس سے سیکھنے والا بندہ قرآن کا شاگرد ہے۔ جب اُستاد اور شاگرد دونوں موجود ہوں تو اُستاد کے ہوتے ہوئے شاگرد کی کوئی ضرورت نہیں جیسا کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے اگر قرآن سہل ہے اور خود خدا ہی نے اسے استاد بنا کر بھیجا ہے تو خدا کی تعلیم کے سامنے کسی کی بات کو پشہ کے برابر بھی قدر نہیں دی جائیگی۔

آگے فرمایا کہ ان لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ ان کے اکثر تعلیم قرآن سے کوئی حصہ نہیں لیتے بلکہ ظن کی پیروی کرتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ظن حق کی جگہ ذرا بھی کام نہیں دے سکتا۔ ظنی حدیثوں کا بھی یہی حال ہونا لازم ہے۔ بلاشبہ اللہ اُن کی کرتوتوں سے واقف ہے۔ اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ خدا کے سوائے کوئی انسان یا فرشتہ اسے باندھ کر لے آئے۔ ولیکن یہ اُن انبیا کی لائی ہوئی

کتابوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہیں۔ اور یہ اس کتاب یعنی صحیفۂ فطرت کی تفصیل ہے۔ جس کے رب العالمین کی طرف سے ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ کوئی دہریہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس صحیفۂ فطرت کو میں نے یا کسی اور مخلوق نے بنایا ہے۔ آگے فرمایا۔ یا کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس رسول نے اس (قرآن) کو اپنے دل سے ہی باندھ لیا ہے۔ یہ رسول تمہارے جیسا بشر ہے۔ اگر اس نے اسے باندھ لیا ہے تو تم اس کی مثل ایک سورت ہی باندھ کر لے آؤ۔ اس سورت میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہے کہ یہ خود ہی قرآن کو باندھ لیوے۔ یہ ہرگز ہرگز فوق البشر نہیں ہے۔ آگے فرمایا کہ جس کو تمہاری طاقت ہو اللہ کے سوائے اُسے پکار لو اور اس قرآن کی مثل ایک سورت ہی باندھ کر لے آؤ اگر تم سچے ہو ۱۱/۱۴۔ حاصل یہ ہے کہ جس بات میں تمہارا آپس میں اختلاف پڑ جائے تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہی ہونا چاہئے۔ اگر پہلے ہو چکا ہے تو بہتر ورنہ اب بھی قرآن ہی کو مقدم رکھ کر فیصلہ کرنا ضروری ہے۔ صحیفۂ فطرت کے اختلاف بھی آخر صحیفۂ فطرت سے ہی نکالے جائیں گے۔ اس وقت یہ کہنا کہ صحیفۂ فطرت تو اب یوں سکھاتا ہے پہلے لوگ اس سے ایسا نہیں سمجھتے تھے۔ تو ایسے خیالات سے صحیفۂ فطرت کی حکومت جاتی نہیں رہیگی۔ اصل سرچشموں کے ہوتے ہوئے اندھی روایتیں کوئی کام نہیں دے سکتیں۔ اسلئے اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو اپنے وحی میں فرمایا کہ) تو اس کتاب (یعنی قرآن) میں مریم (کے اس واقعہ) کا ذکر کر جبکہ وہ اپنے اہل سے دُھوپ والے مکان میں الگ ہوئی۔

(۱۶) فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ (چونکہ مریم کے اہل اس کے سامنے تھے اور اُس کی دُہائی اور پکار کو سُن بھی سکتے تھے۔ اور اس راستے کے سوائے کوئی بشر سوی مریم تک پہنچ بھی نہیں سکتا تھا اسلئے فرمایا) سو اُس (مریم) نے اُن سے ورے پردہ پکڑا (یعنی دیوار کی اوٹ میں ہو بیٹھی) پھر ہم نے اس کی طرف اپنی ایک (سعید) روح کو بھیجا سو وہ اُس (مریم) کی مانند بنکر اس حال میں اس کے سامنے آیا کہ وہ ایک تندرست بشر تھا (تندرست بشر میں بشری خواہشیں موجزن ہو سکتی تھیں۔ لیکن وہ مریم کے پاس ایسے حال میں آیا کہ اس کو اپنے مثل حقوق دے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۲/۱۲ + جن مرد و عورت میں شروع سے ہی ایسے پاک خیالات ہوں اُن کی زندگی نہایت عمدہ زندگی ہے۔ وہ شخص شروع

سے ہی بشر تھا۔ مُغنی والا قرآن کی اس مثال کے علاوہ سمجھانے کے لئے ایک اور مثال بھی بیان کرتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جَاءَنِیْ زَیْدٌ رَجُلًا مُحْسِنًا یعنی زید میرے پاس اس حال میں آیا کہ وہ احسان کرنے والا مرد تھا۔ کیا یہاں زید پہلے مرد ہونے کے سوا کچھ اور تھا اور کیا پیچھے رَجُل بنکر آیا تھا؟ وہ پہلے اور پیچھے یکساں رَجُل ہی تھا۔ جسطرح وہ پہلے سے ہی رجل تھا۔ اسی طرح یہ سعید روح بھی پہلے سے ہی بشر تھی۔ خدا نے اسے بھیجا تھا۔ وہ مریم کے اہل کو مل کر اُن کی اجازت سے مریم کے پاس آیا تھا۔ مسیح اس روح کا بیٹا ہونے کے سبب ہی سے رُوْحٌ مِّنْهُ کہلاتے تھے۔ اگر عیسٰی علیہ السلام روح ہونے کے سبب سے الٰہ تھے۔ تو اُن کا باپ بھی معاذ اللہ الٰہ ہونا چاہئے)

(۱۸) قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا ۝ (مریم اپنے نکاح کے معاملے کو خدا تعالےٰ کے سپرد کر چکی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی خود اپنی طرف سے ہی اگر اس معاملے میں دخل دیوے اس سعید روح کو آتے دیکھکر مریم نے اُسے) کہا بلاشبہ میں تجھ سے رحمان کی پناہ میں آتی ہوں اگر تو سچ مچ پرہیزگار ہے (یعنی جیسا کہ میں تجھے جانتی ہوں کہ تو پرہیزگار ہے تجھے لازم ہے کہ اس معاملے میں اپنی طرف سے کوئی دخل نہ دے۔ اگر مریم اُسے غیر مرد اور ناقابل اعتبار جانتی تو مریم کو دُہائی دینے سے کس چیز نے روک رکھا تھا)

(۱۹) قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ۝ (اس (سعید روح) نے کہا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا آیا ہوں (جس کا تو انتظار کر رہی ہے اور خدا نے مجھے تیرے پاس اسلئے بھیجا ہے) تاکہ میں تجھکو پاک لڑکے کے دینے کا موجب بنوں (وہ بشر سوی بیٹا دینے کے لئے آیا تھا۔ بیٹے کی خوشخبری دینا ملائکہ کا علیحدہ کام تھا۔ اسوقت مریم بیت المقدس کے متولیوں سے بگڑ کر اپنے اہل میں واپس آگئی تھی۔ بشر سوی کے لئے، اگر وہ بیٹا بخشنے کا باعث بنے تو اس کے سوائے کوئی اور صورت ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ مریم کا خاوند بنے اور یوں بیٹا دینے کا باعث ہو۔ اس بات میں مزید تسلی حاصل کرنے کے لئے حضرت مریم علیہا السلام نے اُسے کہا کہ نکاح یا سفاح کے سوا میرے لئے بیٹا ہونا محال ہے۔ جسے بیٹا کہتے ہیں وہ اسی طرح سے ہی پیدا ہوا کرتا ہے۔ تو خدا تعالےٰ کے بھیجنے سے آیا ہے۔ پس خدا تجھے زنا کے لئے تو بھیج نہیں سکتا۔ باقی رہا نکاح۔ سو تو کہتا ہے کہ خدا نے مجھے اسلئے بھیجا ہے تاکہ میں تجھے بیٹا دینے

کا باعث بنوں اور بیٹا دینے کا باعث خاوند ہی ہو سکتا ہے۔ سو کیا آپ کو خدا نے میرے ساتھ نکاح کرنے کے لئے ہی بھیجا ہے۔ اس بشر سوی نے کہا کہ بات یونہی ہے۔ خدا نے مجھے بھیجا ہے تاکہ تیرے ساتھ نکاح کروں اور بیٹا دینے کا باعث بنوں۔ اس آیت سے سورج کی طرح عیاں ہے کہ وہ بشر سوی بحکم الٰہی نکاح کرنے کے لئے ہی آیا تھا۔ جسطرح مریم کو خوشخبری ملی تھی کہ تیرے ہاں ایک پاک بیٹا یعنی مسیح پیدا ہوگا۔ اس بشر سوی کو بھی خدا تعالےٰ نے مریم علیہا السلام کی مانند بنا کر بھیجا تھا کہ تو مریم کے لئے اس کے پہلے حمل سے ہی مسیح کے دینے کا موجب ہوگا۔ مریم علیہا السلام فرماتی ہیں کہ بیاہ یا زنا کے بغیر میرے لئے بیٹا ہونا محال ہے۔ چونکہ وہ بشر سوی خدا کا بھیجا ہوا آیا تھا اسلئے اس سے زنا کی نفی کرنی لازم تھی۔ باقی نکاح ہی رہ جاتا ہے جو اس رسول کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ میں تجھے ایک پاک لڑکے کے دینے کا موجب بننے کے لئے آیا ہوں۔ پس کذٰلک کا مفہوم پوری طرح سے ظاہر ہو رہا ہے۔ مریم نے کسی انسانی ولی کی مداخلت کے بغیر بحکم الٰہی اپنا نکاح کر لیا۔ مریم ایسے نمونے کو پیش کرنے سے ڈرتی تھی۔ اس بشر سوی نے کہا تو اس رسم کی مخالفت کو ایک بڑا کام سمجھتی ہے حالانکہ یہ بات خدا کے نزدیک ایک ہلکی سی بات ہے۔

لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمتیں لگاتے تھے۔ خدا تعالےٰ اس کو گناہ عظیم قرار دیتا ہے۔ لیکن لوگ اسے ایک ہلکی بات جانتے تھے ۱۵۔ اسی طرح لوگ عورت کے خود اپنا نکاح کر لینے کو بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ لیکن خدا کے نزدیک اس کی کچھ حقیقت نہیں۔ مریم نے لوگوں کے لئے اپنے نکاح کو ایک نمونہ بنایا۔ یہ خدا کی طرف سے تمام عاقلہ بالغہ عورتوں کے لئے ایک بڑی رحمت تھی اور اصل شریعت کے بھی مخالف نہ تھی۔ جیسا کہ مریم اور اس رسول کے سوال و جواب سے ظاہر ہے)

(۲۰) قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝

مریم بولی کہ میرے لئے کیسے بیٹا ہو سکتا ہے جس حال میں کہ کسی بشر نے (نکاح کے ساتھ) مجھے مس نہ کیا ہو اور میں زنا کار بھی نہیں بنی (تو خدا کی طرف سے زنا کے لئے نہیں آسکتا۔ پس ضرور ہے کہ تو بیٹا دینے کے لئے نکاح کرنے کے واسطے ہی آیا ہو)

(۲۱) قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ

وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ اُس نے کہا بات یونہی ہے (یعنی میں نکاح کے لئے آیا ہوں اور یہ نکاح تجھے مشکل نظر آتا ہے) تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ (یعنی ایسے اجماع کا خلاف) میرے نزدیک ایک ہلکی سی بات ہے اور (ہمارا ارادہ ہے) کہ ہم اسے لوگوں کے واسطے ایک نمونہ بنائیں اور یہ (سب کے لئے) ہماری طرف سے رحمت ہو۔ اور یہ بات حکم الٰہی کے مطابق ہی ہے۔

(۲۲) فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ الغرض (مریم کے اہل میں یہ نکاح ہو گیا اور) اس نے اس بچے کو اپنے پیٹ میں لیا۔ پھر (جب لوگوں کی طرف سے ناقابل برداشت مصیبتیں پائیں تو) وہ اس (بشر سوی) کے ساتھ کسی دور جگہ میں الگ ہو گئی۔

(۲۳) فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ ۖ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا ۝ حاصل یہ کہ (راستے میں حمل بوجھل ہو گیا اور) دردِ زہ اُسے ایک کھجور کے تنے کی طرف لے آئی (تاکہ وہ بچہ اس مصیبت والی حالت میں جنا جائے ان لوگوں پر حیف ہے جو بندوں کی بشریت والی کمزوریوں کو دیکھ کر بھی انہیں معبود بناتے ہیں۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں درد کی تکلیف کو دیکھ کر وہ بول اُٹھی اے کاش میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی اور (ایسی) بھولی بسری ہوتی (کہ مجھے کوئی یاد بھی نہ کرتا)

(۲۴) فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ (اس وقت اس کا خاوند بچہ جنانے میں مدد دے رہا تھا۔ اُس نے مریم کو ڈانٹ کر کہا کہ تو مسافر عورتوں سے باتیں کر کے بیصبر بن رہی ہے۔ ہمارے وطن میں پہنچنے کے لئے ایک دن باقی ہے) سو اُس نے اس کے نیچے کی طرف سے پکارا (اور اُسے ہوشیار کیا اور کہا) کہ تو غم نہ کر (اس وقت تجھے کھانے پینے کی ضرورت ہے۔ کھجوریں تیرے لئے مناسب غذا ہیں۔ یہ کھجور ایسی پختہ ہے کہ تیرے جیسی کمزور عورت بھی ہلائے تو یہ پکی کھجوریں گرا سکتی ہے اور پینے اور صفائی کے لئے تیرے پاؤں کے پاس ہی ایک چشمہ ہے۔ ایسی حالت میں یہ نعمتیں کم نہیں ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کیا ہوا ہے۔

(۲۵) وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ اور تو اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا تو یہ خود ہی تجھ پر پکی ہوئی کھجوریں گرائیگی (کسی سے مدد لینے کی بھی ضرورت نہیں)

(۲۶) فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝ سو تو کھا اور پی اور (بیٹے کے ساتھ) اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر۔ پھر اگر تو کسی ایک (حقیقت حال پوچھنے والے) بشر کو دیکھے تو تو اُسے کہنا کہ میں نے رحمان کے لئے روزے کی نذر مانی ہے سو میں آج کسی انسان سے (دنیا کی) باتیں نہیں کرونگی (جب کہ وہ خود ہی کہتی ہے کہ میں کسی سے کلام نہیں کرونگی تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بے فائدہ کلام کی نفی مقصود ہے۔ نیکی اور ضرورت کے کلام کی نفی مقصود نہیں)

(۲۷) فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـــًٔا فَرِيًّا ۝ سوی بشر

اپنے بیٹے مسیح اور اُس کی ماں کو ناصرت میں لے گیا اور اُنھیں اپنی پناہ میں رکھا۔ مسیح علیہ السلام نے اپنے بچپن کو ہنڈولے میں بھولتے ہوئے امن سے گذارا۔ اُن کی زبان گہوارے میں بھی نیکی کی باتوں پر ہی چلتی تھی۔ بدکاروں کی اولاد میں ایسا دیکھنے میں کم ہی آتا ہے۔

حاصل یہ کہ مسیح علیہ السلام اپنی جوانی کو پہنچے۔ جب تک اُن کا باپ زندہ رہا ضرور ہے کہ وہ باپ کے ساتھ بھی سلوک کے ساتھ پیش آتے ہوں۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اُنھیں رسول بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا اور اُنھیں انجیل عطا فرمائی۔ راستے میں جہاں کہیں وہ پہنچے خدا نے اُنھیں برکت و کامیابی دی۔ وہ اپنی موت تک نماز ادا کرتے اور زکوٰۃ دیتے رہے۔ خدا تعالےٰ نے خاص طور پر اُنھیں ایسی نیک ماں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ کسی کے ساتھ بھی سرکشی سے پیش نہیں آتے تھے۔ وہ بدبخت نہ تھے بلکہ سعادتمند لڑکے تھے۔ اسوقت اُن کی والدہ جس نے الہام میں اُن کے تمام حالات دیکھے تھے اُنھیں لیکر قوم کی طرف آئی۔ اگر اُن کا باپ بھی زندہ ہوتا تو وہ بھی ایسے وقت میں ساتھ دینے سے الگ نہ رہتا چنانچہ ارشاد ہے) الحاصل وہ (مریم)

اس کو یعنی مسیح علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف سوار کر کے لائی (دسویں پارے کے اخیر میں جو لفظ تحملہم کا آیا ہے اس کے معنی سواری دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ لوگ نبیوں کو سواریوں پر بٹھلاتے ہیں پھر اُن کو قادر مطلق اور بے پروا خدا کے بیٹے بھی بناتے ہیں۔ جب مریم حضرت مسیح علیہ السلام کو ان کے رسول بننے کے وقت قوم کی طرف لائی تو اُنھوں نے پہلا اعتراض یہ کیا کہ) اُنھوں نے کہا اے مریم تو نے ایک انوکھا (اور بدعی) کام کیا ہے (فریّ کے معنی ہیں افترا کیا ہوا اور بناوٹی۔ اُن کا اعتراض مریم کے فعل پر تھا۔ وہ کہتے تھے کہ تو نے بیت المقدس کے متولیوں کے بغیر نکاح کر لیا ہے بلکہ اپنے بڑے بھائی ہارون کی ولایت کا بھی خیال نہیں کیا چنانچہ وہ کہتے ہیں)

(۲۸) يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۚ

اے ہارون کی بہن تیرا باپ بُرا آدمی نہیں تھا اور تیری ماں زانیہ نہ تھی۔

(تو نے نیکوں کے گھر میں پیدا ہو کر اجماع اُمت کا خلاف کیا۔ یہ بیٹا اُسی مخالفت کا نتیجہ ہے۔ ہم اُسے آنیوالا مسیح کسی طرح بھی نہیں مان سکتے۔ چونکہ یہ سوال ایک کام کے جائز یا ناجائز ہونے کے متعلق تھا اسلئے حضرت مریم علیہا السلام نے اپنے نبی بیٹے کی طرف اشارہ کیا کہ تم اُنھیں اسکا جواب دو۔ عوام الناس کا خیال ہے کہ حضرت مریم نے کلام کا روزہ رکھا ہوا تھا تاکہ بیٹے سے اس کا جواب دلوائے۔ حضرت مریم اپنے بیٹے کو پیدائش کے دن ہی قوم کی طرف نہیں لائیں۔ مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھ پر اس دن سلام تھا جس دن میں پیدا ہوا تھا۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ وہی دن تھا جس دن حضرت مسیح علیہ السلام جنائے گئے تھے۔ کیا مسیح علیہ السلام کو اسی دن انجیل مل گئی تھی اور نبی بنائے گئے تھے اور اسی ایک دن میں کئی جگہ رہکر برکت دیئے گئے تھے اور اسی دن نماز و زکوٰۃ دینے کے قابل بن گئے تھے اور اسی دن اُنھیں حکم ہوا تھا کہ ماں کے ساتھ سلوک کرو۔ لوگوں کا خیال ہے کہ مسیح نے پیدا ہونے کے ساتھ ہی کلام کر کے اپنے معجزے سے اپنی پیدائش کی حقیقت کو کھول دیا۔ لیکن قرآن مجید سے اسی دن میں اُن کا کلام کرنا ہرگز ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا بلکہ قوم نے تو یہ کہا تھا کہ کیا ہم اسے مسیح جانیں جو اپنے بچپن کے وقت میں دیگر بچوں کی طرح گہوارے میں کھیلا کرتا تھا۔ وہ آنیوالے مسیح کے متعلق سمجھتے تھے کہ وہ خدا ہوگا۔ اگر مسیح کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی اُن کے کلام کرنے پر ہی سارا دارومدار رکھا

گیا تھا تو اس دن ماں کو کلام کا روزہ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا دوسرے دن کا بچہ اگر کلام کرے تو اسکا کلام کرنا معجزہ نہیں ہوتا۔ پھر تماشا یہ ہے کہ قوم سے ہجرت کرکے لمبے سفر کے بعد مسیح کی پیدائش ہوئی اور قوم کی طرف ایک ہی دن میں مریم واپس چلی آئی۔ لوگ آنیوالے بزرگوں کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا کرتے ہیں۔ لوگوں کا خیال تھا کہ آنیوالا مسیح ہمارا نبی ہوگا اور غیر اقوام سے ہمیں چھڑانے کے لئے اوتار بنکر آئیگا۔ قرآن مجید ایک کلیہ قاعدہ بیان کرتا ہے کہ اللہ انسانوں کو ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں جانتے ہوتے ہیں۔ مسیح بھی اس قاعدے سے ہرگز خارج نہیں تھے)

(۲۹) فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝

(چونکہ یہ ایک قابل بحث سوال تھا) سو مریم نے اس کی طرف اشارہ کیا (کہ تو اسکا جواب دے تو) ان لوگوں نے کہا کہ ہم (مسیح ہونے کے متعلق) ایسے شخص کے ساتھ کیونکر کلام کریں جو (بچپن کے وقت میں دیگر بچوں کی طرح) ہنڈولے میں کھیلا کرتا تھا (اسمیں الوہیت کی کوئی شان نہیں پائی جاتی)

(۳۰) قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ (مسیح نے) کہا بلاشبہ میں اللہ کا ایک بندہ ہوں۔ مجھے خدا نے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔

(کتاب استثناء باب ۲۳ میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ ولد الحرام بیت المقدس کی امامت کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ جب بات یہ ہے تو جب خدا نے مجھے نبی بنایا اور انجیل بخشی تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ خدا تعالےٰ ولد الحرام کو نبی بنا دے اور لوگوں کی نظروں میں خواہ مخواہ اسے حقیر ٹھہرائے مریم پر قوم کا اعتراض تھا کہ تیرا فعل صحیح نہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام اس کی سند میں انجیل کو پیش کرتے ہیں۔ عیسائیوں میں عورت اپنے نکاح کا آج تک اختیار رکھتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام ایک لفظ بھی اپنی زبان پر ایسا نہیں لائے جس سے ثابت ہو کہ میں بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوں۔ جب بحث ایک مسئلے کی صحت و غلطی پر تھی تو اُسے معجزے کی بحث بنانا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ بعض لوگ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا میں ماضویت کو قائم رکھتے ہیں اور معنی اس طرح پر لیتے ہیں کہ جو ابھی قریب زمانے میں گہوارے میں کھیلا کرتا تھا اور اس لائق

نہیں ہے کہ عالموں کے ساتھ بحث کر سکے)

(۳۱) وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝ اور جہاں کہیں میں ہو آیا ہوں خدا نے مجھے برکت والا بنایا ہے اور مجھے کامیابی دی ہے اور (آئندہ کامیابی کے لئے بھی) مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک کہ میں زندہ رہوں (مسیح علیہ السلام اپنی کوشش و محنت سے کما کر کھاتے تھے اور غریبوں کی بھی پرورش کرتے تھے)

(۳۲) وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ۝ (اور میری ماں جس کے فعل پر تم اعتراض کرتے ہو اگر اس کا یہ فعل نامعقول ہوتا اور عاقلہ بالغہ عورتوں کو آزادی بخشنے والا نہ ہوتا تو خدا مجھے ایسی ماں کے ساتھ سلوک کرنے کا خاص طور پر حکم نہ دیتا۔ میں تو کسی سے بھی سرکشی کے ساتھ پیش آنیوالا نہیں۔ میں اپنے باپ کا بھی سعادتمند بیٹا ہوں جیسا کہ فرمایا) اور مجھے (خود خدا نے) میری والدہ کے ساتھ عملی سلوک کرنیوالا بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا (جیسا کہ رسول کریم کے وقت میں مریم کو بھی خدا کہتے تھے۔ کیا بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ کہنے سے مریم کی اُلوہیت پر زد نہیں پڑتی۔ کیا کوئی شخص ایسا نمونہ پیش کر سکتا ہے کہ ایک شخص کی والدہ ہو لیکن والد نہ ہو۔ والدہ والد ہی کی موثث ہے۔ والد والدہ اور ولد میں نسبی علاقہ ہے جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا)

(۳۳) وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ۝ اور مجھ پر وہی سلامتی ہے (جو حضرت یحییٰ پر تھی) جس دن میں پیدا ہوا تھا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ ہو کر پیش ہونگا (حضرت یحییٰ کے لئے سلامٌ تنکیر کے ساتھ آیا ہے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنے لئے السلام تعریف کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ وہی سلام ہے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام پر ہوا تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام جائز طور پر اپنے باپ سے پیدا ہوئے۔ میں بھی اسی طرح سے جائز طور پر پیدا ہوا ہوں۔ پھر خدا مجھے صلیب جیسی مصیبتوں سے بھی بچا لیگا اور میری موت یحییٰ علیہ السلام کی طرح امن کے ساتھ ہوگی۔ یحییٰ علیہ السلام بھی قتل سے بچائے گئے تھے اور خدا کے حضور میں بھی میرا معاملہ یحییٰ علیہ السلام کی مانند ہی ہے۔ ایسی

صورت میں مجھے خدا بنانا صحیح نہیں ہے۔ تم پیشگوئیوں اور خوابوں کے وہ معنی لے رہے ہو جو کسی صورت سے بھی مخلوق پر صادق نہیں آسکتے)

(۳۴) ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝ (ممکن نہیں تھا کہ مسیح علیہ السلام اپنی حد سے بڑھکر دعوے کرتے اسلئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ) یہ ہے عیسیٰ ابن مریم (کی حقیقت) یہ سچی بات ہے جس میں لوگ شک کر رہے ہیں۔

(۳۵) مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۖ سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ (جننے والی اور جنا ہوا خدا نہیں ہو سکتے جیسا کہ فرمایا) اللہ کے لئے کبھی لائق نہیں ہوا کہ وہ بیٹا پکڑے وہ اس سے پاک ہے (وہ بیچر حقیقی متصرف ہے) جب وہ کسی بات کا بھی ارادہ کرتا ہے (خواہ وہ مسیح ہو یا یحییٰ ہو یا اولاد آدم سے کوئی اور ہو) تو وہ اس کے لئے (اس کے سامان کو) حکم کرتا ہے کہ تو (اس صورت میں) ہو جا تو وہ (اس کے حکم کے مطابق) ہو جاتا ہے۔

(۳۶) وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝

(چنانچہ مسیح نے خود بھی اپنی قوم کو یہی توحید سکھائی اور فرمایا) اور بلاشبہ اللہ میرا رب اور تمہارا رب ہے۔ سو تم اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

(۳۷) فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ (مسیح علیہ السلام کے توحیدی وعظ کو سنکر لوگوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ بعض لوگوں نے توحید کو مان لیا اور اکثر یہودی اس بات پر اڑے رہے کہ آنیوالا مسیح ہمارا مسیح ہوگا اور خدا کی طرح اپنی قدرتیں دکھائیگا۔ مسیح علیہ السلام نے اس تعلیم میں کوئی لفظ ایسا نہیں فرمایا جس سے ثابت ہو کہ ان کی پیدائش تمام دنیا سے الگ طور پر تھی اور جوڑوں کی موجودگی کے باوجود۔ بغیر باپ کے ہوئی تھی۔ لوگوں کے نزدیک جس بات کا ثبوت دینا ضروری تھا۔ اسکا کوئی ذکر نہیں کیا۔ قوم نے آتے ہی حضرت مریم پر اعتراض کیا کہ تیرے ماں باپ اچھے تھے۔ تو نے ایسا برا

فعل کیا ہے جسکا یہ شخص نتیجہ ہے۔ پس ایسا شخص وہ مسیح نہیں ہو سکتا جس کے ہم منتظر ہیں۔ اس نے تو اپنے بچپن کو گہوارے میں کھیل کر گذارا ہے۔ وہ لوگ آنیوالے مسیح کو خدا یا خدا کا بیٹا دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن مسیح علیہ السلام نے ثابت کیا کہ میں بندہ ہوں۔ تم بھی خدا کے بندے ہو۔ ہم سب اسی کی عبادت کریں اور اپنے فرائض بجالائیں۔ مجھے حکم ہے کہ جب تک زندہ رہوں خدا کی نماز اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں۔ خدا نے مجھکو میری ماں کے ساتھ حکماً سلوک کرنیوالا بنایا ہے اور میں سرکش نہیں ہوں بلکہ سعادتمند ہوں۔ قوم تو یہ چاہتی تھی کہ انھیں خدائی اوتار کے رنگ میں دیکھے۔ لیکن انھوں نے اپنے آپ کو بندہ ہی ثابت کیا اور سب کو خدا کی بندگی کی طرف ہی بلایا۔ اگر سوال وجواب میں کوئی علاقہ ہوا کرتا ہے تو اس بحث سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ مریم و مسیح علیہما السلام صرف بندے تھے اور بنی اسرائیل کے لئے پاکیزگی کے نمونے کا کام دیتے تھے چنانچہ ارشاد ہے) سو اُن جماعتوں نے (جن کی طرف حضرت مریم اپنے بیٹے مسیح کو لیکر آئی تھیں) آپس میں اختلاف کیا (بہت سے لوگ ایمان لے آئے اور اکثر لوگ مسیح کے بطور اوتار آنے کے قائل رہے اور کفر پر اڑے رہے) پس ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا بڑے دن (یعنی پیشی کے دن) کے دیکھنے سے بڑی خرابی ہوئی تھی (یعنی جب اُن کے فیصلے کا دن آیا تھا تو ذلیل ہو کر جہنم میں ڈالے گئے تھے)

(۳۸) اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

(جس دن وہ ہمارے پاس آئے تھے تو) وہ خوب دیکھنے والے اور خوب سننے والے تھے (اس دن سب کی نظر تیز ہوتی ہے ۲۶/۱۴) لیکن یہ ظالم آج (اس دنیا کی زندگی میں) صریح گمراہی میں پھنسے ہوئے ہیں۔

(۳۹) وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اور تو اے پیغمبر ان (اپنے زمانے کے عیسائیوں اور یہودیوں) کو حسرت کے دن سے ڈرا جب کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے (اور یہ دن موت کا ہوتا ہے) اور وہ (اسوقت یعنی دنیا کی زندگی میں) غفلت میں پڑے ہیں اور ایمان نہیں لاتے (یہ غفلت ہی انہیں ایمان لانے سے روک رہی ہے)

(۴۰) اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝ (مسیح و مریم سب اس دنیا سے کوچ کر کے اپنی جزا کے عالم میں پہنچ گئے ہیں۔ خدا کے سوا اس عالم پر کوئی متصرف و مختار نہیں ہے جیسا کہ ارشاد ہے) بلاشبہ ہم ہی زمین کے اور اُن لوگوں کے جو اس پر موجود ہیں وارث ہیں اور یہ سب ہماری طرف ہی موڑے جاتے ہیں (ان معاملات کے ساتھ کسی مخلوق کا کوئی تعلق نہیں۔ ہم کسی کو کسی چیز کا ذاتی طور پر مالک نہیں بناتے برتنے کے لئے دیتے ہیں۔ پھر جب چاہتے ہیں واپس لے لیتے ہیں)

رکوع سوم (۴۱) وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝

(یہ توحید صرف مسیح علیہ السلام نے ہی نہیں سکھائی بلکہ اُس سے مدتوں پہلے سے چلی آتی تھی۔ لوگ اُسے بھلا دیتے تھے۔ اسلئے فرمایا کہ) تو اس قرآن میں ابراہیم کا ذکر کر بلاشبہ وہ ایسا راستباز تھا کہ نبوت کے عہدے تک پہنچا ہوا تھا (خدا تعالےٰ حضرت ابراہیم کے ذکر کو خود ہی وحی کرتا ہے اور خود ہی اپنی وحی میں اپنے رسول کو فرماتا ہے کہ تو اسے اس کتاب یعنی قرآن میں ہی بیان کر۔ اگر خدا تعالےٰ حدیث رسول کو مثل قرآن جانتا ہوتا تو ایسی تاکیدوں کے لانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ رسول کریم نے قرآن ہمیں دیا ہے اور حدیث سے خود ہی روک دیا ہے اور اُس کے مٹا ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ جس شہادت سے حدیثیں لکھی گئی ہیں قرآن نے اُس کو کہیں بھی شہادت نہیں بتایا۔ قرآن نے شہادت کے جو قواعد بیان کئے ہیں اُن کا شہادت در شہادت در شہادت کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں ہے۔ نو مسلموں نے اس بدعت کو دوبارہ جاری کیا اور محدثین نے اسی دروغ بر یافتہ ذخیرے سے اپنی کتابیں انتخاب کیں۔ اسلام قرآن کے ساتھ ہی چلا آتا ہے۔ بخاری و مسلم کی تحقیقات کے بعد جو نتیجے نکلے وہ اسلام میں ایک بدعت تھے۔ اُن کو دین اسلام میں شامل کرنا ایک نیا اسلام بنانا ہے۔ محدثین تو اتنا بھی لحاظ نہیں کرتے کہ جس نبی کو خود خدا راستباز کہتا ہے اُس کے متعلق تین دفعہ جھوٹ بولنے کی روایت کرتے ہیں۔

ذکر کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک ذکر واقعات اور ایام اللہ کا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ خود بھی سبق حاصل کیا جائے اور لوگوں کو بھی تعلیم دی جائے۔ دوسرا ذکر خدا تعالےٰ

کے انعاموں اور مواخذوں کا ہوتا ہے۔ مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ انعاموں کی خواہش کی جائے اور مواخذوں سے خوف پیدا کر کے بدیوں سے اپنا بچاؤ کیا جائے۔ اصل ذکر منعم حقیقی کا ہے۔ مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ اس پر پورا توکل کر کے اور اُس کی سزاؤں سے ڈر کر محبت اور خوف کے ساتھ اُس کو یاد کیا جائے۔ اصل ذکر یہی ہے۔ اور بیویوں اور اولاد وغیرہ کا ذکر بطور نعمت کے ہے۔ لیکن اس آیت میں جو ذکر ہے وہ واقعات کے رنگ میں ہے تاکہ اس سے تعلیم حاصل کی جائے۔ بزرگوں کا ذکر خدا کے ذکر کی طرح ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ دوسری دو قسموں میں داخل ہے)

(۴۲) اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا ۝ (ابراہیم علیہ السلام کا یہ قصہ اُسوقت کا ہے) جب کہ اُس نے اپنے باپ کو کہا میرے ابا تو اُس کو کیوں پوجتا ہے جو نہیں سنتا اور نہیں دیکھتا اور تجھ سے کچھ بھی کفایت نہیں کرتا (اور تیرے کچھ بھی کام نہیں آتا۔ اور تجھے دُکھ درد اور عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ بتوں کے متعلق تو یہ بات واضح ہے۔ لیکن بُت پرست جن تصویروں کو پوجتے ہیں وہ اُن کے بزرگوں کی ہی تصاویر اور تماثیل ہوتی ہیں)۔ پس جو اس دنیا سے گذر گئے ہیں وہ بھی نہ ہماری بات کو سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ کفایت کر سکتے ہیں۔ اُن کو پکارنا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ بتوں کو پکارنا۔ انسان اس دنیا میں بہت سی باتوں میں مجبور ہوتا ہے۔ وہ اُسوقت اپنے پکارنے والے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ ایسے مجبور کو پکارنا بھی بڑا ظلم ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ "اللہ کے سوائے تو اُس کو مت پکار جو تجھے نفع نہیں دے سکتا اور نہ ضرر ہی دے سکتا ہے۔ پھر اگر تو نے ایسا کیا سو تحقیق تو ظالموں سے ہے" ۱۱/۱۶

دوسرے لوگ تو علیحدہ رہے تو بھی اپنی مجبوری کی حالت میں خود اپنے آپ کو بھی نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتا جیسا کہ فرمایا۔ اور اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائے پس اُس کے لئے کوئی کھولنے والا نہیں اور اگر تیرے ساتھ خیر کا ارادہ کرے تو اُس کے فضل کو موڑنے والا کوئی نہیں۔ وہ خدا اس فضل کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے پہنچاتا ہے اور وہ اپنی ذات سے ہی بخشنے والا رحم والا ہے ۱۱/۱۶۔ اس میں تمام مخلوقات خواہ اس دنیا میں موجود ہوں۔ یا اس دنیا سے گذر گئے ہوں سب داخل ہیں ؎

جو خود محتاج ہو وے دوسرے کا
بھلا اُس سے مدد کا مانگنا کیا)

(۴۳) يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ (ابراہیم نے اپنے باپ سے یہ بھی کہا) میرے ابا میرے پاس وہ علم آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا پس تو (میرا باپ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس خدائی علم لانے کے لحاظ سے) میری پیروی کر تاکہ میں تجھ کو سیدھا راستہ دکھاؤں (اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل پیروی اللہ تعالےٰ کی ہی ہے۔ لوگ ان پیرویوں کی وجہ سے غلطی میں پڑ جاتے ہیں اور کچھ کا کچھ بنا لیتے ہیں)

(۴۴) يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ۝ میرے ابا شیطان کی پوجا نہ کر (خدا کے برخلاف جو تابعداری ہے سب شیطان کی پوجا ہے۔ کسی بزرگ نے ٹھیک فرمایا ہے لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ یعنی خدا کی نافرمانی میں کسی بڑے سے بڑے مخلوق کی اطاعت بھی ہرگز ہرگز نہیں کرنی چاہیئے۔ بڑے سے بڑا انسان بھی بھولنے والا ہونے کے سبب غلطی میں پڑ سکتا ہے۔ یہ دعوےٰ کر لینا کہ فلاں شخص خدا کی طرح بے غلط ہے ہرگز ہرگز صحیح نہیں) بلاشبہ شیطان رحمان کا نافرمان ہے۔

(۴۵) يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۝ اے میرے ابا مجھے خوف ہے کہ تجھے رحمان (کی نافرمانی کے سبب) سے عذاب پہنچے سو تو شیطان کا ساتھی بن جائے (کیونکہ رحمان کی نافرمانی شیطان ہی سکھاتا ہے۔ رحمان ہر ایک کے ساتھ مہربانی کرنا چاہتا ہے۔ انسان شیطان کے ساتھ مل کر اور خدا کے مقابل ہو کر خدا کی رحمانیت سے فیض نہیں حاصل کرتا)

(۴۶) قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ ۖ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ ۖ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ۝ اُس نے (یعنی ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے) کہا

اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے مُنہ موڑنے والا ہے۔ اگر تو باز نہیں آئیگا تو میں تجھے سنگسار کردونگا (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا باپ اس حکومت میں بڑا اختیار رکھتا تھا۔ اسلئے اُس نے کہا) اور تو لمبی مدت کے لئے مجھ سے الگ ہوجا۔

(۴۷) قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ (ابراہیم نے) کہا تجھ پر سلام ہو (خدا تجھے ہدایت دے اور تو مومن ہوکر مرے) ابھی میں تیرے لئے اپنے رب سے بخشش مانگونگا۔ بلاشبہ وہ (خدا) مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ (اور اگر تو اسی طرح شرک پر زور دیتا مرگیا اور مجھے اس کا پتہ مل گیا تو اُسوقت میں تیرے لئے بخشش مانگنے سے رُک جاؤنگا ۱۲)

(۴۸) وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ اور میں تم کو اور جن کو تم خدا کے سوائے پوجتے ہو چھوڑ کر (بحکم الٰہی کہیں) چلا جاتا ہوں اور اپنے رب کو ہی پکاروں گا اُمید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر (خود) محروم نہیں رہونگا (اگرچہ آپ کو میری دعا کے مطابق فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے)

(۴۹) فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ سو جب وہ اُن سے (یعنی اپنے باپ اور قوم سے) اور جن کو وہ خدا کے سوائے پکارتے تھے کنارے ہوگیا (اور ایسی بُری مجلس سے نجات پائی) تو ہم نے اُس کو اسحاق اور یعقوب بخشا اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا (اسمٰعیل علیہ السلام اس ہجرت سے پہلے پیدا ہوچکے تھے اور حضرت ابراہیمؑ انھیں عرب کی ہدایت کے لئے مکے میں چھوڑ آئے تھے۔ ہجرت کے بعد بھی انھوں نے اپنی تنہائی کے سبب سے دعا مانگی اور خدا نے انھیں اسحاقؑ اور یعقوبؑ جیسے نبی بخشے)

(۵۰) وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝

اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت عطا فرمائی اور ہم نے اُن کے لئے ان کے ذکرِ خیر کو اونچا کر دیا (ہم نے دور دور تک اُن کی نیک شہرت اور نیک تعلیم پھیلا دی)

رکوع چہارم (۵۱) وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ (مریم علیہا السلام نے خدا کے حکموں پر عمل کیا خدا نے اُسے نبی بیٹا بخشا۔ اس بیٹے نے اس قوم کے آگے بحکم انھیں اپنی ماں کی بریت ثابت کی۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو اُنکی قوم اور اُن کے باپ نے نکال دیا تو اللہ تعالےٰ نے اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے ذریعے سے اُن کی مدد فرمائی۔ انسان تمام محتاج ہیں۔ اُنھیں مدد کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُن کے بھائی ہارونؑ کے ذریعے سے مدد کی جیسا کہ خدا تعالےٰ نے ہمارے رسول کریم کو وحی میں فرمایا کہ) تو اس کتاب (یعنی قرآن) میں موسیٰ کا ذکر کر (رسول وحی کی حالت میں جو کچھ کرتا ہے وہ اس کا اپنا فعل نہیں ہوتا۔ آگے ارشاد ہے) بلاشبہ وہ (موسیٰ) چُنا ہوا تھا اور ایسا رسول تھا کہ نبوت کے درجے تک پہنچا ہوا تھا (صدیقاً نبیاً سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صدیق سے اعلیٰ ہے۔ اسی طرح رسولاً نبیاً سے بھی صاف پتہ لگتا ہے کہ نبی رسول سے اعلیٰ ہے۔ ہر نبی صدیق یا رسول تو ضرور ہوتا ہے۔ لیکن ہر صدیق اور رسول ضرور نہیں کہ نبی ہو۔ رسول کا لفظ ملائکہ اور آدمیوں دونوں پر بولا جاتا ہے۔ لیکن نبی کا لفظ ملائکہ وغیرہم پر نہیں بولا جاتا۔ رسول میں صرف پہنچا دینا ہی ہوتا ہے اور نبی اُسے اسوقت کہتے ہیں جب وہ عملی طور پر فیصلے بھی کرے۔ مدنی سورتوں میں ہی ہمارے رسول کریم کو یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ کہکر پکارا گیا ہے۔ ہاں مکی سورتوں میں نبی کا لفظ بطور پیشگوئی کے لایا گیا ہے۔ نبیوں کے ہمراہ ہو کر جماعتیں جنگ کیا کرتی تھیں ؎)

(۵۲) وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ (آگے خدا تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا) اور ہم نے اُسے طور کی داہنی جانب سے پکارا (یعنی اس وادی سے جو طور کی داہنی جانب یعنی مصر کی طرف تھی۔ طور کا دھانہ جس سے آتشیں مادہ نکلتا تھا جنوب رویہ تھا۔ پس وہ وادی جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا ہوئی طور کے غربی جانب پر تھی ؎۔ اسی وادی کو جو طور کی داہنی طرف تھی ایمن بھی فرمایا گیا ہے ؎۔ اس وادی میں

ایک درخت تھا جو بجلی اس وادی میں پیدا ہوتی تھی وہ درخت اس کے لئے بطور مرکز کے تھا۔ اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتیوں کے اُتارنے کا حکم ہوا تھا تاکہ موسیٰ علیہ السلام میں بجلی کا کچھ حصہ زندہ رہ جائے یعنی محفوظ قائم کر دیا جائے۔ وہ داہنی وادی اس جگہ میں واقع تھی جسے اُس درخت سے برکت و پاکیزگی ملتی تھی۔ اس وادی کو طویٰ کہتے تھے جس پر اکثر لوگ چلا کرتے تھے۔ اس سے اُن کی اعصابی بیماریاں رفع ہو جاتی تھیں۔ انہی لوگوں کو قرآن مجید شاہدین کے لفظ سے یاد کرتا ہے ۲۰/۸۔ حاصل یہ ہے کہ طور کی داہنی وادی کے ہر کنارے سے جو برکت و خیر کی جگہ میں تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام جدہر وہ رُخ کرتے تھے۔ ندا آتی تھی۔ یہ ندا خدا کی ذاتی آواز نہ تھی۔ بلکہ پیدا کردہ آواز تھی۔ لوگ جھنڈیوں اور لالٹینوں کے ذریعے سے اپنے منشا کا ایک دوسرے کو پتہ دیدیتے ہیں۔ انسان زبان سے بولیاں بولتا ہے۔ ان آوازوں سے اپنا دلی منشا ظاہر کر دیتا ہے۔ وہ آوازیں روح کی نہیں ہوتیں لیکن روح کے منشا کے مطابق کام کرتی ہیں۔ خدا کے قول میں بھی اصلیت کے لحاظ سے کوئی لحن و آواز نہیں ہوتی۔ لیکن وہ اپنے منشا کو اپنی مخلوقات میں اشارے کر کے ظاہر کر دیا کرتا ہے۔ نیچر میں ہر تعلیم اسی طرح سے ملا کرتی ہے۔ آگے فرمایا) اور ہم نے اسے (ایسے ہی کلام کے ساتھ) اپنے بھید بتانے کو قریب کر لیا (خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم ہر نبی کی تعلیم سے فیض حاصل کریں۔ کیا خدا کا یہ منشا ہو سکتا ہے کہ مسلمان موسیٰؑ کے ان بھیدوں کو ٹھکرا دیں جو خدا نے ہی اسے بتلائے۔ کیا ان کے پتہ لگنے پر اُنکی قدر و پیروی نہ کی جائے؟)

(۵۳) وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝ (موسیٰ علیہ السلام اپنے حوصلے کی تنگی اور اپنی زبان کی پیچیدگی کی شکایت کرتے ہیں اور حضرت ہارونؑ کو اپنے سے زیادہ فصیح البیان سمجھتے ہیں اسلئے اس کی مدد کی درخواست کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اور ہم نے اُس کو اپنی رحمت سے اسکا بھائی ہارون نبی بخشا (اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں میں الٰہی رسالت کے علاوہ اُن کی اپنی ذات میں بشری نقائص اور بشری خوبیاں بھی ہوتی تھیں۔ کسی کی زبان میں روانی نہیں ہوتی تھی ۱۹/۹ و ۲۵/۱۱ اور کوئی زبان کے لحاظ سے زیادہ فصیح ہوتا تھا ۲۸/۳۴ اور ظاہر ہے کہ ان نقصوں کا تعلق وحی الٰہی سے نہیں ہو سکتا۔ پس نبیوں کے اپنے بیانات ایک دوسرے سے اعلیٰ و ادنےٰ ہوا کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ فہم عطا کرنے میں سلیمان علیہ السلام

کو داؤد علیہ السلام سے زیادہ سمجھ بھی دیدیا کرتا ہے ۱۲۔ یہ کہنا سراسر نادانی ہے کہ جس بات کا فہم داؤد کو نہیں ملا کیا اُن کے بیٹے سلیمان کو مل گیا؟ ایسے لوگوں کو خدا کے قسام حقیقی ہونے پر بھی ایمان نہیں)

(۵۴) وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بڑھاپے کے شروع میں جبکہ اولاد کا مل سکنا قرین قیاس تھا پیدا ہوئے۔ ابراہیم علیہ السلام اُنھیں عرب کی اصلاح کے لئے چھوڑ آئے۔ وطن میں آکر اُنھیں ہجرت کرنی پڑی۔ خدا تعالےٰ نے اُن کی مدد کے لئے اسحٰق علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ اسحٰق علیہ السلام کا ذکر حضرت ابراہیمؑ کے لئے بطور مدد کے لایا جاتا ہے لیکن اسمٰعیل علیہ السلام مستقل نبی تھے جیسا کہ ارشاد ہے) اور تو اس کتاب (یعنی قرآن) میں اسمٰعیل کا ذکر کر (قرآن کے بار بار ذکر کرنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ رسول کریم کی اصل وحی وہی ہے جو قرآن میں لائی گئی ہے۔ آگے فرمایا) بلاشبہ وہ (اسمٰعیل) وعدے کا سچا اور ایسا رسول تھا جو نبی کے عہدے کو پہنچا ہوا تھا۔

(۵۵) وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝

اور وہ (سب سے پہلے) اپنے اہل کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا (صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی حقیقت لازم ہے کہ ہمیشہ ایک ہی رہے۔ ان الفاظ کے معنوں میں کبھی فرق نہیں ڈالا گیا ہاں لوگوں نے نمازوں کو ضائع کر دیا اور اپنی خواہش نفسانی کے پیچھے چلنے لگ پڑے ۱۶۔ قرآن مجید نے اسے واضح کر کے بیان کر دیا ہے جیسا کہ کئی جگہ ذکر آچکا ہے)

(۵۶) وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اور تو اس کتاب (یعنی قرآن) میں ادریس کا ذکر کر بلاشبہ وہ ایسا صدیق تھا کہ نبوت کے عہدے تک پہنچا ہوا تھا۔

(۵۷) وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ اور (جب لوگوں نے اُسے ستایا تو اُس نے ہجرت کی اور) ہمنے اسے بلند مرتبے تک پہنچا دیا (جب تو میں

رسولوں کو اُن کے گھر بار سے نکال دیتی ہیں تو اسوقت خدا تعالےٰ ہی اُن کے کام آتا ہے اور اُنھیں ترقیات عطا فرماتا ہے۔ اس سے خدا تعالےٰ کی امداد کا صریح طور پر پتہ لگ جاتا ہے)

(۵۸) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩ یہ لوگ جن پر نبیوں میں سے اللہ نے انعام کیا آدم کی نسل سے ہیں (ان میں سے کوئی بھی خدا کا بیٹا نہ تھا) اور اُن کی نسل سے ہیں جن کو ہمنے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا (اور اپنے فضل سے بچالیا تھا) اور ابراہیم اور اسرائیل کی نسل سے ہیں۔ (حضرت اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ ابراہیمؑ کی نسل سے تھے اور اسرائیل اسحٰق کی نسل سے تھا اور موسیٰؑ جو ہارونؑ اور وہ رسول جو اس حال میں آیا تھا کہ وہ بشر سوی تھا اسرائیل کی نسل سے تھے۔ یہ لوگ پہلے جوڑے بننے کے بعد جوڑوں سے ہی پیدا ہوتے آئے ہیں۔ پہلا جوڑا بھی جوڑا ہی تھا۔ بیمثل ذات صرف خدا تعالےٰ ہی کی ہے) اور (یہ لوگ) اُن سے ہیں جنکو ہمنے ہدایت دی۔ اور چُن لیا (اس ہدایت کے معاملے میں کسی کی خصوصیت نہ تھی۔ یہ سب اپنے آپ کو بندے ہی جانتے تھے اور نماز میں) جب ان پر رحمان کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو یہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے تھے (یہی ان کی نماز تھی۔ یہ اپنی باتوں کو آیات الرحمان کی مثل ہرگز نہیں ٹھہراتے تھے)

(۵۹) فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ پس ان کے بعد ایسے بُرے جانشین پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کردیا اور (زکوٰۃ کے بجائے) اپنی شہوات کی پیروی کی پس وہ قریب ہی اپنی گمراہی کو ملتے رہے (اور اسکا پھل پاتے رہے)

(۶۰) اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝ مگر جس نے (موت سے پہلے) توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور صلاحیت والے عمل کئے۔ پس وہ لوگ جنت میں داخل ہوتے آتے ہیں اور اُنپر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جاتا۔

(۶۱) جَنّٰتِ عَدْنِ ۨالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝ یہ وہ ہمیشگی کے باغ ہیں جنکا رحمان نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ کیا ہوا ہے۔ بلاشبہ اُسکا وعدہ آکر رہتا ہے (اور اپنے وقت پر پہنچنے سے کبھی روکا نہیں جاتا)

(۶۲) لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ یہ لوگ ان (باغوں) میں کوئی بیہودہ بات نہیں سنتے ہاں سلام کو سنتے ہیں) اور ان کے لئے ان باغوں میں ان کی روزی صبح و شام ملتی رہتی ہے۔

(۶۳) تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝ یہ ایسا جنت ہے جس کے وارث ہم اپنے اُن بندوں میں سے بنایا کرتے ہیں جو (خدا سے) ڈرتے رہتے ہیں۔

(۶۴) وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝ (یہ بندے ہمارے رسول کریم کو کہتے ہیں) اور ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر ان (جنتوں) میں نہیں اُتریں گے۔ اسی خدا کا ہے جو ہمارے آگے اور جو ہمارے پیچھے اور جو ان کے درمیان ہے (یعنی ہر سزمانوں میں اسکا حکم یکساں چلا آتا ہے) اور تیرا رب کبھی بھولنے والا نہیں۔

(۶۵) رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۝ وہ آسمانوں اور زمین کا اور اُن (وسائط) کا جو اُن کے

درمیان ہیں رب ہے اور تو بھی اس کی عبادت پر ٹکا رہ۔ کیا تو اس (خدا) کا کوئی ہمنام (یا مثیل) جانتا ہے؟ (ہمیں جنت میں داخل ہونے کے لئے صرف خدا کی ہی ضرورت ہے اس کے حکم کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ وہ کون ہے جو حکم کرنے میں خدا کی مثل بن سکے۔ قرآن کی تعلیم سے ایسے نیکدل لوگ بھی پیدا ہو گئے تھے جو رسول کو بھی ایسا کرنے کی تاکید کرتے تھے۔ تمام بندے فرمانبرداری کے لحاظ سے ایک ہی صف میں بٹھائے جا سکتے ہیں۔ خدا کی صف میں کوئی دوسرا مثلہٗ معہٗ بن کر نہیں بیٹھ سکتا)

رکوع پنجم (۶۶) وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ۝

(اوپر دار آخرت کی جزا و سزا کا ذکر ہے اور یہ مرنے کے بعد قریب ہی ملتی ہے۔ یہاں اس کے متعلق کفار کا ایک اعتراض پیش کیا گیا ہے) اور یہ (اعتراض کرنیوالا) انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاتا ہوں تو کیا میں قریب ہی زندہ کر کے نکالا جاتا ہوں (خدا نے انسان کو ارتقاء دیکر اس کمال تک پہنچایا۔ اسے عقل و حکمت عطا کی۔ ہمیشہ کی زندگی کا امیدوار بنایا اور نیکی۔ خوشی اور علم میں ترقیات دینے کا وعدہ کیا۔ پھر یہ اپنی غفلت اور شہوات کے سبب سے گرنے کا ہی خواہش مند ہے اور خلاف عقل و دانش ایسے اعتراض کرتا ہے)

(۶۷) أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝

کیا (ہماری رحمت اور بخشش ختم ہو گئی ہے) اور انسان نہیں سوچتا کہ ہم نے اس کو شروع سے پیدا کیا اور وہ کوئی (ایسی) شے نہ تھا (جس کا ذکر کیا جائے۔ انسان اپنی ابتدائی حالت میں ممکن یعنی ہو سکنے والا تھا۔ خارجی وجود نہیں رکھتا تھا۔ خدا نے جو مُرجّح حقیقی ہے اُسے اعلیٰ ترقیات پر لے جانے کے لئے پیدا کیا۔ اب جبکہ موت کے بعد اسکی روح و نسمہ و اعمال و خیالات سب موجود ہوتے ہیں۔ اسوقت اس کا قریب ہی پیش ہونا بالکل قرین قیاس ہے۔ خدا کی قدرت مطلقہ مخلوقات کے لئے علت فاعلی ہے اور امکان محض علت مادی ہے۔ اور اعلیٰ ارتقاؤں پر پہنچانا علت غائی ہے۔ مخلوقات ایسے عدم سے وجود میں نہیں لائی جاتی جس میں وجود میں آنیکی صلاحیت ہی نہ ہو)

(۶۸) فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝

(خدا کی صفتِ ربوبیت مخلوقات کو اعلیٰ ارتقاؤں پر پہنچانا چاہتی ہے۔ اس صفت کی سند کو پیش کر کے فرمایا) سو تیرے رب کی قسم ہے البتہ ہم ان لوگوں کو اور اُن کے شیاطین کو (جن کو انھوں نے اپنی غفلت اور اتباعِ شہوات کے سبب اپنا رفیق بنایا ہوا ہے) جہنم کے اردگرد ہانک لائیں گے اس حال میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے۔

(۶۹) ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝

پھر ہم (ان کے) ہر ایک فرقے سے (جو جہنم کے گرد حاضر ہوتا ہے) ایسے لوگوں کو نکالتے جائیں گے جو رحمان کے مقابلے پر سرکشی میں زیادہ سخت ہیں۔

(۷۰) ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝ پھر ہم کو ان لوگوں کا خوب علم ہے جو اس میں جلنے کے لئے قریب تر (اور زیادہ مقدم) ہیں (ائمۃ الکفر اپنی قوم سے جلنے میں مقدم ہوتے ہیں اور وہ اپنے ساتھیوں کو اپنے پیچھے پیچھے آگ کے گھاٹ میں اُتارنے کے باعث بنتے ہیں ۱۲/۹)

(۷۱) وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ اور تم میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہے مگر وہ اس میں وارد ہوتا ہے۔ یہ بات تیرے رب پر ایک فیصلہ شدہ یقینی بات ہے (جہنم میں ایک دروازہ ہے جو جنت کی طرف کھلتا ہے انسان ضعیف ہے اگر وہ خدا تعالےٰ پر سچا بھروسہ کرے اور اپنی توفیق کے مطابق شرارتوں سے بچے تو اُسے جہنم کا معائنہ کرا کر جنت میں پہنچایا جاتا ہے۔ مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اس کی کمزوری دکھلائی جائے اور خدا کے فضل کا زیادہ خواہاں بنایا جائے۔ بڑے بڑے انبیاء کو اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہماری اپنی اور کسی اور کی نجات بھی ہمارے بس کی چیز نہیں ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا انسان بھی الٰہ نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ اپنی نیک توجہ کے سبب سے جو انھیں خدا کے ساتھ ہوتی ہے جہنم سے دُور کئے جاتے ہیں ۱۲/۱۰)

(۷۲) ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۝ (خالق و خلق کے ساتھ ظلم دکھلانے والے اس میں گھٹنوں کے بل پڑے رہتے ہیں۔ خدا ہی جب مناسب دیکھے اُنھیں اُٹھا کر لے جا سکتا ہے ورنہ وہ بچاؤ کے لئے اپنی طرف سے کوئی حرکت بھی نہیں کر سکتے جیسا کہ ارشاد ہے) پھر ہم ان لوگوں کو جو خدا سے ڈرتے ہیں نجات دیا کرتے ہیں اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیا کرتے ہیں۔

(۷۳) وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّأَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ (خدا سے ڈرنے والوں اور شرارت پیشہ لوگوں کے نتائج میں مذکورہ بالا فرق لازمی طور پر ہوتا ہے لیکن ایسی آیات کو سُنکر کافر اپنی دنیا کے ظالمانہ اختیاروں پر اور اس بات پر کہ ہم سرداروں کی مجلس میں شان ہیں پھولا کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) اور جب اُن پر ہماری کھلی کھلی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو کافر مومنوں کے متعلق کہتے ہیں کہ ہمارے دو فریقوں میں سے کونسا مرتبے میں بہتر ہے اور مجلس میں خوب تر ہے (کافر موجودہ جاہ و جلال پر پھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسوقت تو ہم مسلمانوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ آئندہ بھی ہم کو خدا کے پاس خواہ نخواہ بہتری ہی ملیگی۔ اگرچہ ہم اس کی نعمتوں کو ضائع کریں اور اس کے بندوں کو تختۂ مشق ستم بنائیں)

(۷۴) وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَّرِئْيًا ۝ (اگر ان کا یہ دکھلاوا ہی کار آمد چیز ہے تو یہ کیا ہوتا آیا ہے کہ پہلے بڑے بڑے عروج والے لوگ تباہ ہو گئے۔ راستبازی اور نیک معاملہ ہی اصل چیز ہے جیسا کہ فرمایا) اور ہم نے ان سے پہلے کسقدر زمانوں کو ہلاک کر دیا جو سامان (خانہ داری) میں اور ظاہری نمود میں بہت خوب تھے۔ (اور اپنی نامعقول عزت پر فخر کیا کرتے تھے۔ ان کی عزت کی کوئی حقیقی بنیاد نہ تھی)

(۷۵) قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ۚ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ

شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ۝ (جو شخص باز آجائے خدا بھی اسے بچالیا کرتا ہے لیکن جو شخص گمراہی پر اڑا رہے اور گمراہی کے سیلاب میں بہنے کے لئے اپنے آپ کو چھوڑ دیوے تو ضرور ہے کہ اس میں وہ گمراہی پڑ کی شکل اختیار کرلیوے اور اُس کو سخت مصیبتوں میں پھنسا دیوے چنانچہ ارشاد ہے) تو کہہ جو شخص ضلالت (یعنی گمراہی) میں چلا آیا ہے (اور سمجھانے پر بھی نہیں ٹلا) تو ضرور ہے کہ رحمان اُسے (اس گمراہی میں) ایسی مدد دیوے جو مدد دینے کا حق ہے (جب نیکی کی طرف مڑنا محال ہو جاتا ہے تو ضرور ہے کہ خدا کی رحمانیت اسے عذاب کی طرف یا پیشی کی گھڑی کی طرف لے جائے تاکہ اسکا وہاں مناسب معالجہ کیا جائے۔ حاصل یہ ہے کہ اس حالت میں رحمان اسے سزا کی طرف لیجاتا ہے) یہانتک کہ جب وہ اپنے وعید کو دیکھ لیویں جو یا تو (دنیا کا استیصالی) عذاب ہے اور یا پیشی کی گھڑی ہے۔ پھر ایسے لوگ ساتھ ہی جان لیتے ہیں کہ کون شخص مرتبے کے لحاظ سے بدتر اور جماعت کے لحاظ سے ضعیف تر ہے (شریر لوگ جب عذاب جہنم کے ذریعے سے پاک کئے جاتے ہیں تو اپنی فطرت سلیم کے مطابق آگے ترقیاں کرتے ہیں اور مومنوں کی فوج میں داخل ہو جاتے ہیں۔ دوسرے عالم میں مومنوں کی جماعت کفار سے اضعف نہیں ہو سکتی اور اس دنیا میں بھی جب کافر ہلاک ہو جاتے ہیں تو مومنوں کی آزادی کا زمانہ آتا ہے اور اُنھیں ترقیات ملتی ہیں)

(۱۶) وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝ (جسطرح بدی کا پیڑ لگانے والوں کو خدا مدد دیتا ہے یہی حال نیکوں کا بھی ہے۔ اُنھیں بھی خدا تعالےٰ سے مدد ملتی ہے اور وہ غالب ہو جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) اور اللہ ان لوگوں کو جو ہدایت پر جم گئے ہدایت میں اور ترقی دیتا ہے (اور علم و نیکی و خوشی میں بڑھاتا ہے۔ یہ اُن نیکیوں کا نتیجہ ہے جو قائم رہنے والی ہیں۔ فرضی و خیالی نیکیاں اَلْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ نہیں بن سکتیں) اور قائم رہنے والی چیزیں جو صلاحیت والے کام ہیں وہ تیرے رب کے نزدیک اجر میں خوب ہیں اور نتیجے کے لحاظ سے بھی خوب ہیں (جن سے ہمیشہ کی ترقیاں ملتی جائینگی۔ پس اعمال میں اصلی صلاحیت کو دیکھنا چاہیئے۔ کتیں ہانک کر اُنھیں صلاحیت

والا نہ بنا لینا چاہیئے)

(۷۷) اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ (مومن اشلع)

یعنی زیادہ صلاحیت والی باتوں پر چل کر ترقی پاتے ہیں۔ کافر دوسروں کے حقوق مار لیتے ہیں اور تلک الایام نداولھا کے قاعدے کے مطابق بھی کبھی ترقی پا لیتے ہیں۔ ایسی ترقی ان کی خوبی کو نہیں دکھلاتی۔ پس کفار کا یہ خیال غلط ہے کہ جب اللہ ہمیں اس جگہ مال اور اولاد دیتا ہے تو ضرور ہم جزا کے وقت میں بھی اعلیٰ رہیں گے) کیا (خدا کے ہاں صلاحیت کی قدر نہیں) پھر تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہا کہ میں ضرور ہی مال اور اولاد دیا جاؤنگا۔

(۷۸) اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ (جب اس میں خوبی کی کوئی وجہ ہی نہیں تو) کیا اس نے غیب کو جھانک لیا ہے (اور غیب پر اس کی نظر پڑ گئی ہے) یا کیا اس نے رحمان کے پاس سے عہد لے لیا ہے۔

(۷۹) كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ نہیں ہرگز جو وہ کہتا ہے ہم اسے ساتھ ہی لکھتے جاتے ہیں اور اس کے لئے عذاب میں زیادتی کرتے جائیں گے۔

(۸۰) وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ۝ اور جس (مال و اولاد کے رکھنے) کا وہ دعوے کرتا ہے ہم اس کے وارث بنتے ہیں اور وہ ہمارے پاس اکیلا ہی آتا ہے (مال و اولاد کو ساتھ لیکر نہیں آتا)

(۸۱) وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ (اصلی خاوند کو چھوڑ کر زانیہ غیروں سے لپٹتی پھرتی ہے تاکہ اُسے عزت مل جائے جیسا کہ ارشاد ہے) اور ان لوگوں نے اللہ کے سوائے اور معبود بنا لئے ہیں تاکہ وہ اس کے لئے غلبے کا باعث بنیں۔

(۸۲) كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ ہرگز نہیں ابھی یہ (موت کے ساتھ ہی) اُن کی عبادت کے کافر ہوں گے اور اُن کے مدِمقابل بنکر کھڑے ہو جائیں گے۔

رکوع ششم (۸۳) أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ۝ (جب کافروں کو کہا گیا کہ تم اپنے خیالی معبودوں کی عبادت کے ابھی کافر بن جاؤ گے اور اُن کے مدِمقابل بنکر اُن کی تکذیب کرو گے تو کفار نے اس بات کو حقیقی نہ سمجھا بلکہ خیال کیا کہ یہ پیغمبر ہمارے معبودوں کی تنقیص کرتا ہے اور اُن کی ہتک کر رہا ہے۔ یہ سُنکر وہ زیادہ برانگیختہ ہوئے جیسا کہ ارشاد ہے) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ ہم شیاطین کو کافروں کی طرف بھیجتے ہیں۔ وہ اُنھیں بھڑکاتے ہیں (اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ ہونے کے سبب تمام مشرک مومنوں کے مقابلے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اکٹھے ہو کر مومنوں کو مٹانا چاہتے ہیں)

(۸۴) فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۝ (مشرکین کا یہ اجتماع اُنھیں ہلاکت کے زیادہ قریب کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) سو تو ان (کے مواخذہ کے مطالبے) پر جلدی مت کر۔ سوائے اس کے نہیں کہ ہم ان کے لئے گنتی پوری کر رہے ہیں (جب تک اُن کا پیمانہ لبریز نہ ہو اُن کو پکڑنا حکمت کے خلاف ہے)

(۸۵) يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ۝ (یہ مواخذہ موت کے ساتھ ہی واقع ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمایا) جس دن ہم متقیوں کا حشر رحمان کی (یعنی اپنی) طرف اس حال میں کرتے ہیں کہ وہ بطور مہمانوں کے آتے ہیں۔

(۸۶) وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝ اور مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے بنا کر ہانکتے ہیں۔

(۸۷) لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝

(ان کو اپنے شفیعوں پر بھروسہ ہوتا ہے سو) وہ شفاعت کے مالک نہیں ہیں مگر جس نے رحمان کے پاس عہد لے لیا ہو (رحمان بلا استحقاق رحمت کرنیوالا ہے اُس کے حضور میں کوئی شفیع بنکر نہیں آتا۔ اگر اُنھوں نے کوئی عہد لیا ہوا ہو تو اُس کو پیش کریں۔ کافر شفاعت کے قائل تھے۔ خدا تعالےٰ اُنھیں فرماتا ہے کہ اگر تم نے کوئی عہد لیا ہوا ہے تو اُسے پیش کرو۔ ایسی آیات کفار کو جھوٹا بتلا رہی ہیں اور فرماتی ہیں کہ نہ خدا نے کسی سے عہد کیا ہوا ہے اور نہ کسی کو ایسا اذن دیا ہوا ہے۔ ہاں میں رحمان ہوں۔ مومنوں کو میرا رحیمانہ فیصلہ ہی کافی ہے۔ مومنوں کو کبھی شفاعت کی چاٹ نہیں لگائی گئی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ الخ ۱/۲ اور وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ ۱/۱۵ اور يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۳/۲۔ کافر ہی شفاعتوں کے قائل تھے اُنہی کو فرمایا کہ میرے اذن کے بغیر میرے ہاں کون شفاعت کر سکتا ہے پھر فرمایا وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۱/۱۲۔ مومن خدا تعالےٰ کے سوائے کسی کو ولی اور شفیع نہیں سمجھتے تھے۔ وہ آخرت کے لائق سعی بجا لاتے تھے اور کسی غیر کی شفاعت پر بھروسہ نہیں رکھتے تھے۔ پھر ارشاد کیا وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۱/۱۱ یعنی اور یہ لوگ اللہ کے سوائے ان لوگوں کی پوجا کرتے ہیں جو اُنھیں نہ ضرر دیتے ہیں اور نہ نفع دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے نزدیک ہمارے شفیع ہیں۔ تو اُنھیں کہہ کہ کیا تم خدا کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ آسمان میں جانتا ہے اور نہ زمین میں۔ وہ اُن کے شریک بنانے سے پاک اور بلند ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر ہی شفیعوں کے قائل تھے۔ انہی کو کہا گیا کہ خدا کے اذن اور وعدے کے بغیر کون شفاعت کر سکتا ہے۔ مومنوں کو کبھی ایسا نہیں کہا گیا۔ کیونکہ اُن کا بھروسہ صرف ذات باری اور اُس کی فرمانبرداری پر تھا۔ پھر ارشاد کیا یا کیا ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ شفیع بنائے ہیں تو کہہ کیا وہ

اس صورت میں بھی شفیع بنیں گے کہ وہ کسی چیز کا اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ اُن کو (انسان کے اندرونی حالات کی) سمجھ ہو۔ تو کہہ تمام شفاعت (وحمایت) اللہ تعالےٰ کے لئے ہی ہے آسمانوں اور زمین کی حکومت اسی کے لئے ہے۔ پھر تم اسی کے آگے پیش ہوتے ہو اور جب اللہ اکیلے کا ذکر آتا ہے تو ان لوگوں کے دل نفرت پکڑتے ہیں جن کو آخرت پر ایمان نہیں اور جب خدا کے سوائے اور لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے جب تو یہ لوگ خوشیاں مناتے ہیں۔ تو کہہ اے اللہ تو آسمانوں اور زمین کا نئے سرے سے پیدا کرنے والا ہے۔ تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اس میں حکم کریگا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے ۲۴ پھر اللہ تعالےٰ حکم کرتا ہے پھر تجھے کس چیز نے بتایا کہ جزا کا دن کیا ہے۔ وہ دن وہ ہے جس دن کوئی نفس کسی نفس کے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا اور حکم سارے کا سارا اللہ کے لئے ہی ہوتا ہے ۳۔ اللہ تعالےٰ جب کسی شخص پر رحمت کرنا مناسب دیکھے تو اس رحمت کو کوئی نہیں ٹال سکتا اور اگر پیغمبر کو بھی ضرر پہنچانا چاہے تو کوئی اس ضرر کو کھولنے والا نہیں۔ پھر ایسے خدا کے فیصلے کے بعد خدا کے لئے کونسی مصیبت پڑ سکتی ہے کہ کسی دوسرے کو خواہ مخواہ شفاعت کرنے میں اپنے ساتھ ملائے اور اس کی شفاعت کے بعد ہی بخشے)

(۸۸) وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ (یہ لوگ خدا تعالےٰ کے بیٹے ٹھہراتے ہیں۔ کیا ان کی ان کرتوتوں کے سبب ہی خدا نے ان کے لئے شفاعت کا عہد کر رکھا ہے) اور اُنھوں نے کہا کہ خدا نے بیٹا پکڑا ہے (اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ بتاتے تھے کہ خدا نے شفاعت کا عہد کیا ہے اُن کی صاف تردید کی گئی ہے۔ مومنوں نے کبھی اس عہد اور ایسے اذن اور کفاروں اور فدیوں کا دعوےٰ نہیں کیا۔ اُن کے متعلقہ حکموں کو بھی ایسی آیتوں سے نکالنا سراسر باطل ہے)

(۸۹) لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ (آگے فرمایا) تم ایک بھاری بات لائے ہو۔ (جو رحمان کے حضور خیروں کو شفیع بتاتے ہو کیا اس کی رحمانیت اُس کے آگے خود ہی شفیع نہیں بن سکتی)

(۹۰) تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ

هَدًّا ۝ (اگر ایسی بات ہوتی تو) قریب تھا کہ آسمان اس بات سے شگافتہ ہو جائے اور زمین پھٹ جاتی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جاتے۔

(۹۱) اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ یہ کہ اُنھوں نے رحمان کیلئے بیٹا بنا کر پکارا۔

(۹۲) وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اور رحمان کے لئے تو یہ لائق ہی نہیں ہے کہ وہ بیٹا پکڑے (جو تمام مخلوقات کے ساتھ رحمانیت کا تعلق رکھتا ہے اُسے بیٹے کی کیا ضرورت؟)

(۹۳) اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝

جو شخص آسمانوں اور زمین میں ہیں سب رحمان کے پاس بندے ہو کر آتے ہیں (اُن کا سچا کمال بندگی ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۲۷/۵۶۔ انسان کا آخری کمال ٹھیک طرح پر عبد بننے میں ہی ہے جیسا کہ فرمایا فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۸۹/۲۹۔ ایسے ممکنات کو واجب کے ساتھ ایک صف میں لا کر ہمہ اوست کا عقیدہ سکھانا سرتاپا ظلم ہے)

(۹۴) لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ (آگے فرمایا) خدا نے اُن کو گھیر رکھا ہے اور اُنھیں ایک ایک کر کے گن رکھا ہے۔

(۹۵) وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ اور ان میں سے ہر ایک خدا کے پاس پیشی کے دن اکیلا اکیلا ہی آتا ہے۔ (کوئی اپنے شفیع کو اپنے ساتھ نہیں لا سکتا۔ پھر خدا کے فیصلے کے بعد وہ شفیع کیا بنائیگا)

(۹۶) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور صلاحیت والے کام کئے

ابھی خدا اُن کیلئے اپنی محبت کر یگا (اور اُنھیں اپنی محبت سے ہی بچائیگا۔ رحمان سے بڑھکر اور کون مہربان ہو سکتا ہے)

(۹۷) فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ (ہماری آواز کو تو کوئی شخص محسوس نہیں کر سکتا۔ ہم خود ہی انسانوں کی بولیوں میں کتابوں کو لاتے رہتے ہیں) سو سوائے اس کے نہیں کہ ہم نے اس (قرآن) کو تیری بولی (یعنی عربی) میں آسان کر دیا ہے تاکہ تو ڈرنے والوں کو اس کے ساتھ خوشخبری دے اور اس قوم کو ڈرائے جو سخت جھگڑالو ہے (اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو عربی میں اُتارا ہے تاکہ لوگ اس کو سمجھیں۔ قرآن مجید کو عوام لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ خدا سے ڈرنے والے اس سے جلد فیضیاب ہو جاتے ہیں اور جھگڑالو بہت ہی کم فائدہ اُٹھاتے ہیں)

(۹۸) وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝ (اگر یہ جھگڑے سے باز نہیں آئیں گے تو اس بات کا خیال رکھیں) اور ہمنے ان سے پہلے کسقدر زمانوں کو ہلاک کر دیا۔ کیا تو ان میں سے کسی کو (اس مادی دنیا میں) محسوس کرتا ہے یا اُن کی کوئی آہٹ سنتا ہے (وہ جزا کے عالم میں پہنچ گئے ہیں اُن کا اس کثیف مادی عالم کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُورَۃ طٰہٰ

مضمون اور نظم و ربط

اس سورت میں بھی موسیٰ علیہ السلام کی دو ہجرتوں کا بیان ہے۔ ایک وہ ہجرت تھی جو اُنھوں نے فرعون کی جابرانہ سزا سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے کی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام اسی سفر میں موسیٰؑ سے ملے تھے۔ پھر وہ آٹھ دس سال تک مدین میں رہے دوسری ہجرت بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکالنے کے لئے تھی۔ فرعون نے اُن کا تعاقب کیا اور لقمۂ بحر ہوا۔

سابقہ سورت میں مسیحؑ و مریمؑ و ہارونؑ کا ذکر ہے۔ اس سورت میں موسیٰؑ اور اُن کی بہن اور ہارون علیہ السلام کا بیان ہے۔ سورت انعام کی آیت وَ نُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ لخ ۱۶ میں جسطرح مسیح علیہ السلام کے باپ کا بیان ہے اُسی طرح ان آیات میں حضرت موسیٰ و ہارون کے باپ کا بھی ذکر ہے۔ اگر مفسرین معقولیت کے برخلاف مسیح علیہ السلام کے متعلق باپ کی جگہ ماں مراد لیتے ہیں تو ضرور ہے کہ اُسی آیت سے موسیٰ و ہارون کے باپ کا بھی پتہ نہ لگے۔ اُن کے متعلق بھی باپ کے لفظ سے ماں ہی سمجھی جائے۔

پھر موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو وحی ہوئی کہ تو اسے صندوق میں ڈالکر دریائے نیل میں بہادے اور اُسی ماں کو ہی کہا گیا کہ ہم اس تیرے بیٹے کو تجھ سے ملا دینگے اور رسول بنائینگے باپ کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ باپ نے صندوق بنا کر اُنھیں دریا میں نہیں ڈالا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی بہن ہی بہتے صندوق کے پیچھے ساتھ ساتھ چلی گئی اور جب موسیٰ علیہ السلام کے لئے فرعون کے ہاں دایہ کی ضرورت پڑی تو وہی لڑکی اپنی ماں کو موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کے لئے لیگئی۔ ان تمام واقعات میں باپ کی اجازت اور اُس کی مداخلت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

ہمارا اعتقاد ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈالا گیا اُسوقت اُن کا والد فوت ہو چکا تھا۔ عقل اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اس لئے یہ سب کام ماں کی اجازت سے ہی کئے گئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے بھی جب موسیٰ علیہ السلام اُنھیں سر سے پکڑکر

گھسیٹنے لگے ۔ کہا کہ اے میرے ماں جائے مجھے ڈاڑھی اور سر سے مت پکڑنا ۔ اُنھوں نے بھی باپ کا ذکر نہیں کیا ۔ اگر یہ صحیح ہے کہ ماں کے ذکر سے اور ماں کے جایا یعنی ابن اُم ہونے سے باپ نہیں ہوا کرتا تو موسیٰؑ اور ہارونؑ اور اُن کی بہن کا بھی باپ نہ تھا ۔

خدا تعالےٰ نے ایسی مناسبتوں کے لئے ان دونوں سورتوں میں اس قسم کے الفاظ استعمال کئے ہیں تاکہ دکھلایا جائے کہ مذہبی لوگ خوارق کے ثبوت کے لئے کیسے کیسے بہانے بناتے ہیں ۔

جب حضرت مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تو مریم علیہا السلام نے اُن کا ساتھ دیا اور اُن کی تکلیفوں میں شریک ہوئیں ۔ اگر اسوقت مسیحؑ کا باپ موجود ہوتا تو ضرور تھا کہ وہ بھی اپنے بیٹے کا ساتھ دیتا ۔ اسوقت عیسےٰ علیہ السلام ماں کی پرورش کرتے تھے اور اُن کے ساتھ بحسن سلوک پیش آتے تھے ۔ ایسی صورت میں بر اُبوالدتی سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اُن کا باپ نہ تھا قطعاً غلط ہے ۔

سورت سابقہ میں حضرت مریم علیہا السلام نے اپنے بڑے بھائی ہارون کی ولایت سے بھی کام نہیں لیا ۔ اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بڑے بھائی ہارونؑ کو سر کے بالوں سے پکڑ کر کھینچا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے حکم کے برخلاف بڑا بھائی بلکہ نبی بھائی بھی اگر کوئی غلطی کرے تو اُس سے جواب طلبی کی جا سکتی ہے اور اُس سے مناسب مواخذہ کیا جا سکتا ہے ۔ نبیوں کی اطاعت باذن اللہ یعنی خدا کے حکم کے مطابق ہی کی جا سکتی ہے ۔ قرآن ایک معبود کی طرف بلاتا ہے اور اُسی کی مرضی کو مقدم ٹھہراتا ہے ۔ خدا کے آگے تمام مرضیاں توڑی جا سکتی ہیں ۔ نبیوں کی اطاعت کے وہ معنی نہیں ہیں جو اہلحدیث لیتے ہیں ۔ یہ لوگ بندوں کی اطاعت کو خدا کی اطاعت کے ساتھ مثلاً معہٗ ٹھہراتے ہیں اور دو حکم مطلق اور دو اصل مطاع اور دو احکم الحاکمین کا اعتقاد مسلمانوں میں جاری کرتے ہیں ۔

موسیٰ علیہ السلام جیسے صاحب عزم نبی کو ہمارے اہلحدیث کی طرح اتنی خبر بھی نہ تھی کہ نبی کی اجتہادی غلطیوں کو خدا اس دنیا میں ہی نکال دیا کرتا ہے اور وہ آئندہ مواخذہ کے قابل نہیں رہتے ۔ اُن سے جواب طلبی نہیں کی جاتی بلکہ اُنھیں خواہ مخواہ وحی الٰہی کے نازل ہونے کے بغیر اپنی ذات سے ہی صحیح کار سمجھ لیا جاتا ہے ۔ اُس صحت کا نبیوں

کو بھی اپنی ذات سے مالک و مختار سمجھ لیا جاتا ہے جس صحت کا نظریات میں وحی الٰہی کے بغیر حاصل ہونا ناممکن ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نبی بھائی کو سر کے بال پکڑ کر کھینچا اور جب تک انھیں قابل معافی نہیں دیکھا نہیں چھوڑا۔

اس سورت میں موسیٰ علیہ السلام کے دیگر کارناموں کا بھی ذکر ہے۔ یہاں ان میں سے ایک بات کا بیان کیا جاتا ہے۔ طور کی داہنی وادی میں بجلی کی موجیں بڑے زور شور سے پیدا ہوتی تھیں۔ خدا تعالےٰ نے اپنے تصرف سے اس بجلی کا ایک حصّہ اپنی سنتوں اور حکمتوں کے مطابق موسیٰ علیہ السلام میں محفوظ کر دیا تھا تاکہ وہ دو چار مناسب موقعوں پر بحکم الٰہی اس سے کام لے سکیں۔ فرعون اس حکمت کو نہیں سمجھ سکا اور مقابلہ کرنے سے اسپر غالب بھی نہیں آسکا۔

اللہ تعالےٰ نے اس وادی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اقرار کیا کہ یہ میرا عصا ہے۔ میں اسپر تکیہ لگاتا ہوں اور اس کے ذریعے سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے اور بھی کئی ایک کام ہیں۔ مطلب یہ کہ میں اس کے سبب سے درندوں اور گزندوں سے بھی بچ سکتا ہوں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عصا اسی قسم کا تھا جیسا کہ بکریوں والوں کے پاس ہوتا ہے۔ اسپر کوئی لوہے کا اوزار بھی لگا ہوا تھا جس سے بکریوں کے لئے شاخیں کاٹی جاتی ہیں۔ اسوقت تک موسیٰ علیہ السلام کو اس عصا کا وہ فائدہ معلوم نہ تھا جس کا بیان آگے آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس فائدے کو جسکا ذکر آگے آتا ہے پہلے پہل اسی وادی میں دیکھا تھا۔

جب ہم کہتے ہیں کہ زید آدمی ہے تو یہاں زید کی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔ لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ زید چاند ہے یا شیر ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ زید چاند کی طرح خوبصورت اور شیر کی طرح بہادر ہے۔ یہ معنی لینا کہ زید اپنی انسانیت کو چھوڑ کر چاند کی طرح ایک آسمانی کرہ یا ایک لایعقل حیوان بن گیا ہے۔ قطعاً غلط ہے۔

انڈا مناسب حرارت پاکر پرندہ بن جاتا ہے اور انسانی نطفہ رحم مادر میں انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ تبدیلی ایک حقیقت اور اصلیت کے مطابق ہے۔

لیکن عصا کبھی سانپ نہیں بن سکتا۔ جسطرح انڈا پرندہ بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں عصا کو استعارہ کے طور پر ہی سانپ کہا جائیگا اور وجہ شبہ صاف بتلا دیگی کہ اس کو سانپ حرکت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام سے وادی میں کلام کی تو فرمایا کہ اس عصا کو پھینک دے۔ تو اُسوقت وہ سونٹا اُس بجلی کے سبب سے جو موسیٰ علیہ السلام میں سونپی گئی تھی سانپ کی طرح حرکت کرنے لگا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ نے اُسے پھینکا تو اُسوقت وہ سونٹا ایک سانپ تھا۔ اسلئے کہ حرکت کرتا تھا۔ اس جگہ تسعیٰ کا لفظ اسلئے لایا گیا ہے تاکہ دکھلایا جائے کہ وہ سونٹا حرکت کے لحاظ سے سانپ کی مانند تھا۔ اس میں عصا کی ذات کی تبدیلی ثابت نہیں ہوتی بلکہ سیرت وحالت کی تبدیلی ہی نکلتی ہے۔ اُسی وادی میں پہلے پہل عصا پر جو حالت وارد ہوئی ہے اسکا بیان سورت نمل اور سورت قصص میں بھی آیا ہے۔ وہاں فرمایا ہے کہ تو اس عصا کو ڈالدے سو جب موسیٰ نے اُس عصا کو اسطرح ہلتے دیکھا گویا کہ وہ ایک سفید سانپ ہے۔ تو وہ ڈر گئے۔

ان سورتوں سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ نہیں بن گیا بلکہ سانپ کی طرح حرکت کرتا تھا۔ کئی ایک مفسرین اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ جان کے معنی چھوٹے سانپ کے ہیں۔ اُن کے نزدیک وہ سونٹا بڑا سانپ بن گیا تھا۔ لیکن ایسی تیزی سے حرکت کرتا تھا گویا کہ وہ چھوٹا سانپ ہے یہ محض ایک بناوٹ ہے۔ جان کے معنی سفید سانپ کے ہیں۔ عصا کا رنگ سفید تھا۔ اُسے سفید سانپ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اور اھتزاز کے معنی ہرگز ہرگز تیز حرکت کے نہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اور تو زمین کو خشک دیکھتا ہے۔ سو جب ہم اُسپر پانی برساتے ہیں تو وہ ہلتی ہے اور پھولتی ہے۔ اور ہر ایک رونق دار چیز کو اُگاتی ہے ۵/۱۔ پانی کے برسنے سے بلاشبہ مٹی حرکت کرتی ہے۔ لیکن وہ حرکت کچھ دیر کے بعد ذرا سی محسوس ہوتی ہے۔ پس اھتزاز میں حرکت کی تیزی کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔ یہ سب مفسرین کی بناوٹ ہے۔ ۲۴/۱۹ میں بھی یہی ذکر آیا ہے۔ وہاں بھی اھتزاز کے لفظ میں حرکت کی تیزی کے کوئی معنی نہیں پائے جاتے۔

حاصل یہ ہے کہ ان تینوں سورتوں میں ایک ہی بات ثابت کی گئی ہے کہ اُس سونٹے کی ذات نہیں بدلتی تھی۔ اُس کو حرکت کے لحاظ سے سانپ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کا مفصل ذکر سورت اعراف میں آچکا ہے۔ ترجمہ و تشریح میں بھی اگر اللہ نے چاہا تو اس کا کچھ بیان آئیگا۔

حضرت مسیح علیہ السلام حکمت کا نشان لائے تھے۔ ایسے نشانوں کے دیکھنے کے باوجود قوم نے اپنی طرف سے ہر طرح کی کوشش کی کہ اُنھیں مصلوب کرایا جائے اور بظاہر اسباب اُنھوں نے کوئی فرق بھی نہیں کیا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے نشانات بھی معقول تھے۔ فرعونی اُن کو ہنسی میں اُڑاتے رہے۔ پھر بنی اسرائیل نے سامری کے بچھڑے کی وہ عزت کی جو عزت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی دلیل کے لئے ہرگز نہیں کی گئی۔ لوگ نامعقول توہمات پر گرتے ہیں۔ معقولیت اور حکمت کا خیال نہیں رکھتے

سابقہ سورت کے اخیر میں فرمایا ہے کہ خدا نے قرآن کو عربی زبان میں آسان بنایا ہے اور ظاہر ہے کہ آسان بنانے کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ لوگ اس کے فہم میں اپنی جائز آزادی کو نہ کھودیں اور فضول قیود میں نہ پھنس جائیں۔ اس سورت کے شروع میں ہی فرمایا ہے کہ ہمنے یہ قرآن تجھ پر اسلئے نہیں اُتارا کہ تو شقی یعنی بدبخت بن جائے اور توہمات میں پھنسکر کامیابی اور رشد سے محروم رہے۔ یہ تو ڈرنے والے کے لئے ایک نصیحت ہے۔ توحید الٰہی سراسر واضح ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی اسی توحید کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے۔

جو شخص قرآن پاک کی قدر نہیں کرتا اور اُس کی آیات سے فائدہ نہیں حاصل کرتا وہ جزا کے دن حق کے لحاظ سے اندھا اُٹھتا ہے اور اللہ تعالےٰ اُسے کہتا ہے کہ تیرے پاس میری آیتیں آئیں تو نے اُنھیں بھلا دیا اور اُسی طرح آج تو بھی بھلایا جاتا ہے۔

جس دن سے مسلمانوں میں روایتوں کا دور دورہ ہوا اُسی دن سے قرآن مجید کی قدر مسلمانوں کے دلوں سے کم ہوگئی ہے جیسا کہ اس سورت کے اخیر میں ذکر ہے

ترجمہ و تشریح

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمان و رحیم ہے

(۱) طٰهٰ ۚ ۝ طٰہٰ (اس میں بیج کی طرح اس سورت کے مضامین لائے گئے ہیں۔ خدا خود ہی آگے انھیں درخت کی صورت میں جلوہ گر کرتا ہے)

(۲) مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ (آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ہم نے تجھ پر یہ قرآن اس لئے نہیں اُتارا کہ تو ناکام رہے (اور تو فضول رسموں اور توہمات میں پھنسکر اصل خوبی سے محروم رہ جائے۔ قرآن کی تعلیم بالضرور ثمر دینے والی ہے)

(۳) اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ ہاں (یہ قرآن) اُس شخص کو یاد دلانے کے لئے ہے جو (بُرے نتائج سے) ڈرتا ہے۔

(۴) تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ (جو چیز خدا کی طرف سے ہوگی وہ بالضرور حق کے ساتھ ہی نازل ہوگی جیسا کہ فرمایا ہے) اِسکا اُتارنا اُس کی طرف سے ہے جس نے (جنس) زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ (اور اُن کے درمیان حکمت اور رحمت کے ساتھ تعلقات پیدا کئے۔ سب کام موزون طریق پر ہو رہے ہیں)

(۵) اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ وہ رحمٰن ہے۔ وہ اپنے تخت (حکومت) پر ٹھیک طور پر قائم ہے (اُس کے حکم میں کوئی اُسکا شریک نہیں)

(۶) لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ اُسی کا (محکوم) ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو (جنس) زمین میں ہے اور جو اُن کے درمیان (بطور وسائط کے) ہے اور جو نمدار مٹی کے نیچے ہے (زمین کے اندر بہت بڑی آگ ہے جس سے تمام چیزیں پگھلی ہوئی حالت میں ہیں۔ اُس کو چٹانوں کے دباؤ سے قابو میں کیا ہوا ہے تاکہ زمین پر امن کے ساتھ بسیرا ہو سکے۔ یہی وہ چیز ہے جو نمدار مٹی کے نیچے ہے)

(۷) وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ (جب خدا تعالےٰ تمام اشیاء کے ظاہر و باطن میں کام کرتا ہے تو کیا وہ روح کے ظاہر و باطن سے آگاہ نہیں) اور اگر تو بات کو پکار کر کہے تو (اُس کے آگے پنہاں و آشکارا یکساں ہے اسلئے کہ) بلاشبہ وہ (تمہارے دل کے) اُس بھید کو بھی جانتا ہے (جس کی تمہیں خبر ہے) اور (تمہاری) بہت سی پوشیدہ باتوں کو بھی (جانتا ہے جنکی تمہیں خبر نہیں ہے اور جنہیں جب وہ چاہتا ہے تمہارے سامنے لے آتا ہے)

(۸) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۝ (وہ تو اللہ (کامل مطلق ذات ہے) اُس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ تمام نیک صفات (حقیقتاً) اُسی کے لئے ہیں۔

(۹) وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ (خدا تعالےٰ اس تمام موجودات پر متصرف ہے۔ اصل اختیار اُسی کا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سینکنے کے لئے آگ لینے کو طور کی طرف آئے۔ خدا نے اُنہیں رسول بنا دیا اور اُنھیں اُن کی ماں سے ملا دیا۔ جیسا کہ ارشاد ہے) اور کیا تجھے موسیٰ کی یہ بات پہنچی ہے۔

(۱۰) اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَي النَّارِ هُدًى ۝ جبکہ اُس نے ایک آگ دیکھی تو اُس نے اپنے اہل کو کہا کہ ٹھہر جاؤ بلاشبہ میں نے آگ دیکھی ہے۔ تاکہ میں اُس سے ایک (سُلگتی ہوئی) چنگاری لے آؤں۔ یا آگ پر راستے کی کوئی خبر پاؤں (موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں رات پڑ گئی۔ سردی نے بہت ستایا اور راستہ بھی بھول گئے۔ وہاں خدا تعالےٰ نے اُن کی آئندہ ترقیات کے لئے سامان بہم پہنچا دیا)

(۱۱) فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰٓى ۝ سو جب وہ اُس آگ کے پاس آیا تو اُسے آواز دی گئی کہ اے موسیٰ۔

(۱۲) اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ بلاشبہ میں تیرا تربیت کرنیوالا ہوں۔ سو تو اپنی جوتیاں اُتار دے۔ بلاشبہ تو اس پاک کی گئی وادی میں ہے جس کا نام طُویٰ ہے (کوہ طور اُسوقت ایک آتش فشاں پہاڑ تھا۔ اُس میں بالعموم زلزلے آتے تھے۔ خاص اوقات میں سخت زلزلوں کا بھی دَور ہوتا تھا۔ ان صدمات کے سبب طور کی داہنی وادی میں بجلی کی لہریں پیدا ہوتی تھیں۔ اُس بجلی کے سبب اُس وادی کی ہوا بھی صاف تھی اور امراض کے اجرام سے پاک تھی۔ اعصابی امراض والے لوگ وہاں آتے تھے اور اُس زمین پر چل کر بفضل الٰہی شفا پاتے تھے۔ اسی لئے اس وادی کو طویٰ کہتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کے پاؤں میں جوتا تھا۔ خشک چمڑا بجلی کا جاذب نہیں ہوتا۔ خدا تعالےٰ چاہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی ایک نئے طور پر تربیت کرے اسلئے فرمایا کہ تو اپنی جوتیاں اُتار دے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ان جوتیوں کو وادی کے باہر پھینک آ۔ اس طرح اللہ تعالےٰ نے بجلی کی مناسب مقدار موسیٰ علیہ السلام کے بدن میں کچھ وقت کے لئے قائم کردی۔ جس کے ذریعے سے اللہ تعالےٰ نے اپنے تصرف سے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے بعض کام کرائے۔ فرعون اس تصرف کو دیکھکر مرعوب ہوگیا اور اُسے جادوگروں کا کام بتلایا)

(۱۳) وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝ (آگے اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی فرمایا) اور میں نے تجھے (ایک کام کے لئے) چُن لیا ہے۔ سو تو اُسپر کان رکھ جو (تیری طرف) وحی کیا جاتا ہے۔

(۱۴) اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ○ بلاشبہ میں اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی لائق عبادت کے نہیں۔ سو تو میری ہی عبادت کر اور نماز کو میری یاد کے لئے ہی قائم رکھ (نماز میں اصل مقصود ذکر الٰہی ہی ہے)

(۱۵) اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخْفِیْھَا لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰی ○ بلاشبہ پیشی کی گھڑی (اپنے اپنے وقت پر) آتی رہتی ہے۔ میں اسے (اُن لوگوں سے جو اس دنیا میں عمل کرنے کے لئے آتے ہیں) پوشیدہ رکھنے والا ہوں۔ تاکہ ہر شخص اپنی کوشش کی جزا پائے (اگر عمل کرنیوالوں کو آخرت نظر آجاتی تو ابتلائی حالت سے نکل جاتے اور وہ نیکی کرنے میں محض مجبور ہوتے۔ خوشی اور اختیار کے ساتھ نیکی نہ کر سکتے)

(۱۶) فَلَا یَصُدَّنَّکَ عَنْھَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِھَا وَاتَّبَعَ ھَوٰىہُ فَتَرْدٰی ○ (اصل ایمان وہ ہے جو خدا کی جانب کو ترجیح دیکر اور شبہات و مشکلات کا مقابلہ کرکے اپنی اختیاری کوشش سے غور و فکر کے بعد لایا جائے۔ جبری ایمان کوئی ایمان نہیں) پس تجھے وہ شخص اُس آخرت سے نہ روکے جو آخرت کو مانتا ہی نہیں اور وہ (بے ایمان) اپنی خواہش نفسانی پر چلتا ہو (اگر تو نے موسیٰ ایسا کریگا) تو تُو (بھی) ہلاک ہو جائیگا (لالچاہٹوں کے پیچھے دب جانا اور مخلوق کی اندھی پیروی کرنا انسان کی روحانی ہلاکت کے موجبات ہیں۔ فطری تقاضے اور ہیں اور اپنی خواہش کے پیچھے چلنا اور بات ہے۔ قانون و شوریٰ الگ امور ہیں اور خود رائی اور خود سری اور چیز ہے۔ رُشد حقی سے خوب طور پر واضح ہے ۳/۴۔ خدا تعالےٰ نے ہر نفس کو الہام کر دیا ہے کہ اس کے لئے تقویٰ کیا ہے اور فجور کیا ہے ۳۰/۱۹۔ تنہائی اور صفائی کے وقت میں اگر ان باتوں کو سوچا جائے تو ان کی حقیقت صاف معلوم ہو جاتی ہے۔ جسطرح گندگی اور خوشبو کا

پتہ لگ جاتا ہے اسی طرح فطرت انسانی نیکی اور بدی کی حقیقت کو سمجھ سکتی ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ حق اور ھوٰی میں تمیز کریں اور انصاف اور خودسری کے فرق کو سمجھیں۔ جو شخص ھوٰی کا پیرو ہے وہ خدا کی جگہ ھوٰی کو معبود بناتا ہے ۱۹/۲ د ۲۵/۱۹۔ سنہری قاعدے پر چلنا اور اعتدال کو مدنظر رکھنا حق و باطل کا پتہ لگانے کے لئے کلید کا کام دیتے ہیں)

(۱۷) وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ۝ (نیچر پر تصرف اور بات ہے اور نیچر کو توڑ دینا اور بات ہے۔ نیچر کو توڑ دینے سے تمام علم جاتے رہیں گے اور نظام عالم درہم و برہم ہو جائیگا۔ حق اور ھوٰی میں ایسا فرق ہوتا ہے جو اصلی حرکت اور خیالی حرکت میں ہوتا ہے۔ خیالی حرکت دماغ کے چکرانے سے نظر آتی ہے اور اصل حرکت میں متحرک چیز اپنی جگہ کو بدلتی ہے۔ اس فرق کے سمجھانے کے لئے فرمایا) اور اے موسیٰ تیرے دائیں ہاتھ میں یہ کیا ہے۔ (خدا تعالےٰ کو ہر بات کا علم ہے۔ وہ سمجھانے کے لئے کبھی کبھی دوسرے سے خود بھی ایک بات کا اقرار کرایا کرتا ہے اور یہ اقرار سوال کرنے سے کرایا جاسکتا ہے)

(۱۸) قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ۝ (موسےٰ نے) کہا یہ میرا سونٹا ہے۔ میں اسپر (تھکنے کے وقت) تکیہ لگاتا ہوں اور اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لئے اس میں اور بھی کام ہیں (میں اس کے باعث درندوں اور گزندوں سے بھی محفوظ رہتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں شعیب علیہ السلام کے اجیر بنکر بکریاں چراتے تھے۔ اسوقت بکریوں کا اجیر از حق بھی ان کے پاس تھا اور پتے جھاڑنے کے لئے وہی سونٹا اُن کے پاس موجود تھا۔ بجلی کے اثر سے جو حرکت اس سونٹے میں پیدا ہوتی تھی وہ پہلے کبھی دیکھی نہیں گئی۔ اس حرکت کے ظہور کا پہلا موقع یہی تھا۔ جیسا کہ سورت نمل اور قصص سے صاف طور پر واضح ہے)

(۱۹) قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝ (خدا نے) فرمایا اے موسیٰ اس (سونٹے) کو پھینک دے۔

(۲۰) فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝ پس اُس نے اُسے پھینک دیا۔ سو وہ ایک سانپ تھا کہ حرکت کرتا تھا (سانپ کا انڈا انقلاب پاکر سانپ بن سکتا ہے لیکن سونٹا کبھی زندہ سانپ نہیں بن سکتا۔ ایک رسُول ہدایت دینے کے وقت چراغ ہوتا ہے ۳۳/۴۶ لیکن اُس چراغ کی صورت میں کبھی منقلب نہیں ہو جاتا جس میں بتی اور تیل ڈالا جاتا ہے۔ جس بوجھ نے رسول کریم کی پیٹھ توڑ دی تھی وہ کوئی مادی بوجھ نہ تھا جس کے سبب سے رسول کریم کی جسمانی کمر ٹوٹ گئی ہو۔ یہ بیان استعارہ کے رنگ میں ہی لایا گیا ہے ۳۰/۱۹۔ کافروں کی گردنوں کے طوق اور اُن کے آگے پیچھے دیواریں ہونا ۲۲/۱۸ اور اُن کا مردہ ہونا ۲۲/۱۵ و ۳۵/۲۲ اور اُن کا قبروں میں گڑے ہوئے ہونا ۲۰/۲ اور اُن کو اندھے۔ بہرے اور گونگے کہنا ۱/۲ سب اسی قبیل سے ہیں۔ تاوانوں کو جب کہ وہ باز نہیں آتے تو کہا جاتا ہے جاؤ گدھے بنو۔ تو اس سے کوئی شخص نہیں سمجھ سکتا کہ وہ منقلب ہو کر گدھے بن جاتے ہیں۔ اسلئے کہ یہ حکمت الٰہی کے سراسر خلاف ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہمنے بے ایمان اہل کتاب کو بندر اور سؤر بنا دیا ۶/۱۳۔ اس کے بھی یہ معنی لینا کہ وہ انسانی صورت چھوڑ کر بندر اور سؤر کی ظاہری شکل میں آ گئے تھے قرآن کے منشاء کے سرتاپا برخلاف ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جب خدا تعالےٰ نے خود ہی بیان فرما دیا کہ وہ سونٹا زندہ ہونے کے لحاظ سے سانپ نہیں تھا بلکہ محض حرکت کے لحاظ سے اُسے سانپ کہا گیا ہے اور سورت نمل اور سورت قصص میں اُسی ابتدائی واقعہ کی خود ہی تفسیر کر دی ہے تو خدائی تفسیر کے برخلاف کسی کو تفسیر کرنے کا کیسے حق حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس سونٹے کو کبھی زندہ سانپ نہیں سمجھا۔ جب اُنھوں نے جادوگروں کے عصاؤں اور رسیوں کو خیالی حرکت کرتے دیکھا

تو وہ ڈر گئے۔ اگر وہ جانتے کہ میرا سونٹا تو سچ مچ اژدہا بن جاتا ہے تو انھیں اُس خیالی حرکت سے خائف ہونے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جادوگروں نے بھی جبکہ وہ ایمان لائے اُس سونٹے کو سانپ بنتے نہیں دیکھا تھا۔ اگر وہ دیکھتے کہ ہمارے پاس اژدہا کی ایک قوت ہے تو فرعون کو نہ کہتے کہ تو اس دنیا کی زندگی میں ہماری سزا کا حکم کر سکتا ہے۔

جب کسی چیز کو ہاتھ سے مس کیا جاتا ہے تو اُس کی اصلیت کھل جاتی ہے۔ ہاتھ کے لگنے سے وہ اصلیت ضائع نہیں ہو جاتی ہے۔ اگر یہ سونٹا سانپ بن گیا ہوتا تو ہاتھ کے ساتھ پکڑنے سے اُس کی اصلیت کیسے گم ہو سکتی تھی۔ فرعونی ان آیات کو دیکھکر ہنستے تھے اور تحول کرتے تھے ۲۵/۱۱۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کو ایسی قوت حاصل ہو گئی تھی جو انھیں زندہ اژدھا کا کام دے سکتی تھی تو موسیٰ علیہ السلام کو رات کے وقت نکلنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور فرعون کو کیونکر جرأت ہو سکتی تھی کہ اُن کو پکڑنے کے لئے اُن کا تعاقب کرے۔ فرعون اور اُس کی فوج لقمۂ اژدہا نہیں بنے۔ آخر انھیں لقمۂ بحر ہی بننا پڑا۔

(۲۱) قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ۝

(خدا نے) فرمایا تو اس (سونٹے) کو پکڑ لے اور (اسکی حرکت سے جو اس تنہائی کے وقت تجھے خائف بنا رہی ہے) مت ڈر۔ ہم ابھی اُسے (جبکہ تو اُسے اپنے ہاتھ میں پکڑیگا اور بجلی تیرے ہاتھ کے ڈالنے سے تیرے اندر جذب ہو جائیگی تو) اسکی پہلی (سکون کی) حالت پر لے آئیں گے۔

(۲۲) وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ۝ اور تو اپنے ہاتھ کو اپنے بازو کے ساتھ چمٹا تاکہ وہ (رگڑ کے سبب) بغیر کسی بُرائی کے روشن ہو کر نکلے (وہ رگڑ اُسوقت پیدا ہوگی جب کہ تو اپنے ہاتھ کو گریبان سے کھینچکر نکالیگا۔ ۲۸/۱۲)

یہ (تصرف الٰہی کی) ایک اور دلیل ہے۔

(۲۳) لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ۝ تاکہ ہم تجھے (مناسب مواقع پر) اپنے نشانوں میں سے بڑے بڑے نشان دکھائیں۔

(۲۴) اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ تو (ان دلائل کو لیکر) فرعون کی طرف جا بلاشبہ وہ بڑا سرکش ہے (اور حد سے نکلا ہوا ہے)

رکوع دوم (۲۵) قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ (اسوقت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نقصوں کو رفع کرنے کی دعا مانگی اور) کہا اے میرے پروردگار میرے سینے کو کھول دے (مجھے حوصلہ دے اور میرے دل کی تنگی اور خوف کو دور کردے)

(۲۶) وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝ اور میرے لئے میرے کام کو آسان کردے (تاکہ میں تبلیغ کا کام دلجمعی سے بجالاؤں)

(۲۷) وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ اور میری زبان سے گرہ کو کھول دے۔

(۲۸) يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝ تاکہ وہ میری بات کو سمجھ سکیں (میری زبان میں روانی نہیں ہے۔ میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ اس کے ذریعے سے میری مدد فرما ۱۹/۴۔ جیسا کہ آگے آتا ہے)

(۲۹) وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۝ اور میرے کنبے میں سے میرے لئے ایک بوجھ اٹھانیوالا (یعنی مددگار اور وزیر) بنا۔

(۳۰) هٰرُوْنَ اَخِي ۝ وہ ہارون میرا بھائی ہے۔

(۳۱) اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۝ اس کے ساتھ میری قوت کو مضبوط کردے

(۳۲) وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ۝ اور اُسے میرے کام میں شریک بنادے (نبوت میں شرکاء اور وزراء ہوتے ہیں۔ الوہیت میں ہرگز کوئی شریک و وزیر نہیں ہو سکتا۔ کوئی نبی بھی خدا کی صف میں نہیں بٹھایا جا سکتا)

(۳۳) كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۝ (ہر نبی بندوں کی صف میں ہی بٹھایا جا سکتا ہے اور مومنوں کے ساتھ مل جل کر کام کر سکتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) تاکہ ہم تیری بہت سی تسبیحیں کریں۔

(۳۴) وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ۝ اور ہم (آپس میں ملکر) تیرا بہت ذکر (اور وعظ) کریں

(۳۵) اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ۝ بلاشبہ تو ہمارے حال (اور) کو دیکھنے والا ہے۔ (نبی اپنے لئے شریک اور وزیر مانگتے ہیں۔ اُن کے لئے یہ کوئی عیب کی بات نہیں۔ لیکن خدا کے لئے کسی شریک وزیر کو خیال میں لانا بھی سراسر غلط اور یقیناً محال ہے)

(۳۶) قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ۝ (خدا نے) فرمایا اے موسیٰ تجھے تیری درخواست عطا کی گئی ہے۔

(۳۷) وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ۝ (اور ہمنے تجھ پر یہ پہلا ہی احسان نہیں کیا۔ آگے بھی ایسے احسان کر چکے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) اور ہمنے تجھ پر ایک دفعہ اور بھی احسان کیا تھا

(۳۸) اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ۝ جب ہمنے تیری ماں کی طرف وہ وحی کی جو وحی کی گئی تھی۔

(۳۹) اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰي عَيْنِيْ ۝ (وہ وحی کیا تھی وہ یہ تھی)

کہ تو اس (بچے) کو صندوق میں رکھدے۔ پھر اسے دریا میں ڈالدے پس چاہیئے کہ دریا اسے (ہمارے حکم کے ساتھ) کنارے پر پھینک دے۔ (خدا کے قدرتی حکموں کا کوئی شے بھی انکار نہیں کر سکتی۔ تمام چیزیں اُس کی تسبیحیں کرتی ہیں اور اس کے آگے ساجد ہیں) تاکہ اسے (میرے حکم کے ساتھ) میرا دشمن اور اسکا دشمن پکڑ لیوے اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے (فرعون کے دل میں) محبت ڈالدی اور تاکہ تو میرے حضور میں پرورش پائے (اور بنی بنے)

(۴۰) اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۚ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۭ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ (اسوقت موسیٰ علیہ السلام کا باپ فوت ہو چکا تھا۔ ماں نے اپنی بیٹی کو صندوق کے ساتھ پیچھے پیچھے بھیجدیا تاکہ وہ لڑکی دیکھ آئے کہ اس کا بھائی کس کے سپرد کیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا) جبکہ تیری بہن (بیگانہ وار دیکھتی ہوئی) جاتی تھی (موسیٰ کی بہن بی بی آسیہ کے محل میں پہنچگئی) سو وہ (انھیں) کہتی تھی۔ کیا میں تمہیں اسکا پتہ بتاؤں جو اسکا کفیل بنے (اور اس کی پرورش کرے) سو ہمنے تجھے تیری ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے (جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اُن کی ماں نے ایسا انتظام کیا کہ اُن کی پیدائش کو فرعون سے چھپائے رکھا۔ بچے بچی کی پیدائش کو حاکموں سے چھپانا درست نہیں۔ لیکن جب یقین ہو جائے کہ حاکم اُسے خواہ مخواہ دشمنی کے ساتھ مروا ڈالیگا تو ایسے حاکم سے بچنا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم دیا کہ تو اس بچے کو دودھ پلاتی جا۔ تو اُسے اپنے ہاتھوں پر ڈال لے اور یہ تیرے ہاتھوں کے بغیر دوسری عورتوں کے ہاتھوں میں صبر نہ کر سکے۔ پھر جب

تجھے اسپر خوف پیدا ہو جائے کہ اب اس کا معاملہ پوشیدہ نہیں رہیگا تو اسے دریا میں ڈال دینا پھر دیکھنا کہ خدا کیا کرتا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی شیر خوارگی کے وقت میں فرعون کے محل میں پہنچے تو وہاں بہت سی دائیاں بلائی گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام کسی کے ہاتھ پر نہ پرچ سکے تو اُن کی بہن نے کہا کہ میں تمہارے پاس ایسی اُستاد دائی لاتی ہوں جو اسے اپنے ہاتھوں پر ڈال سکے۔ اسطرح خدا تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی ماں کی طرف پھیر دیا۔ وہی مائی تھی اور وہی دائی تھی۔ جائز کاموں میں کافروں کی ملازمت کرنا اور اُنھیں فائدہ پہنچانا ہرگز ہرگز منع نہیں ہے۔ منع تو شرارت ہے خواہ کسی کے ساتھ بھی کی جائے۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر میں پرورش پائی۔ لوگ اُنھیں فرعون کا بیٹا کہتے تھے کیونکہ جب تابوت موسیٰؑ اُن کے ہاتھ میں آیا تو اُنکا خیال تھا کہ ہم اسے بیٹا بنالیں گے ۲۰/۴

قبطی سبطیوں پر ظلم کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام عاجز سبطیوں کو قبطیوں کے ظلم سے بچانے کی فکر میں تھے۔ ایک دفعہ اُنھوں نے کسی قبطی کو ظلم سے ہٹانے کے لئے مکا مارا۔ وہ غلطی سے ایسے مقام پر لگا کہ وہ قبطی مرگیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک خادم نے آکر خبر دی کہ تیرے قتل کی کمیٹی ہو رہی ہے پس تو یہاں سے نکل جا جیسا کہ ارشاد ہے) اور تو نے ایک شخص کو قتل کر دیا سو ہمنے تجھ کو (مجمع البحرین تک پہنچا کر) اس غم سے بچا دیا۔ اور تجھے ایک قسم کی آزمائش میں ڈالا (یہ آزمائش وہ تھی جبکہ خضر علیہ السلام نے اُنھیں سبق دیا تھا کہ سائل کی تسلی کرنی چاہیئے۔ ورنہ تیرے جیسا آدمی بھی اُس بات پر صبر نہیں کر سکتا جس کی اُسے خبر نہ ہو) پھر تو (مجمع البحرین سے آگے جاکر) کئی سال تک مدین کے لوگوں میں رہا (اور وہاں شادی کی اور بھیڑ بکریاں چرانے کی خدمت بجالاتا رہا) پھر تو اے موسیٰ (اس وادی میں) ایسے مناسب اندازے پر آیا (جو ہمنے لگایا ہوا تھا۔ یہ ایسا وقت تھا جبکہ بجلی کی رو موسیٰ علیہ السلام میں محفوظ رکھی جا سکتی تھی)

(۴۱) وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ اور میں نے تجھے اپنے (فرمانبردار ۴۲

بننے کے) لئے تیار کیا ہے۔

(۴۲) اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝

(اسوقت حضرت ہارون علیہ السلام بھی فرعون سے تنگ آکر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے ہوئے تھے اور اُن کے اہل میں شامل تھے جیسا کہ ارشاد ہے) تو اور تیرا بھائی دونوں میرے احکام کو لیکر جاؤ اور میرے ذکر (و تبلیغ) میں سستی مت کرو۔

(۴۳) اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ۔ بلاشبہ اس نے بڑی سرکشی اختیار کی ہے (اور حد سے نکل گیا ہے)

(۴۴) فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ (باوجود اسکی اسقدر سختی کے تم اس کے ساتھ نرمی سے پیش آنا جیسا کہ حکم ہے) سو تم دونوں اس کے ساتھ نرم کلامی کرنا تاکہ وہ نصیحت پکڑ لیوے یا (کم از کم) ڈر ہی جائے (اور ظلم کرنے سے رُک جائے۔ لیکن آج ہمارے مُلّا عام طور پر ایسے واقع ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کو بھی جبر مذہبی کرکے شرارتوں پر آمادہ کر دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ عاجزوں پر شیر بننا اور درندگی دکھلانا بالعموم انہی کا شیوہ ہے۔ موسیٰ اور ہارونؑ جیسے نبیوں کو فرعون کے ساتھ بھی نرم کلامی کا حکم تھا تاکہ اگر وہ پاک نبی بھی ہو تو کم از کم ظلم کرنے سے تو ڈر جائے۔ یہاں ذرا ذرا سی بات میں تفرقہ انداز پر اُتر آتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ سے ظالم آرام زندگی بسر کرتے ہیں لیکن مومنوں کو معمولی اختلافِ خیالات کے سبب اُن کے دست و زبان سے پناہ نہیں مل سکتی)

(۴۵) قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝

(موسیٰؑ و ہارونؑ) دونوں نے کہا اے ہمارے پروردگار بلاشبہ ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے اور یا حد سے ہی نکل جائے۔

(کہ ہمارا کام ہی تمام کردے)

(۴۶) قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ○ (خدا نے) فرمایا تم دونوں مت ڈرو۔ بلاشبہ میں جو ہوں تو میں تمہارے ساتھ خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہوں۔

(۴۷) فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ○ پس تم دونوں اس (فرعون) کے پاس جاؤ۔ سو اُسے کہو کہ ہم دونوں تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ سو تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیجدے (کیونکہ تو اُن کے ساتھ انصاف کا برتاؤ نہیں کرتا۔ اور دوسری رعایا کی طرح نہیں رکھتا) اور (اگر تو قوانین انصاف پر چل سکتا ہے تو) اُنھیں عذاب نہ کر۔ ہم تیرے پاس خدا کا ایک حکم لائے ہیں اور اصل سلامتی اسپر ہے جو ہدایت کی پیروی کرے۔

(۴۸) اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ○ بلاشبہ ہماری طرف وحی کیا گیا ہے کہ (استیصالی) عذاب جو ہے تو اسپر ہے جو جھٹلائے اور مُنہ موڑتا ہی جائے۔

(۴۹) قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰی ○ (فرعون نے) کہا اے موسیٰ پھر تم دونوں کا رب کون ہے۔

(۵۰) قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ○

(موسیٰ نے) کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو (اُس کے لائق)

اُس کی ساخت عطا فرمائی ہے (اور اُسے مناسب فطرت بخشی ہے) پھر اسے (اس فطرت کے مطابق) ہدایت دیدی ہے۔

(۵۱) قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ○ (فرعون نے) پوچھا پھر پہلے زمانوں والے لوگوں کا کیا حال ہے (وہ ہمارے سلف صالحین تھے اور تمہاری تعلیم کے برخلاف چلتے تھے)

(۵۲) قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ○ (موسیٰ نے) جواب دیا اُن کا علم میرے رب کے پاس صحیفۂ فطرت میں موجود ہے (میرا رب اُن کی نیتوں کے مطابق اُنھیں پکڑیگا۔ جب تمہارے پاس علم آگیا ہے تو تم اُسکا شکر بجالاؤ اور زیادہ فائدہ اُٹھاؤ) میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

(۵۳) الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ○ (اُس خدا کے سب کام موزون طریق پر کئے جاتے ہیں۔ اس کے کاموں میں غلطی اور ظلم نہیں۔ وہ خدا وہ ہے) جسنے تمہارے لئے زمین کو ہنڈولا بنایا اور اس میں تمہارے لئے رستے چلائے اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہمنے مختلف انگوریوں کی بہت سی قسمیں اُگائیں۔

(۵۴) كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ○ (اس رنگا رنگی کا فائدہ یہ ہے کہ) تم بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔ اسمیں عقل والوں کے لئے بہت سے نشان (اور دلائل) ہیں

(عقل کو نُہٰی اسلئے کہتے ہیں کہ وہ انتہا اور نتیجے کے دیکھنے کا کام دیتی ہے اور غلطیوں سے روکتی ہے۔ عاقبت بین لوگ اس سے کئی فوائد حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کوئی کام خلاف حکمت نہیں کرتا۔ وہ نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے زمین کے ہنڈولے کی طرح حرکت کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب متغیر ہیں اور ایک حال سے دوسرے حال میں بدلتے رہتے ہیں۔ زمین میں کبھی گرمی ہوتی ہے کبھی سردی۔ کبھی یبوست اپنا کام کرتی ہے اور کبھی رطوبت اپنا اثر دکھاتی ہے راستے چلانے کے فرمان سے پتہ لگتا ہے کہ معقولات میں بھی ایسے ہی راستے اور طریقے جاری ہیں۔ بارش کے اُترنے اور پانی سے رنگا رنگ چیزوں کے پیدا ہونے سے صاف کھُل جاتا ہے کہ ہر کام کے لئے مناسب اسباب ہیں۔ آدمیوں کے کھانے اور حیوانات کے چرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تمام کام مناسب نتائج کے مطابق کئے جاتے ہیں۔ ہر کام کی بنیاد اسی طرح سے ہی رکھی جاتی ہے جیسا نتیجہ نکالنا مقصود ہوتا ہے۔ مٹی اور پانی کے ذریعے سے نباتات پیدا ہوتی ہیں۔ نباتات سے نطفہ بنتا ہے اور اسطرح سے مخلوقات ارتقائی منازل پر پہنچتی جاتی ہے)

رکوع سوم

(۵۵) مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ○ (مذکورہ بالا دلائل سے یہ نتیجہ نکالا کہ) اسی زمین سے ہمنے تم کو پیدا کیا اور اسی میں ہی ہم تمہیں دوسری پیدائش دیتے ہیں (اور اس کے سامان کرتے ہیں۔ کثیف مادے کو زمین اپنے آپ میں لے لیتی ہے اور نسمہ اور روح کو جزا کے عالم کی طرف لوٹا دیتی ہے) اور (پوں) اس سے ہم تم کو ایک دفعہ اور نکال لیتے ہیں (اللہ تعالےٰ انسان کو زمین سے سلسلہ وار اُگاتا ہے۔ پھر اسی میں اس کے اعادے کے سامان کرتا ہے۔ اور ایک نئی قسم کا نکالنا اسپر وارد کرتا ہے ۲۹/۹)

(۵۶) وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ○ (آگے فرمایا) اور ہم نے

اس (فرعون) کو اپنی تمام آیات دکھلا دیں (جنکا اس کے سمجھانے کے ساتھ تعلق تھا) سو اُس نے جھٹلایا اور وہ مُنہہ موڑتا ہی گیا۔

(۵۷) قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ۝

(فرعون) بولا اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس اسلئے آیا ہے کہ تو ہم کو اپنی دھوکہ بازی سے ہمارے مُلک سے نکال دے۔

(۵۸) فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝ موہم تیرے پاس اس کی مثل سحر (یعنی نیرنجات) لائیں گے سو تو اپنے اور ہمارے درمیان کوئی وعدے کا وقت مقرر کر۔ نہ ہم اس کا خلاف کریں اور نہ تو۔ وہ مکان (دونوں فریقوں کے لئے) یکساں ہو (اس میں حاکم و محکوم کا کوئی امتیاز نہ ہو)

(۵۹) قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝

(موسیٰ نے) کہا کہ تمہارے وعدے کا وقت جشن کا دن ہے (جس دن فرعون کی تخت نشینی منائی جاتی تھی) اور (یہ بھی ضروری ہے کہ) لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں (تاکہ کھلی روشنی میں کسی دھوکے کے امکان کا گمان نہ رہے)

(۶۰) فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝ سو فرعون (اپنے کام کی طرف) متوجہ ہوا پھر اُس نے اپنے داؤ کو جمع کیا (اور مقابلے کے لئے ہر طرح کی تجویزیں سوچ لیں) پھر (سامنے) آیا۔

(۶۱) قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ ۝ (موسیٰ نے) اُن کو کہا کیوں تمہاری شامت آئی ہے۔ خدا پر جھوٹ کا افترا مت کرنا۔ اگر ایسا کروگے۔ تو وہ تم کو عذاب کے ساتھ مٹا دیگا اور (یہ ظاہر ہے کہ) جس نے افترا کیا وہ نامراد ہوا (اور مقصود کو نہ پہنچا)

(۶۲) فَتَنَازَعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَأَسَرُّوا النَّجْوَىٰ ۝ سو ان لوگوں نے اپنے کام کے متعلق آپس میں جھگڑا کیا اور اپنی سرگوشیوں کو مخفی رکھا۔

(۶۳) قَالُوا إِنْ هَٰذَانِ لَسَاحِرَانِ يُرِيدَانِ أَنْ يُخْرِجَاكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ ۝ اُنھوں نے (پوشیدگی میں) کہا بلاشبہ بات یہ ہے کہ یہ دونوں جو ہیں بالضرور یہ دونوں جادوگر ہیں۔ ان دونوں کا ارادہ ہے کہ تمہیں تمہارے ملک (یعنی مصر) سے اپنے جادو کے ساتھ نکال دیں اور تمہارے بہترین طریقے کو دور کر دیں۔

(۶۴) فَأَجْمِعُوا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوا صَفًّا ۚ وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلَىٰ ۝ (یہ تمہارے مذہب اور حکومت کے لئے مضر ہیں) سو تم اپنی تجویز کو یکجا کرو (اور آپس میں اختلاف نہ ڈالو) پھر تم (ان کے مقابلے میں) صف بنکر آؤ (اور متحد ہو جاؤ) اور (یہ بات ظاہر ہے کہ) آج وہ کامیاب ہے جس نے غلبہ پایا۔

(۶۵) قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَىٰ ۝ اُنھوں نے (موسیٰ کی طرف متوجہ ہو کر) کہا اے موسیٰ آیا تو

پہلے ڈالتا ہے (اور اپنی بحث کو پیش کرتا ہے) یا کیا ہم پہلے ڈالنے والے ہوں۔

(۶۶) قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ (موسیٰ نے) کہا نہیں نہیں بلکہ تم ڈالو سو جب اُن کی رسیاں اور اُن کے سونٹے اُن کے جادو (یعنی دھوکے) سے موسیٰ کے خیال میں آئے کہ وہ چلتے ہیں (یہ حرکت صرف خیالی تھی جیسا کہ آیت سے واضح ہے)

(۶۷) فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ پھر موسیٰ نے اپنے دل میں خوف کو چھپایا (اور اس خیالی حرکت کو اصلی سمجھا۔ اگر موسیٰؑ کا سونٹا سچ مچ اژدہا بن جاتا تھا۔ تو اُنھیں یہ خیالی حرکت کسی خوف میں نہیں ڈال سکتی تھی)

(۶۸) قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ ہم نے کہا مت ڈر بلاشبہ تو ہی اعلیٰ ہے (تیرے سونٹے کی اصلی حرکت ان کے فریبوں کو ملیامیٹ کر دیگی)

(۶۹) وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ اور وہ جو تیرے ہاتھ میں ہے (جسکا سونٹا ہونا سورج کی طرح ظاہر ہے) اسے پھینک دے تاکہ (یہ سونٹا) اُن کی بناوٹوں کو کھا جائے۔ بلاشبہ جو بناوٹیں انھوں نے کیں وہ جادوگر والا داؤ ہے (اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سونٹا اُن کے داؤں کو ملیامیٹ کر دیتا تھا۔ اُن کے عصاؤں اور رسیوں کو نہیں نگل جاتا تھا۔ اصلی حرکت کے مقابلے میں خیالی حرکت جاتی رہتی ہے) اور جادوگر جہاں سے آتا ہے (اور جو فریب کرتا ہے کبھی) کامیاب نہیں ہوتا۔

(۷۰) فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰی ○ (جادوگر اپنی حقیقت کو جانتے تھے۔ اُنھیں معلوم تھا کہ ہم دھوکا بازی کر رہے ہیں اور خیالی نقشے دکھلا رہے ہیں۔ جب اُنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی اصلی حرکت کو دیکھا تو اُنھیں معلوم ہوا کہ متصرف حقیقی خدا تعالےٰ ہی ہے اسلئے فرمایا) پھر جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ وہ بولے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے (نبی اللہ تعالےٰ کی طرف سے وحی لاتے ہیں ہم اُس وحی کے لحاظ سے اُن میں کوئی فرق نہیں کر سکتے۔ اسلئے جادوگر جب ایمان لائے تو اُنھوں نے یہ کہا کہ ہم ہارونؑ و موسیٰؑ کے رب پر ایمان لائے اور اُسی وقت یہ بھی کہا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے ۱۹/۲ و ۹/۴ اس سے اُنھوں نے دکھلا دیا کہ وحی الٰہی میں کسی کو تقدیم و تاخیر نہیں اور کوئی فرق نہیں۔ اس میں سب رسول و نبی یکساں ہیں)

(۷۱) قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی ○ (فرعون نے جادوگروں کو جو ایمان لے آئے تھے) کہا تمنے اُس کی بات میرے اجازت دینے سے پہلے مان لی ہے (حالانکہ میں اس جلسے کا افسر تھا۔ تمہیں مناسب تھا کہ میری اجازت پاکر ایسا کرتے) بلاشبہ وہ بالضرور تمہارا اُستاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا (تم نے آپس میں مشورہ کرکے میرے ساتھ یہ دھوکا کیا ہے، سو بالضرور میں تمہارے ہاتھوں اور تمہارے پاؤں کو جانب مخالف سے کاٹ ڈالونگا۔ اور میں تم کو کھجور کے تنوں میں صلیب دونگا۔ اور تم ضرور جان لوگے کہ ہم دونوں میں سے کونسا عذاب کرنے میں

سخت ہے اور (عذاب کو) زیادہ دیر تک قائم رکھنے والا ہے (اگر فرعون نے سونٹے کو زندہ اژدہا بنتے دیکھا ہوتا۔ تو ایسے کلمات اُس کی زبان سے ہرگز نہ نکلتے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کو اژدہا والی قوت حاصل ہوگئی تھی تو انھوں نے اُس سے حکم الٰہی کے مطابق کیوں کام نہیں لیا جیسا کہ ہمیں بھی حکم ہے کہ تم دشمنوں کے لئے جسقدر تم کرسکو قوت تیار کرو ۱/۴)

(۲) قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وہ (مومن جادوگر) بولے ہم تجھے (اُس تعلیم پر) جو ہمارے پاس روشن باتوں سے آگئی ہے اور اُس (خدا) پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے ہرگز ترجیح نہیں دینگے۔ سو تو فیصلہ کر جو فیصلہ کرنیوالا ہے (اور کرگذر جو تو کرنے والا ہے) سوائے اس کے نہیں کہ تو اس دنیا کی زندگی میں ہی فیصلہ کرسکتا ہے (راستی کا اقرار کرنے میں اگر جان بھی جائے تو اس کی بھی کچھ پروا نہ کرنی چاہئے۔ ہاں اگر کوئی شخص بزدلی کی وجہ سے اپنی جان بچائے تو اُسپر مواخذہ نہیں لیکن یہ کوئی خوبی کی بات بھی نہیں ہے۔ اگر جادوگروں نے دیکھا ہوتا کہ موسیٰ علیہ السلام کا سونٹا زندہ اژدھا بن جاتا ہے تو وہ اپنے عجز کو اس طرح کبھی نہ دکھلاتے)

(۳) اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ (جادوگروں نے یہ بھی کہا) بلاشبہ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں تاکہ وہ (خدا) ہمارے لئے ہمارے گناہوں کو بخشدے اور (اُس کو بھی بخشدے) جو تو نے ہمسے جبر کرکے جادو کرایا ہے اور اللہ (جزا دینے میں) بہتر ہے۔ اور (ترقیات دینے میں) زیادہ بقا والا ہے (حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ خیر کی طرف ہمیشہ وہ ترقیات دیتا جائیگا جو ممکن کو حاصل ہوسکتی ہیں۔ واجب

کامل مطلق ہوتا ہے۔ وہ تمام خوبیوں پر حاوی و محیط ہے۔ اُس میں ہرگز کمی و بیشی کی گنجائش نہیں۔ تیری سزا تھوڑی دیر میں گذر جائیگی اور خدا کے انعام ہمیشہ رہیں گے)

(۷۴) اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ بلاشبہ بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم بنکر آتا ہے سو تحقیق اُس کے لئے جہنم ہے۔ وہ اُس میں نہ مرتا ہے اور نہ زندہ ہوتا ہے (جب تک آدمی جہنم میں رہتا ہے جلن گنی اور بیچینی کی حالت میں پڑا رہتا ہے اور امن کی زندگی نہیں پاتا۔ اُسے ہر وقت موت جیسی مصیبتیں آتی ہیں لیکن مرتا نہیں ۱۳/۱۵)

(۷۵) وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝ اور جو اُس خدا کے پاس مومن بنکر آتا ہے اس حال میں کہ اُس نے صلاحیت والے عمل کئے ہوتے ہیں۔ تو یہی لوگ ہیں جن کے لئے بلند درجے ہیں۔

(۷۶) جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝ وہ ہمیشگی کے باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔ وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں۔ اور یہ اُس کا بدلہ ہے جو پاک ہوا (اور تزکیہ نفس کیا۔ جب انسان میں طلب حق پیدا ہو جاتی ہے تو اُسے حق فوراً نظر آنے لگتا ہے۔ جادوگروں نے کوئی لمبی چوڑی تعلیم پاکر یہ باتیں حاصل نہیں کیں۔ حق کی طلب کے ساتھ فطرت خود ہی رہنمائی کرتی ہے۔ جادوگروں کی یہ دلیری دیکھکر فرعون کو جرات نہیں ہوئی کہ اُنھیں صلیب دے۔ اللہ تعالےٰ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرماتا ہے کہ تم اور تمہارے تابعدار ہمارے دلائل کے سبب سے غالب رہو گے)

رکوع چہارم (۷۷) وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝ (باوجود ایسے مقابلوں کے فرعون نے بنی اسرائیل کو جانے نہیں دیا اور نہ اُن پر ظلم کرنے سے باز آیا۔ آخر موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا جیسا کہ اس آیت میں آتا ہے) اور ہمنے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ تو میرے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو رات کے وقت لے چل (فرعونی لوگ نیل کی سرسبز وادی میں رہتے تھے اور بنی اسرائیل کو وادی کے کنارے پر الگ جگہ ملی ہوئی تھی۔ وہاں موسیٰ علیہ السلام نے بحکم الٰہی اُن کے لئے گھر بنائے تھے ۱۱/۱۴۔ اس علیحدگی کے سبب سے بنی اسرائیل ان عذابوں سے بچ رہے جو فرعونیوں کے محلوں میں آئے تھے۔ جب موسیٰ علیہ السلام مجمع البحرین تک پہنچے تو خشک راستے پر بحیرہ روم کا پانی پھیل کر جھیل منزل کے ساتھ مل گیا تھا۔ فرعون بھی پوری تیاری کے ساتھ پیچھے سے چلا آتا تھا۔ اسوقت اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا) سو تو اس سمندر میں (اپنا عصا) مار کر اس راستے کا جو (بعض اوقات) خشک پڑا رہتا ہے پتہ لگا۔ تجھے (فرعون سے) پکڑے جانے کا خوف نہیں ہوگا اور نہ (راستہ بھولنے سے) ڈریگا۔

(۷۸) فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۝ پھر فرعون اپنی فوجوں کے ساتھ اُن کے پیچھے آیا (اُس کو اس راستے کا پتہ نہ تھا) سو دریا سے اُنھیں اُن (خوفناک لہروں) نے ڈھانپ لیا جنھوں نے ڈھانپ لیا۔

(۷۹) وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝ (وجہ اس کی یہ ہوئی کہ) فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ کر دیا اور اُنھیں (موسیٰ علیہ السلام کی طرح صحیح) راستے

کی راہنمائی نہ کی۔

(۸۰) يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝ (جب بنی اسرائیل نے فرعون سے نجات پائی اور انھیں حکم ہوا کہ اپنے ملک کو جبارین عمالقہ سے بچاؤ۔ یہ جبار دنیا کو لوٹتے تھے اور خلقت کو امن سے نہیں بسنے دیتے تھے۔ بنی اسرائیل نے سخت بزدلی دکھلائی اسلئے وہ چالیس سال تک جنگل میں مارے مارے پھرتے رہے۔ کہیں انھیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملی۔ ایک دفعہ ایک بستی میں داخل ہوئے وہاں سے بھی نکالے گئے۔ اس آوارگی کی حالت میں خدا تعالےٰ نے جو ان پر انعام کئے انکا اشارہ اس آیت میں کیا گیا ہے) اے بنی اسرائیل بالتحقیق ہم نے تم کو تمہارے دشمن (فرعون) سے نجات دی۔ اور طور کی دائیں وادی میں تمسے وعدہ کیا (اور موسیٰ کو تورات عنایت کی) اور تم پر من اور سلویٰ اتارا تو مرسک کے جنگلی درخت وہاں پائے جاتے تھے۔ ان پر گوند کی طرح ایک چیز جم جاتی تھی جو ترنجبین کی طرح میٹھی ہوتی تھی اسے مَن کہتے تھے۔ مَن کے معنی احسان الٰہی کے ہیں۔ وہ چیز مسافروں کے لئے بلاشبہ بڑا احسان تھی۔ سلویٰ بٹیر اور تلیر کی طرح سفری پرندے ہوتے ہیں جو سال کے مختلف حصوں میں وہاں آیا کرتے تھے۔ اور دھوپ سے بچانے کے لئے آسمان کو اکثر بادل گھیرے رہتے تھے۔ اس آوارگی کی حالت میں بھی خدا نے اپنے بندوں کو نہیں بھلایا)

(۸۱) كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ (ہم نے انھیں یہ بھی کہا کہ) تم ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو روزی دی ہے اور اسمیں سرکشی مت کرو (کہ خود ہی بہت سا ذخیرہ کرلو اور غریبوں اور عاجزوں کو کھانے کے لئے کچھ نہ دو۔ اگر تم ایسا کرو گے) تو تم پر میرا

غضب نازل ہوگا اور (یاد رکھو کہ) جس پر میرا غضب نازل ہوتا ہے تو وہ قعرِ مذلت میں گر گیا۔

(۸۲) وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ۝

اور بلاشبہ میں اُس شخص پر بڑی بخشش کرنیوالا ہوں جو توبہ کرے اور (خدا پر سچا) ایمان لائے اور صلاحیت والے عمل کرے پھر اس ہدایت پر ٹکا رہے۔

(۸۳) وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ یٰمُوْسٰی ۝ (بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے خدا تعالےٰ نے تورات دینے کا وعدہ کیا۔ اسکے لئے ضرور تھا کہ موسیٰ علیہ السلام تیس رات کے لئے پہاڑ میں اعتکاف کریں۔ بنی اسرائیل پہاڑ کے نیچے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن پر ہارونؑ کو خلیفہ بنایا۔ ہارون علیہ السلام بہت نرم دل واقع ہوئے تھے۔ اُن کے ساتھ تمام قبائل کے سرداروں کو بھی انتظام کو قائم رکھنے کی تاکید کرنی ضرور تھی۔ اور چاہیئے تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام اُن کے مشورے سے کام لیتے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارونؑ کو یہ بھی کہا تھا کہ اگر ضرورت ہو تو مجھکو فوراً خبر کر دینا۔ لیکن اس کی کافی تاکید نہیں کی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کو خدا کی عبادت کا بڑا شوق تھا اسلئے وہ پورا انتظام کرنے کے بغیر ہی پہاڑ پر چلے گئے۔ اس غفلت کی سزا میں پہاڑ پر تیس راتوں کے بجائے چالیس راتیں لگ گئیں۔ اور اُن کی قوم بھی گمراہی میں پڑ گئی بے انتظامی کا اکثر بُرا نتیجہ ہی نکلا کرتا ہے۔ اس میں کسی کی رعایت نہیں کی جاتی۔ خدا پر لازم نہیں ہے کہ نبیوں کو پہلے سے ہی خبردار کر دیا کرے کہ تم پر یا تمہاری قوم پر فلاں آفت آنیوالی ہے۔ جنگ اُحد میں ہمارے رسول کریم نے جن لوگوں کو ناکے پر کھڑا کیا تھا۔ اُن کی غفلت سے رسول کریم کو بہت تکلیف پہنچی۔ یہانتک کہ آپ کی موت کی خبر بھی مشہور ہو گئی۔ خدا تعالےٰ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ

نبیوں کی تمام غلطیوں سے اُنھیں ضرور بچا دیا کرے - چنانچہ ارشاد ہے) اور اے موسیٰ تیری قوم سے کونسی چیز جلدی کے ساتھ تجھے (یہاں) لے آئی (تو پورا انتظام کر کے نہیں آیا)

(۸۴) قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝

(موسیٰ نے) کہا وہ (یعنی میری قوم) ایسی حالت میں ہیں کہ پاس ہی میرے قدموں پر ہیں (مجھے جب بھی خبر ملے میں اُن کے پاس آ جا سکتا ہوں) اور اے پروردگار میں نے تیری (عبادت کی) طرف جلدی کی تاکہ تو راضی ہو۔

(۸۵) قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ۝ (خدا نے) فرمایا (کہ تیری جلد بازی کا نتیجہ ٹھیک نہیں نکلا) تحقیق ہم نے تیری قوم کو تیرے بعد فتنہ (یعنی آزمائش) میں ڈال دیا ہے اور سامری نے اُن کو گمراہ کر دیا ہے۔

(۸۶) فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ ۝ پس موسیٰ اپنی قوم کی طرف ناراض ہوتا ہوا افسوس کرتا ہوا لوٹا - کہنے لگا اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تمہارے ساتھ (ہدایت دینے کا) نیک وعدہ نہیں کیا تھا - پھر کیا تم پر مدت لمبی ہو گئی - یا تمنے ارادہ کیا کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے غضب نازل ہو - پھر تمنے میرے وعدے کا خلاف کیا (اور خلافت کو ٹھیک طرح سے نہیں نبھایا)

(۸۷) قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝

(قوم نے) کہا ہم نے تیرے وعدے کا اپنے اختیار سے خلاف نہیں کیا ولیکن ہم سے اس قوم کے زیوروں کے بوجھوں کو حکماً اُٹھوایا گیا۔ سو ہمنے اُن (زیوروں) کو لا پھینکا اور اسطرح سے سامری نے (اُسے آگ میں) ڈالا۔ (بنی اسرائیل کے زیور کچی دھات کے تھے وہ تھوڑی آگ میں پگھل گئے۔ اگر اُنھیں زیادہ آگ دیجاتی تو جل جاتے اور راکھ بن جاتے۔ یہ زیورات فرعونیوں سے دھوکہ کرکے نہیں لائے گئے تھے۔ جیساکہ عام مفسرین کا خیال ہے۔ سونا چاندی کا اگر کُشتہ بھی کیا جائے تو پھر بھی وہ اپنی اصلی شکل میں آجاتے ہیں جیساکہ مشہور ہے:۔

شہد۔ سُہاگہ۔ گھی + سونا دھات کے تینوں جی

لیکن کچی دھاتیں جلکر دوبارہ زندہ نہیں ہوسکتیں۔ اُن کی راکھ اُڑائے جانے کے قابل ہی ہوتی ہے۔ جیساکہ اُس بچھڑے کو جلاکر کیا گیا تھا۔

قوم بچھڑے کی تیاری کے لئے جلدی کرتی تھی۔ حضرت ہارون علیہ السلام چاہتے تھے کہ اُن میں فساد اور تفرقہ نہ ڈالیں۔ اُنھوں نے کہا کہ میں اُن کے زیوروں کو اکٹھا کرادونگا۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ زیورات کے اکٹھا کرنے میں دیر ہوجائیگی اور اسوقت تک موسیٰ علیہ السلام آجائیں گے۔ اُنھوں نے یہ حکم اسی مصلحت کے لئے دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں فساد پیدا نہ ہو)

(۸۸) فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۙ فَنَسِيَ ۝ پھر اُس (سامری) نے (ڈھال کر) ایک ایسا بچھڑا اُن کے لئے نکالا کہ وہ ایک (بیجان) ڈھانچ تھا۔ جس کے لئے گائے کی آواز تھی (اُس کے اندر جب ہوا جاتی تھی تو بھاں بھاں کی آواز نکلتی تھی۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی

آیات کی کچھ بھی قدر نہیں کی۔ لیکن سامری کے بچھڑے کو معبود بنایا) سو کہنے لگے یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے۔ پس وہ (موسیٰ) بھول گیا (اور اُسے پہاڑوں میں ڈھونڈھتا پھرتا ہے)

(۸۹) اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝ پھر کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ (بچھڑا) اُنھیں بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ اُن کے لئے کسی ضرر اور نفع کا اختیار رکھتا ہے (خدا تعالےٰ علم سکھاتا۔ ہدایت دیتا اور دعائیں قبول فرماتا ہے۔ اور نفع وضرر کا پورا مالک ہے۔ نبیوں کے موجود ہوتے بھی اُن کی قومیں بگڑ جاتی تھیں اگر پیچھے بگڑ جائیں تو کونسا مقام حیرت ہے)

رکوع پنجم (۹۰) وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ ۝ اور (ان اظہار دینے والوں نے موسیٰ علیہ السلام سے بیان کیا کہ) ہارون نے اُنھیں پہلے یہ بھی کہا کہ اے میری قوم تم اس (بچھڑے) کے ساتھ فتنے میں پڑ گئے ہو اور بلاشبہ تمہارا رب رحمان ہے۔ سو تم میرے پیچھے چلو اور میرا حکم مانو (نبی خدا تعالےٰ کے حکم رب سے پہلے چلنے کو تیار ہوتا ہے۔ وہ ایسا نہیں کرتا کہ لوگوں کو ایک حکم دے اور آپ اس کے خلاف کرے ۱۲۔

ہارون علیہ السلام لوگوں کو کہتے ہیں کہ میری تابعداری کرو۔ اور موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میری تابعداری کرو اور مومن آل فرعون کہتا ہے کہ میری تابعداری کرو بندوں کی تابعداریاں بطور تبلیغ یا انتظام کے ہیں۔ اصل حکم ایک خدا کا ہے)

(۹۱) قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰی ۝

(بچھڑے کے پوجنے والوں نے) جواب دیا ہم اسپر معتکف ہونے سے

کبھی نہیں ٹلیں گے جب تک کہ موسیٰ ہماری طرف واپس نہ آئے
(وہ مدت کے لمبا ہو جانے کے سبب سمجھتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام پہاڑوں میں کہیں مر کھپ گئے ہونگے)

(۹۲) قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ جب موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے اظہار سُن لئے تو اُنھیں خیال ہوا کہ اس میں ہارون علیہ السلام کا بھی قصور ہے۔ اسلئے اُنھوں نے اپنے بھائی کو سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا اور) کہا اے ہارون جب تو نے اُنکو گمراہ ہوتے دیکھا تو تجھے کس چیز نے روکا۔ (اور اس بات پر آمادہ کیا)

(۹۳) اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۝ کہ تو میرا اتباع نہ کرے پھر کیا تو نے میری نافرمانی کی (حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر جاتے وقت حضرت ہارون کو کہہ گئے تھے کہ تو میرا خلیفہ بننا اور فسادیوں کے راستے پر نہ چلنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب غضبناک ہو کر واپس آئے تو وہ بچھڑا پوجنے والوں کو سزا دینے پر آمادہ تھے اسلئے اُنھوں نے کہا فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ الخ یعنی تم اپنے آپ کو قتل کر ڈالو یہ تمہارے لئے تمہارے پروردگار کے نزدیک بہتر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ حکم غضبناکی کی حالت میں دیا تھا۔ لیکن خدا تعالےٰ نے قوم کی توبہ قبول فرمائی۔ بلاشبہ خدا توّاب و رحیم ہے ۔ حاصل یہ ہے کہ خدا نے موسیٰ علیہ السلام کی تجویز کردہ سزا سے بچھڑا پوجنے والوں کو بچا لیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام جبر مذہبی سے بیزار تھے اور وہ انتظام کے ساتھ امن کو قائم رکھتے تھے اور دین کا معاملہ خدا تعالےٰ پر چھوڑتے تھے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام بھی ہرگز جبر مذہبی کے حامی نہ تھے وہ حکم اُنھوں نے غضبناکی کی حالت میں دیا تھا۔ خدا تعالےٰ نے اُس کی اپنے حکم سے اصلاح فرمائی۔)

(۹۴) قَالَ يَا بْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ

اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ○

(اسلئے حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب میں) کہا اے میرے ماں جائے تو مجھ کو میری ڈاڑھی اور میرے سر سے مت پکڑ۔ میں بلاشبہ اس بات سے ڈرا کہ تو کہیگا کہ تو نے بنی اسرائیل کے درمیان نااتفاقی ڈالدی اور میری بات کا لحاظ نہ کیا (کیونکہ آپ کہہ گئے تھے کہ بدامنی پھیلانے والوں کے راستے پر نہ چلنا۔ لوگ اپنی شرارت سے گمراہی میں پڑ گئے۔ لیکن میں نے اُن میں بدامنی نہیں پیدا ہونے دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی سے جواب طلبی کی۔ موسیٰ علیہ السلام نبی سے سختی کے ساتھ جواب طلبی کرنے کو بھی جائز سمجھتے تھے۔ اُن کا یہ خیال ہرگز نہیں تھا کہ نبی کی تمام غلطیاں خدا تعالےٰ خود ہی نکال دیا کرتا ہے اور اسلئے اُس سے جواب طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف اللہ تعالےٰ ہی کی ایک ذات ہے جس پر اعتراض کے طور پر کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۲۱)

(۹۵) قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ○ (جب ہارون علیہ السلام معقول جواب دیچکے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے) کہنے لگے اے سامری پھر تیرا کیا معاملہ ہے۔

(۹۶) قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ○ اُس نے کہا میں نے (تمہارا وہ کمال) دیکھا جو اُنھوں نے نہیں دیکھا۔ پھر میں نے اس رسول (یعنی ہارون علیہ السلام) کے نشانِ قدم سے (مٹی کی) مٹھی بھر لی پھر (اُسے مبارک جان کر اُس کو اس بچھڑے میں) ڈالدیا اور میرے نفس نے مجھے ایسا ہی اچھا کر دکھایا (یہ بچھڑا تمہارے پاؤں کی مٹی کی برکت سے ہی آواز میں نکالتا ہے۔ میں نے یہ کام تمہارے ہی کمال کو دکھلانے کے لئے کیا ہے۔ ان آیات میں جبریل کی گھوڑی کا کوئی اشارہ تک بھی نہیں ہے۔

بعض لوگ رسولوں کی عزت ایسی باتوں میں سمجھتے ہیں جن کے ساتھ اُن رسولوں کا کوئی تعلق نہیں۔ خوشامدی لوگ کہا کرتے ہیں کہ تم مٹی کو ایک نگاہ سے کیمیا بنا دیتے ہو۔ اور لوگ ایسی خوشامدانہ باتوں کو نبیوں کی عزت سمجھتے ہیں۔ یہ طریقہ سامری کا ہے یہ طریقہ ایمانداروں کا نہیں۔ ایمانداروں کے نزدیک کسی کو اُس کی حیثیت سے بڑھا کر دکھلانا اُس شخص کی تحقیر اور بیعزتی کرنا ہے)

(۹۷) قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ وَانْظُرْ إِلٰى إِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ (حضرت موسیٰ علیہ السلام)

سمجھ گئے کہ یہ سامری لوگوں کو جھوٹے توہمات میں پھنسا رہا ہے اور چھوت چھات کا قائل ہے۔ جو شخص اس بات کو مانتا ہے کہ فلاں شخص کے پاؤں کی مٹی مبارک ہے اور فلاں شخص کے سائے اور گرد و غبار سے بھی بچنا چاہیے۔ کیا ایسا شخص چھوت چھات میں مبتلا ہونے کے قریب نہیں ہے۔ اسلئے موسیٰ علیہ السلام نے کہا تو (یہاں سے) چلا جا اسلئے کہ تیرے واسطے اس دنیا میں یہ بات ہے کہ تو لوگوں کو کہیگا کہ چھونا نہیں (یعنی میرے ساتھ مت لگنا۔ کہیں تمہارا بُرا سایہ مجھ پر نہ پڑ جائے اور میں ہلاک نہ ہو جاؤں وہمی لوگ ایسی مصیبتوں میں پھنسے رہتے ہیں۔ یہ کچھ کم سزا نہیں ہے) اور تیرے (تباہ ہونے کے) لئے ایک وعدہ ہے جس سے تو نہیں بچیگا۔ اور تو اپنے معبود کی طرف دیکھ جس پر تو اعتکاف بیٹھتا تھا (اور اُس کی عبادت میں لگا ہوا تھا) ہم اسے جلا (کر خاکستر بنا) دینگے۔ پھر اسے دریا میں بکھیر دینگے (کیا ایسی عاجز اور مجبور چیز الٰہ ہو سکتی ہے)

(۹۸) إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا معبود وہ اللہ ہے جس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اُس نے ہر شے کو اپنے علم میں سمایا ہوا ہے (کوئی چیز اُس

کے علم سے باہر نہیں ہو سکتی۔ اگر خدا تعالےٰ نے اس کا علم معین بنا دیا ہے تو وہ کبھی نہیں بدل سکیگی اور اگر معلق رکھا ہے تو اُس کو معلق جاننا ہی صحیح علم ہے۔ معلق کو معین قرار دے لینا علم کی خوبی نہیں ہے بلکہ علم کے لئے ایک عیب ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ سامری جیسے دغاباز۔ لوگوں کو وہم پرست بنائیں۔ تفرقہ اندازی سکھائیں اور اپنے لئے ایسی عزت تجویز کریں جو کسی دوسرے کو نہ دے سکیں یہ لوگ دوسروں کو پلید جانتے ہیں اور خود بھی دُکھ میں رہتے ہیں)

(۹۹) كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝ (اللہ تعالےٰ کی معبودیت کا تقاضا ہے کہ وہ علیم کل اور بے غلط ہو جیسا کہ مذکورہ بالا آیت سے ظاہر ہے۔ اندریں صورت لازم ہے کہ خدا کی وحی بھی بے غلط ہو۔ ہمارے رسول کریم کی تمام وحی قرآن میں ہی آگئی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جسطرح ہم نے تمام اشیاء کو اپنے علم میں گھیرا ہوا ہے) اسی طرح ہم تجھ پر ان خبروں کو جو پہلے گزر چکی ہیں بیان کرتے ہیں اور (یوں) ہمنے تجھ کو اپنے حضور سے ایک (عالیشان) ذکر (یعنی قرآن) دیا ہے۔

(۱۰۰) مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝ جس شخص نے اس (قرآن) سے مُنہ پھیرا سو بلاشبہ وہ پیشی کے دن (اپنے گناہوں کا) ایک (بھاری) بوجھ اُٹھاتا ہے۔

(۱۰۱) خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝ وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں (اور اس بوجھ کے تلے دبے رہتے ہیں) اور پیشی کے دن (وہ بوجھ) اُن کے لئے بہت بُرا بوجھ ہوگیا۔

(۱۰۲) يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۝ (وہ پیشی کا دن وہ ہے) جس دن (کوچ کے) بگل میں پھونکا جاتا ہے

(اور صور کا نقارہ بجتا ہے ۲۹/۱۵) اور ہم مجرموں کو اُس دن اس حال میں ہانک لاتے ہیں کہ اُن کی آنکھوں میں نیلا پانی اُترا ہوتا ہے (یہ اُن کے لئے حق سے اعراض کرنے کی سزا ہے)

(۱۰۳) يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ وہ آپس میں اشارۃً باتیں کرتے ہیں کہ ہم دنیا میں نہیں رہے مگر دس روز (اور اس دنیا میں ایسے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہاں سے کبھی جانا ہی نہیں)

(۱۰۴) نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہا کرتے ہیں۔ جبکہ ان میں سے کوئی اچھے طریقے والا کہتا ہے کہ تو نے صرف ایک دن دیر کی ہے (جو آخرت کے لمبے زمانے کے مقابلے میں ایک دن بلکہ ایک گھڑی بھی نہیں تھے)

رکوع ششم

(۱۰۵) وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ (اور پھر خدا تعالےٰ کے حضور میں پیش ہونے کا بیان ہے۔ کفار حیران ہو کر کہتے تھے جبکہ پہاڑ بھی ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں تو کیا انسانی ڈھانچ قائم رہ سکتا ہے کفار سمجھتے تھے کہ جب ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جاتے ہیں تو کیا ہم اسوقت نئی پیدائش میں ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک لطافت و روحانیت کوئی چیز نہ تھی۔ کفار مانتے تھے کہ فرشتے خدا تعالےٰ کی بیٹیاں اور معبود ہیں اور اُن کا خیال تھا کہ پہاڑوں کو وہی اپنے اختیار سے اُڑا دیتے ہیں۔ پھر کیا پہاڑوں کے اُڑنے کے ساتھ فرشتے بھی ضائع ہو جائیں گے۔ کثیف مادہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے لیکن خدا تعالےٰ جو جزا دینے والا ہے اور روحیں جن کو جزا دی جاتی ہے اور وہ خادم جو جزا دینے کی خدمت پر مامور ہیں قائم رہتے ہیں۔ مخلوقات تغیر و تبدل سے خالی نہیں۔ لیکن اس کی بنیاد قائم رہتی ہے اور ارتقاء حاصل کرتی جاتی ہے۔ کامل مطلق صرف ایک خدا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ لوگ بعض پہاڑوں کو مقدس جان کر پوجتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیات کے مطابق

سامری کا بچھڑا جلا کر خاکستر کیا گیا تھا۔ جب پہاڑوں کا بھی یہ حال ہے تو وہ کسطرح معبود بن سکتے ہیں۔ ان باتوں پر ان آیات میں روشنی ڈالی گئی ہے جیسا کہ ارشاد ہے) اور یہ لوگ تجھ سے پہاڑوں کی بابت پوچھتے ہیں۔ سو تو کہہ کہ میرا رب اُن کو بھی اس طرح اُڑا دیتا ہے جو اُڑانے کا حق ہے۔

(۱۰۶) فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ پھر اُنہیں صاف میدان بنا چھوڑتا ہے۔

(۱۰۷) لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ تو اس میں نہ کوئی کجی (یعنی ڈھلوان) اور نہ اس میں کوئی چھوٹا سا ٹیلہ دیکھتا ہے۔

(۱۰۸) يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝ ایسے (مصیبت کے) دن میں (لوگ) اصل بلانیوالے (یعنی خدا تعالےٰ) کی پیروی کرتے ہیں (جیسا کہ فرمایا ہے۔ جب وہ تم کو بلاتا ہے تو تم اس کی حمد کے ساتھ اُس کی پکار کو قبول کر لیتے ہو ۱۵/۵) اور رحمان کے حضور میں آوازیں پست ہو جاتی ہیں پس تو نے مخاطب) نرم (اور دبی) آواز کے سوا کچھ نہیں سُنتا۔

(۱۰۹) يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ۝ اس دن شفاعت کوئی نفع نہیں دیتی۔ ہاں جس کو خدا نے اذن دیدیا ہو اور اس کے لئے (کسی دوسرے کو) کہنا (اور اس دوسرے کو اپنے ساتھ شامل کرنا) پسند کیا ہو (کفار شفاعتوں کو مانتے تھے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ کیا تمہارے شرکا میرے اذن کے بغیر شفاعت کر سکتے ہیں۔ اگر اس خدا نے جسکا فیصلہ ناطق ہے کسی کو ایسا اذن دیا ہوا ہے تو اُسے پیش کرو۔ پس اے کافرو تمہارے قول کے مطابق تمہاری شفاعت تو ہو نہیں سکتی۔ مومنوں کا صرف ہماری رحمت پر بھروسہ ہے۔ وہ کسی شفاعت کے قائل نہیں۔ کیا میں خود ہی اُن کے لئے کافی نہیں ہوں اور میرے

فیصلے کے بعد کسی اور کے دخل کی ضرورت باقی رہ سکتی ہے۔ شفاعت کے ماننے والے مشرکوں کو کہا ہے کہ بغیر اذن کے شفاعت نہیں ہوگی۔ اور قرآن سے سورج کی طرح واضح ہے کہ مشرکوں کی ہرگز شفاعت نہیں ہوگی۔ ان آیات سے اگر شفاعت کا امکان معلوم ہوتا ہے تو سب سے پہلے مشرکوں کے لئے ہوتا ہے جو شفاعت کے قائل ہیں اور جو شفاعت کے قائل ہی نہیں۔ جن کو کہا گیا ہے لَا شَفَاعَةَ اور لَا شَفِيعٌ اور جن کو فرمایا گیا ہے لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۲۴/۳ ۔ ان کے لئے اس جواب سے جو مشرکوں کے دعوے کی تردید میں پیش کیا گیا ہے شفاعت کا امکان کیسے نکالا جا سکتا ہے جبکہ وہ شفاعت کے قائل ہی نہیں۔ مومنوں کو یہ کبھی نہیں کہا گیا کہ تمہارے لئے شفاعت کا اذن دیئے جانے کی ضرورت ہے)

(۱۱۰) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝

(شفیع کے لئے ضرور ہے کہ اُس کو لوگوں کے اصلی حالات کا علم ہو تاکہ شفاعت کے اہل کو جان سکیں۔ یہ علم سوائے خدا تعالےٰ کے کسی کو نہیں۔ خود ان خیالی شفیعوں کو اپنی بابت بھی ایسا علم نہیں جیسا کہ ارشاد ہے) وہ (اللہ) جانتا ہے جو اُن کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے۔ اور یہ لوگ اس (خدا) کو اپنے علم میں گھیر نہیں سکتے (یہ کام خدا تعالےٰ کا ہے جو تمام علوم پر محیط ہے)

(۱۱۱) وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝

(اور کسی کمزور انسان کو یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ خدا کے آگے شفیع بنکر جائے) اور (حالانکہ) تمام (عزت والے) چہرے اس حیّ و قیّوم (خدا) کے آگے عاجز ہیں اور جس نے ظلم کو اُٹھایا وہ نامراد ہوا (اس کے لئے تو شفیع ہو نہیں سکتا)

(۱۱۲) وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝ اور (جو شخص خدا کا مومن اور نیکوکار ہے اُس کے لئے کسی شفاعت

کی ضرورت ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ) جو شخص صلاحیت والے عمل کرے اور وہ (خدا کا) مومن ہو پس اُسے کسی ظلم اور کسی نقصان کا کوئی خوف نہیں۔

(۱۱۳) وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝ اور (جسطرح ہم نے یہ توحید کا بیان کھول دیا ہے) اسی طرح ہم نے اس کو عربی قرآن بنا کر اُتارا ہے اور اس (قرآن) میں وعیدوں کو رنگا رنگ طرح سے بیان کیا ہے تاکہ وہ ڈر جائیں یا اُن کو نصیحت حاصل ہو جائے (قرآن سے مقصود تقویٰ اور نصیحت ہی ہے)

(۱۱۴) فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝ (کیا سچے بادشاہ کے حضور میں بھی سفارش کی ضرورت پڑ سکتی ہے) سو اللہ ہی بلند (اور تمام مخلوقات کے خیالات سے اعلیٰ) ہے جو سچا بادشاہ ہے (تو بعض اوقات ایک آیت کو جو نازل ہو چکتی ہے سنا دیتا ہے۔ اس میں مضمون کا ایک حصہ آتا ہے مکمل مضمون نہیں ہوتا۔ لوگ اس سے غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ جب تک قرآن کے کسی مضمون پر پوری روشنی نہ پڑ جائے اس کے سنانے میں جلدی نہ کی جائے جیسا کہ ارشاد ہے) اور تو قرآن کے ساتھ (یعنی اس کے سنانے میں) اس سے پہلے کہ تیری طرف اس کی وحی پوری پوری کی جائے جلدی نہ کیا کر اور (آئندہ ترقیات کے لئے بھی) کہا کر کہ اے میرے پروردگار مجھ کو علم میں ترقی دے۔

(۱۱۵) وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝

(تو بھولنے والے آدم کی اولاد ہے۔ تجھے سورت قیامت میں اس سے روکا گیا تھا پھر تو نے وہی غلطی کی۔ چنانچہ فرمایا) اور ہم نے آدم کی طرف پہلے سے عہد کیا تھا۔ سو وہ اُسے بھول گیا اور ہم نے اس کے لئے عزم (یعنی پکا ارادہ) نہ پایا۔

(تجھے چاہیئے کہ تو اولوالعزم رسولوں میں سے بنے)

رکوع ہفتم (۱۱۶) وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ۝ (اوپر کی آیت میں علم کی ترقی کی دعا سکھائی گئی ہے۔ علم جسقدر بڑھیگا انسان کو اپنے نقائص اتنے ہی زیادہ دکھائی دینگے اور جب نقصوں کو نقص جان لیا تو اُن سے بچنے کی رغبت پیدا ہوگی۔ اور جب بدی سے بچنے کا عزم اور حوصلہ پیدا ہو جائیگا تو بدی سے بچنا آسان نظر آئیگا۔ پہلے علم کی ترقی اور حوصلے کی ضرورت کا ذکر فرمایا ہے۔ آگے دکھلایا ہے کہ اس دنیا میں حق و باطل کی جنگ ہو رہی ہے تم سُستی نہ دکھلاؤ اور نہ بزدل ہی بن جاؤ۔ اگر تمہارا خدا پر ایمان ہے تو تم ہی غالب ہوگے۔ انسان کے اندر شیطان و ملائکہ کی جو جنگ ہوتی ہے اسکا نقشہ آئندہ آیات میں دکھلایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے) اور جب ہمنے فرشتوں (یعنی کارکنان قدرت) کو کہا کہ آدم کے آگے ساجد ہو جاؤ تو ابلیس کے سوائے سب نے سجدہ کیا۔ اُس نے (ساجد ہونے سے) انکار کر دیا۔

(ملائکہ و شیاطین انسان کی طرح صاحب اختیار نہیں ہیں۔ اس عالم میں کام دینے کے لئے ایک سامان ہیں۔ اگر سامان انسان کے ساجد نہ بنائے جائیں تو انسان کے اختیار کے اظہار کا کوئی موقعہ نہیں ہو سکتا۔ آنکھ۔ کان۔ زبان اور دیگر حواس ضرور ہے کہ اس کے قابو میں اس طرح کر دئے جائیں کہ وہ ان سے نیکی اور بدی دونوں کا کام لے سکے۔ اور کسی صاحب اختیار کے نیک و بد احکام پر چلنا اُس کو سجدہ کرنا ہے۔ انسان کی آنکھ انسان کے حکم سے نیک چیزوں کو بھی دیکھ سکتی ہے اور بد چیزوں کو بھی دیکھ سکتی ہے۔ اگر آنکھ کو اس طرح انسان کے تابع نہ کیا جاتا تو انسان کا صاحب اختیار ہونا محال ہو جاتا۔ بے اختیار سامانوں کے ساجد ہونے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ صاحب اختیار انسان بھی خدا کو چھوڑ کر بے اختیار سامانوں کے آگے ساجد ہو جائے

دراصل تمام سامان اپنی فطرت کے لحاظ سے خدا تعالےٰ کے آگے ساجد ہیں۔ خدا تعالےٰ نے اُنھیں حکم دیا ہے کہ انسان کے نیک و بد حکموں پر چلو تاکہ انسان کا اختیار قائم رہے اور وہ خدا تعالےٰ کے آگے جوابدہی کے قابل ہو۔ انسان دولت اور وقت

کو نیک و بد دونوں موقعوں پر صرف کر سکتا ہے لیکن انسان سے یہ بات چاہی گئی ہے کہ اپنے اختیار کو خدا تعالےٰ کے اختیار کے ماتحت چلائے اور اس کے برخلاف کوئی بات نہ کرے مکے کے مشرک سمجھتے تھے کہ فرشتے خدا تعالےٰ کی بیٹیاں ہیں۔ وہ انھیں اپنے معبود قرار دیتے تھے۔ مجوس ابلیس کو خدا کا شریک سمجھتے تھے۔ خدا تعالےٰ اس حقیقت کو کھول کر فرماتا ہے کہ فرشتوں اور شیاطین کو تمہارے قابو میں آنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر تم انھیں خدا کا شریک کسطرح بناتے ہو اور اپنے غلاموں کے غلام بنتے ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صاحب اختیار انسان کے لئے کسی اور کو سجدہ کرنا یقیناً ناجائز ہے)

(۱۱۷) فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ ۝ (بلاشبہ جذبات کا تقاضا ہے کہ وہ کمزور انسان کو مغلوب کرلیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ اے انسانو! تم اسے دشمن سمجھ کر اس سے بچنے اور اسپر غالب آنے اور اسے غلام بنانے کی کوشش کرو جیسا کہ ارشاد ہے) سو ہمنے کہا اے آدم بلاشبہ یہ (شیطان) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے۔ پس یہ تم دونوں کو اس جنت سے نہ نکال دیوے۔ پھر تو بدبخت بن جائیگا۔ (اور مصائب میں مبتلا ہوگا)

(۱۱۸) إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۝ بلاشبہ تیرے لئے اس (جنت) میں یہ بات ہے کہ تو اس میں نہ بھوکا ہوگا اور نہ ننگا ہوگا (تیرے لئے قدرتی طور پر کھانے اور پہننے کے سب سامان مہیا ہوتے جائیں گے۔ تجھے تقویٰ کا لباس پہنایا جائیگا)

(۱۱۹) وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ۝ اور بلاشبہ تیرے لئے یہ بات بھی ہے کہ تو اس میں نہ پیاسا ہوگا اور نہ گرمی کی تکلیف اٹھائیگا (ہر بات میں فطرت ہی تیری رہنمائی کریگی اور تجھے دکھ اور بیماری سے بچائیگی۔ پہلا جوڑا انسانی دخل کے بغیر خود خدا تعالےٰ نے پیدا کیا تھا۔ وہ اپنی اصلی فطرت پر تھا۔ انسان جس جنت میں رکھا گیا تھا وہ فطری جنت تھی بچپن کا زمانہ بھی اس کے ساتھ کسی قدر مطابقت رکھتا ہے۔ جب انسان کو اپنے نقص نظر

آنے لگے اور اس حالت میں آگیا کہ اس سے جواب طلب کیا جائے۔ اسوقت انسان جذبات میں پھنس جانے کے سبب فطری جنت سے دور ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں رسل وانبیا اور دیگر نیکوں اور بدوں کے حالات تاریخی طور پر بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ان تاریخی نمونوں سے بھی مقصود یہی ہوتا ہے کہ انسان عبرت حاصل کرے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے اور یکساں حالتوں میں یکساں نتیجے ہی نکلا کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے کئی جگہ قدرتی نقشے کھینچکر دکھائے ہیں اور حالی مکالمے بھی لائے گئے ہیں۔ ایسے مکالموں کی تشریح غور وتحقیق کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہمنے زمین وآسمان کو کہا کہ تم خوشی یا ناخوشی کے ساتھ حرکت میں آجاؤ تو وہ دونوں بولے کہ ہم فرمانبرداری کے ساتھ حرکت میں آگئے ہیں۔ اس میں مجبور مخلوقات کی طبعی فرمانبرداری کا بیان کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا۔ جب ہم جہنم کو کہتے ہیں کہ کیا تو بھر گئی تو وہ کہتی ہے کہ کچھ اور بھی ہے۔ یہ بھی حالی مکالمہ ہے۔ شہد کی مکھی کی طرف وحی ہونا کہ تو پہاڑوں اور درختوں اور انسانی مصنوعات میں گھر بنا اور تمام میووں سے کھا اور دُور دُور کے چکر لگا یہ بھی ایک قدرتی نقشے کا ہی اظہار ہے۔

طوفان نوح کے بعد کہا گیا کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل جا اور اے آسمان تھم جا اور پانی کم ہو گیا اور کام کا فیصلہ کیا گیا الخ۔ تو اس میں خدا تعالےٰ اپنے جلالی تصرف کا نقشہ کھینچکر دکھاتا ہے۔ یہ مکالمے تاریخی حیثیت کو ظاہر نہیں کرتے۔

سورت احزاب میں فرمایا ہے کہ خدا نے زمین۔ آسمان اور پہاڑوں پر امانت کو پیش کیا۔ انھوں نے اس ذمے داری کو اپنے سر لینے سے انکار کیا اور انسان نے اس ذمہ داری کو اُٹھا لیا اسلئے کہ انسان اپنے اختیار کی وجہ سے ظلم وجہالت میں پھنسنے کے لئے بھی آمادہ ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مشرک اور منافق بننے والوں کو سزا ملے۔ اور مومنوں پر بخشش اور رحم کیا جائے۔ یہ بھی کوئی تاریخی واقعہ نہیں بلکہ یہ بات ایک مثالی رنگ میں پیش کی گئی ہے۔ یہی حال اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کی آیت کا بھی ہے آدم اور ابلیس کا یہ قصہ بھی قدرتی حقیقت کو دکھانے کے لئے مثالی طور پر ہی بیان کیا گیا ہے۔ قرآن مجید سے اسکا ثبوت کئی طرح پر ملتا ہے۔

اوّل :۔ آدم کو ملائکہ نے اُسوقت سجدہ کیا جبکہ اسکا تسویہ ہو کر اس میں نفخ روح ہو گیا ۱۴/۲ ۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کرنے سے پہلے آدمؑ کا تسویہ اور نفخ روح نہیں ہوا تھا۔ لیکن سورت بقرہ میں آدم علیہ السلام نے ملائکہ کے ساجد ہونے سے پہلے فرشتوں کے اسماء اور صفات کی خبر دی اور فرشتوں نے اپنی کمی علم کا اعتراف کیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ کا یہ بیان اسوقت کا ہے جبکہ آدم اپنے تیار ہونے کی حالت میں تھا اور اسلئے ضرور ہے کہ یہ مکالمہ حالی ہو نہ مقالی۔ فرشتے ساجد ہونے کے بعد انسانوں پر ایسے اعتراض نہیں کر سکتے تھے۔

دوم :۔ دنیا میں الفاظ اب بھی نئے نئے پیدا ہو رہے ہیں اور نئے نئے نام تجویز کئے جا سکتے ہیں۔ آدم کو پہلے دن ہی تمام اسماء نہیں سکھائے گئے۔ پس آدم کو تمام نام سکھانے کا مطلب صرف یہ ہے کہ آدم کو ایسی فطرت عطا فرمائی جس سے وہ ہر چیز کا نام تجویز کر سکتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکالمہ فطری رنگ ہی دکھاتا ہے۔

سوم :۔ شیطان نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ یہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں اور ظاہر ہے کہ مٹی سے پیدا ہونے میں آدم اور آدم کی تمام اولاد یکساں ہے۔ پس آدم و حوا کے بیان میں اُن کی تمام اولاد بھی شامل ہے۔ اور یہ قصہ انسان کی اجتماعی حالت کو دکھاتا ہے نہ کسی خاص فرد کی حالت کو شیاطین آدم ہی کے دشمن نہیں ہیں بلکہ تمام اولاد آدم کے بھی دشمن ہیں۔

چہارم :۔ خدا تعالےٰ نے تمام انسانوں کو جرمز کی حالت میں پیدا کیا اور اُنکی مناسب صورتیں بنائیں پھر انکی تکمیل کی۔ پہلی تکمیل آدم کو ملی۔ اس تکمیل کے وقت اس کو سجدہ کیا گیا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام انسان اپنی اپنی تکمیل کے وقت ملائکہ کے مسجود بنتے رہتے ہیں۔

پنجم :۔ اللہ تعالےٰ نے فرشتوں کو فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانیوالا ہوں۔ خلیفہ کے معنی ہیں حکمران ۲۳/۱۱ ۔ انسان کو اس زمین میں حکمرانی کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا تو اس کو بناتا ہے جو زمین میں فساد مچائے اور خونریزی کرے۔ یہ صفت بھی آدمیوں میں ہی ظاہر ہوتی ہے۔ آدم

نے کبھی کوئی خون نہیں کیا۔ ہاں وہ اس قابل تھا کہ خون کر سکے۔ اس جگہ انسانی قابلیت کا دکھانا ہی مقصود ہے کسی تاریخی واقعہ کا بیان کرنا منظور نہیں۔

سورت زخرف میں فرمایا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو تمہاری جگہ فرشتوں کو زمین میں خلیفہ بناتے۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں خلافت کرنیوالے انسان ہیں نہ فرشتے۔ خلافت کی صفت آدم وحوا کے لئے خاص نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لئے ہے۔ یہی حالت امانت اور ذمہ داری کی ہے۔ اس کو بھی صاحب اختیار انسان نے ہی اُٹھایا ہوا ہے۔

ششم ۔عیسائی کہتے ہیں کہ دنیا میں گناہ حوا کے ذریعے سے آیا اور حوا کے گناہ کے سبب سے تمام انسان گنہگار بن گئے۔ انسان کے اس موروثی گناہ کو مریم کا بیٹا اپنے کفارے سے دُور کرتا ہے۔ اُن کے نزدیک گناہ عورت کے ذریعے سے آیا اور عورت کے ذریعے سے ہی انسان کو اُس گناہ سے نجات ملی یہ بات بالبداہت باطل ہے۔ جسطرح گناہ بقول نصاریٰ کفارۂ مسیح سے پہلے ہوتے تھے اسی طرح اب بھی ہو رہے ہیں۔ کسی کا گناہ دوسرے پر ڈالنا ایسا ہی باطل ہے جیسا کہ کسی کے کفارے سے دوسروں کو نجات دیدینا۔ نجات کے سینگ کا چار ہزار سال کے بعد نکلنا بھی عجیب ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ گناہ آدم نے کیا۔ حوا کو اپنے اثر سے ساتھ ملالیا۔ آدم ہی عاصی اور غاوی بنا۔ انسان میں گناہ موروثی طور پر نہیں آیا۔ بلکہ انسان اسے اپنے اختیار سے حاصل کرتا ہے۔ اس سے سورج کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ تاریخی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ انسان کی فطرت اور جذبات کے حالات کا نقشہ کھینچتا ہے۔

ہفتم :۔ یہ ذکر آدم وحوا کے ابتدائی جوڑے کے رنگ میں دکھایا گیا ہے اور اسلئے فرمایا اِهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا اور چونکہ اولاد بھی اس میں داخل ہے اس لئے اِهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا بھی فرمایا۔ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ سے بھی یہی ثبوت ملتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

حاصل یہ ہے کہ اس قصے کو تاریخی رنگ دینا ہرگز صحیح نہیں۔ اسکا مفصل بیان سورت بقرہ اور سورت اعراف میں آچکا ہے۔

(۱۲۰) فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ پھر شیطان نے اس کی طرف وسوسہ ڈالا (اور چاپلوسیوں پر اتر آیا۔ آگے اس کے وسوسہ ڈالنے کی یوں تشریح کی ہے) اُس نے کہا اے آدم کیا میں ہمیشگی (اور قیام) کے درخت اور ایسی بادشاہی کی طرف جو پرانی نہ ہو تیری رہنمائی کروں (اور تجھے اُس کا پتہ بتاؤں۔ اصل دین فطرت ہے۔ اگر انسان کو اپنی فطرت پر چھوڑا جائے اور اس کی فطرت کو جذبات اور شبہات سے آلودہ نہ کیا جائے تو بڑا ہو کر وہ توحید اور انسانی حریت و مساوات کا ہی قائل ہوگا۔ انسان اسلامی فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی وغیرہ بنا لیتے ہیں۔ بچپن میں انسان کا تعلق اپنے ماں باپ اور بہن بھائی وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ پہلے ماں باپ کی اطاعت اور بہن بھائی کی محبت سیکھے اس سے اس کی اصل فطرت کو مدد ملیگی۔ لیکن اگر شیطان انسان کو شروع میں ہی ایسا خود غرض بنا دے کہ اُسے دوسرے کی تکلیف کا احساس نہ رہے تو ایسے گھر میں بے چینی چھا جاتی ہے اور وہ خاندان جنتی زندگی سے نکل جاتا ہے۔ خود غرضی اور نا اتفاقی کے پیڑ کو چکھنے اور کھلانے سے ہی انسان کے اندر ایک دوسرے کی عداوت کی جڑ لگ جاتی ہے۔

انسان اپنے ہمخیالوں کے ساتھ ملکر الگ الگ جماعتیں بناتا ہے اور دوسرے کے ساتھ باغیانہ سلوک کرتا ہے۔ دنیا کے فسادوں کا یہی سوجب ہے۔ اگر ایک شخص پہلے اپنی حالت سنوارے اور دوسرے گرے ہوؤں کو اُبھارنے کی کوشش کرے اور کسی کو گرانا نہ چاہے تو پھر دنیا میں امن کی زندگی اور جنتی حالت پیدا ہو سکتی ہے۔ شیطان دھوکے کے ساتھ جس کو ہمیشگی کا درخت کہتا ہے اور دائمی بادشاہت بتاتا ہے وہ مخالفت اور نا اتفاقی کا پیڑ ہے۔ جب انسان میں عداوت کی جڑ لگ جاتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے عدو بن جاتے ہیں تو اُسوقت وہ امن کی زندگی سے نکل جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے تم اس جنت سے گر جاؤ۔ تمہارا بعض بعض کا دشمن ہے دشمنی کے ہوتے ہوئے امن کی جنت میں رہنا دشوار ہے۔

ہم سب ایک خدا کی مخلوق ہیں۔ اسی ایک مالک کے ماتحت رہ کر ہمارا اتحاد ہو سکتا ہے۔ جب اس خدا کے ساتھ غیروں کو بھی مثلاً معبود بنایا جائیگا تو تفرقہ بالضرور پیدا ہوگا مقلد بلا دلیل اپنے گرو کے پیچھے چلتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس سے ہمارا قیام رہیگا۔ اور ہم قومی فوائد کو اکٹھے حاصل کریں گے۔ اگر ان میں سے کوئی شخص دوسری قوم میں جا ملے تو لوگ اس کو واجب القتل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ من بدّل دینہ فاقتلوہ۔ اس سے انسانی ترقی مسدود ہو جاتی ہے۔ لیکن حق پرست آدمی تمام انسانوں میں حریت و مساوات قائم کرتا ہے اور اُن کو بھائی بھائی جانتا ہے اور ہر ایک سے مشورہ لیتا ہے۔ صحیح بات کو ہر جگہ سے لینے کے لئے تیار ہوتا ہے اور ایسی تقلید کو لعنت جانتا ہے جس سے ایک آدمی کی اپنی باتوں کو بلا سند وحی و صحیفۂ فطرت خواہ مخواہ صحیح بلکہ وحی ٹھہرایا جائے۔ شیطان جنت سے نکالتا ہے اور انسان کو ننگا کر دیتا ہے۔ خدا انسان کو سلامتی کے راستے دکھاتا ہے۔ جب لوبھ۔ کام، کرودھ سے مغلوب ہو کر فطرت انسانی دب جاتی ہے تو اس فطرت کو وحی سے مدد دیجاتی ہے۔)

(۱۲۱) فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ (آگے فرمایا) سو ان دونوں نے اس درخت سے کھا لیا۔ پھر اُن کے لئے اُن کے عیب سامنے آگئے اور اس (فطری) باغ کے پتوں سے ہی اپنے آپ کو ڈھانکنے لگے (مرد نے تیزی دکھلائی۔ عورت کو اپنے ساتھ شامل کر لیا اور) آدم اپنے رب کا نافرمان بن گیا۔ پھر اصل مقصود سے بے بہرہ ہو گیا۔

(۱۲۲) ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝ پھر اس کے رب نے اُسے چُن لیا سو اس پر (مہربانی سے) رجوع کیا اور (اسے) ہدایت دی (انسان آخر کار بچایا جاتا ہے۔ جو اس دنیا میں نیک اعمال بجالائے وہ جنت میں جاتا ہے اور جو مقابلہ کرے جہنم کے ہسپتال میں اسکا علاج کیا جاتا ہے اور آخر کار انسان اپنے رب کا ہی جلال

وجمال دیکھتا ہے)

(۱۲۳) قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ○ (خدا نے) فرمایا تم دونوں اس سے اکٹھے ہی اُتر جاؤ۔ بعض تمہارا بعض کا دشمن ہے (تم میں عداوت کی جڑ لگ گئی ہے اور خود غرضی پیدا ہو گئی ہے) پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے پس جو شخص میری ہدایت کی پیروی کریگا (جو میری طرف سے وحی ہوگی اور اُس میں کسی دوسرے کو دخیل نہ بنائیگا) تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدبختی کا مُنہ دیکھیگا۔

(۱۲۴) وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ○ اور جو شخص میرے ذکر (یعنی کامل وحی) سے مُنہ موڑیگا تو (قلبی لحاظ سے) اُس کی زندگی تنگی (اور بے چینی) کی ہوگی اور ہم اُسے پیشی کے دن (حق سے) اندھا بنا کر اُٹھائیں گے۔

(۱۲۵) قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ○ (جب یہ حالت ایسے غافل پر طاری ہوئی تو) اُس نے کہا اے میرے پروردگار تو نے مجھے کیوں اندھا اُٹھایا حالانکہ میں (پہلے) دیکھنے والا تھا (میں دوسروں کی باتوں کو بھی وحی جانتا تھا اور دنیوی معاملات میں خوب مستبصر تھا ۲۰/۱۹۔ میں قرآن سے زیادہ وحی کا قائل تھا)

(۱۲۶) قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَىٰ ○

(خدا نے) فرمایا بات یوں ہی ہے (تو زیادہ کو وحی مانتا تھا اور اصل سرچشمہ وحی کو بھولا ہوا تھا) تیرے پاس میری آیتیں آئیں سو تو نے اُن کو بھلا دیا۔ (اور دوسروں کو میرے ساتھ ملایا) اور اسی طرح آج کے دن تو بھی بھلایا جاتا ہے (اور خدا تجھ سے اپنی خاص مہربانی کو روک لیتا ہے)

(۱۲۷) وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ۝ اور اسی طرح سے (آگے بھی) ہم انکو جزا دینگے جو حد سے نکلا (اور دوسروں کو خدا کے ساتھ شریک بنایا) اور اپنے رب کی آیات کو نہ مانا اور (یہ ظاہر ہے کہ) آخرت کا عذاب (اس دنیا کے عذاب سے) زیادہ شدید اور زیادہ قائم رہنے والا ہے۔

(۱۲۸) اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝ پھر کیا ان لوگوں کو نہیں سوجھتا کہ ہمنے ان سے پہلے کسقدر زمانوں کے لوگوں کو ہلاک کردیا۔ یہ اُن کے مکانوں میں چلتے پھرتے ہیں (اور حقیقت کو جانتے ہیں) تحقیق اس میں عقل والوں (اور عاقبت اندیشوں) کے لئے نشان ہیں۔

رکوع ہفتم (۱۲۹) وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ۝ اور اگر خدا کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی (کہ ہم وحی دیکر اور خوب طرح سمجھا کر پکڑینگے) اور مقررہ میعاد نہ ہوتی (جس وقت پیمانہ لبریز ہوجاتا ہے) تو وہ (عذاب فی الفور) لازم ہوتا۔

(۱۳۰) فَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَاۗئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝ (قریش عذاب کو جلدی مانگتے تھے۔ خدا تعالےٰ اُنھیں مہلت دیتا ہے اور اُنھیں مومن بنانا چاہتا ہے۔ شریر لوگ اسپر محمول کرتے ہیں۔ اسلئے فرمایا) سو تو اسپر صبر کر جو یہ کہتے ہیں (اور خدا کی طرف متوجہ ہو جا وہی اچھے نتیجے نکالیگا) اور تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ ملا کر سورج کے نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اس کی پاکیزگی بول۔ اور رات کی کچھ گھڑیوں میں بھی

تو اُس کی تسبیح کر اور دن کے اور اطراف میں بھی (جنکا تعین نہیں ہے کھلا ذکر کر) تاکہ تو راضی ہو جائے (اور قریش تیرے ساتھ ملکر حق کے پھیلانے میں مدد ہوں)

(۱۳۱) وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝ اور تو (حرص کے ساتھ) اپنی دونوں آنکھوں کو اُس کی طرف مت پسار جو ہمنے ان میں سے بعض گروہوں کو فائدہ دیا ہے (وہ بھی سارے کے سارے امیر نہیں) یہ دنیا کی زندگی کی زینت ہے تاکہ ہم ان کی اس میں آزمائش کریں (کہ وہ شکر کرتے ہیں یا نہیں) اور تیرے رب کی روزی جو ہے (جو حلال سے ملتی اور بھوک اور ضروریات سے کفایت کرتی ہے) بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔

(۱۳۲) وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ۝ اور اپنے اہل کو بھی نماز کا حکم کر اور تو خود بھی اسپر ٹکا رہ۔ ہم تجھ سے کوئی زوری نہیں مانگتے۔ ہم خود تجھے روزی دیتے ہیں۔ تقویٰ کا انجام بخیر ہے۔ (متقیوں کی روزی آخر کار فراخ ہو جاتی ہے)

(۱۳۳) وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝ (قریش کہتے تھے کہ یہ دلائل سے قائل کرنا چاہتا ہے۔ معجزہ کیوں نہیں لاتا۔ اسلئے فرمایا) اور اُنھوں نے کہا کہ کیوں یہ اپنے رب کی طرف سے کوئی نشان نہیں لاتا (اگر ہم عذاب کے لائق ہیں تو یہ عذاب لاکر ہی دکھا دے۔ اس کے جواب میں فرمایا) اور کیا ان کے پاس ان باتوں کی روشن دلیل نہیں آئی جو پہلے صحیفوں میں ہیں، پہلے صحیفوں میں بہت سی ایسی باتیں تھیں جن کو دلیل سے ثابت کرنا ضروری تھا۔ اس قرآن میں ان باتوں کے

دلائل لاکر بھی دکھا دیئے۔ یہ قرآن تمام حقانی تعلیموں کا مصدق ہے اور صحیفہ فطرت کے میزان میں پورا تلتا ہے۔ پھر اسپر اعتراض کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے)

(۱۳۴) وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۝

(یہ لوگ عذاب کو جلدی دیکھنا چاہتے ہیں۔ رسول کریم بحکم خدا فرماتے ہیں کہ اگر عذاب میرے ہاتھ میں ہوتا تو ابتک فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ یہ نتائج خدا تعالےٰ کے ہی سپرد ہیں۔ چنانچہ فرمایا) اور اگر یہ بات ہوتی کہ ہم ان کو اس سے پہلے عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیتے تو البتہ یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار کیوں تو نے ہماری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا (اگر تو ایسا کرتا) ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے (اور کسی اور کو ساتھ نہ ملاتے) اس سے پہلے کہ ہم (دنیا کی زندگی میں) ذلیل اور (آخرت میں) رسوا ہوتے۔

(۱۳۵) قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ۝ تو کہدے کہ (مومن و کافر میں سے) ہر ایک انتظار کرنیوالا ہے (مومن اپنی آزادی کا انتظار کرتے ہیں) سو قریب ہے کہ تم جان لوگے کہ کون سیدھے راستے والے لوگ ہیں اور کون ہدایت پر جم گئے ہیں (اس آیت میں ظالموں اور کافروں کا ذکر نہیں کیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ اس مہلت سے قریش کے بہت سے لوگ بھی حق کے مددگار بن جائینگے۔ مقصود حق ہے۔ حق کی کامیابی دکھلا دیگی کہ میں ہی حق ہوں اور حق کی حقانیت کے عقلی دلائل تو ہر وقت موجود ہیں۔ کامیابی کا نشان اخیر میں ہوتا ہے فالحمد للہ علی ذلک)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورۃ الانبیاء

مضمون اور نظم و ربط

اس سُورت کا نام الانبیاء ہے۔ اس میں انبیاء کا لفظ کہیں موجود نہیں۔ ہاں بہت سے نبیوں کا ذکر اس سورت میں اُن کی بشریت اور عاجزی دکھلانے کے لئے لایا گیا ہے۔ سُورت مریم میں دکھلایا ہے کہ مسیح علیہ السلام خدا کا بیٹا نہیں تھا۔ صرف ایک بندہ تھا۔

مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے۔ سو تم اُسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا رستہ ہے۔ سورت طٰہٰ اور اس سُورت میں دکھلایا ہے کہ دیگر انبیاء بھی مسیح کی طرح بشر تھے۔ مسیح علیہ السلام کی طرح کھاتے پیتے اور بول و براز کرتے تھے۔ کھانے سے اُن کو قوت ملتی تھی اور بدل ما یتحلل ہوتا تھا۔ وہ کھانے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ تمام انسانوں کی طرح موت کو چکھنے والے تھے۔ وہ مصیبتوں کے وقت میں دوسرے لوگوں کی طرح ہی عاجز ہوتے تھے۔ اور دعائیں مانگتے تھے۔ اور خدا ہی اُن کی دعاؤں کو قبول فرماتا تھا۔ زکریاؑ کو بیٹے کی ضرورت تھی۔ وہ اپنے آپ کو خود ہی بیٹا نہیں دے سکتا تھا۔ وہ دوسرے لوگوں کی طرح بیٹا خدا سے ہی مانگتا ہے۔ یونس علیہ السلام اپنے ظلم کا اقرار کرتے ہیں۔ داؤد علیہ السلام کے آگے ایک مقدمہ پیش ہوا۔ اُن کے مقابلے میں اُن کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے اس کے متعلق خوب فہم دیا۔ نبیوں میں فہم اور علم کے لحاظ سے صراحتاً کمی بیشی ہوتی تھی جس سے وہ غلطیوں میں پڑ جاتے تھے۔ لیکن وہ اپنی طرف سے خدا کے مقابلے پر ہو کر ایسی غلطیاں نہیں کرتے تھے وہ اپنی طرف سے خدا کے قول پر سبقت نہیں دکھلاتے تھے۔ وہ خوف اور رغبت سے خدا کو پکارتے تھے۔ اللہ تعالےٰ کسی انسان کو اُس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ لیکن دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو لا یسبقونہٗ بالقول کے الفاظ

سے نبیوں کو ہر وقت میں بے غلط ٹھہراتے ہیں۔ اور خدائی تشریح و تفسیر کا کوئی لحاظ نہیں کرتے اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کے روشن اور محکم الفاظ کو مٹا دیتے ہیں اور جہاں کسی متشابہ بات میں ناخن اڑے اُس کو اصل بنا لیتے ہیں۔ وہ لوگ اُنھیں بشر نہیں جانتے۔ بلکہ فوق البشر قرار دیتے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں دیگر انبیاء کا بھی یہی حال دکھلایا ہے کہ وہ صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو ماننے والے تھے اور انسانوں میں حریت و مساوات کے قائل تھے اسلئے اس سورت کا نام الانبیاء رکھنا بالکل صحیح ہے۔

سورت طٰہٰ میں فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام سے جواب طلبی کی اور اُن کو سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ اعتقاد نہیں ہو سکتا تھا کہ نبی کی غلطیاں بہر صورت خدا ہی نکال دیا کرتا ہے۔ اُنھوں نے اپنے بھائی ہارونؑ کو غلطی کی بنا پر ہی سر سے پکڑا۔ اس سورت میں بھی صاف طور پر فرما دیا ہے کہ خدا تعالےٰ پر اعتراض کے طور پر اور جواب طلبی کرنے کے لئے سوال نہیں کیا جا سکتا۔ باقی سب سے سوال کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ ۔

سورت مریم میں فرمایا ہے کہ ہر شخص خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو اُسے جنت میں دوزخ کا معائنہ کرا کے ہی لے جایا جاتا ہے۔ تاکہ اُنھیں اپنی حقیقت معلوم ہو جائے اور اُن کا عجز اُن پر کھل جائے اور ثابت ہو کہ نجات دینے والا صرف ایک یعنی خدا ہے۔ اس سورت میں بھی جو لوگ مسیح اور دیگر بزرگوں کو پوجتے تھے۔ فرمایا ہے کہ اگر یہ الٰہ ہوتے تو جہنم میں اس طرح معائنہ کرانے کے لئے نہ لائے جاتے۔ پھر مومنوں کو نجات دیکر خدا تعالےٰ جنت میں لے جاتا ہے اور جہنم سے دُور کر دیتا ہے جیسا کہ مُبْعَدُوْنَ کے لفظ سے ثابت ہے۔ مُبْعَدُوْنَ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ جہنم سے دُور ہی رہتے ہیں بلکہ اس کے معنی ہیں کہ وہ جہنم سے دُور کئے جاتے ہیں۔ وہ جہنم کے عذاب میں نہیں پھنستے۔ وہ اپنی پسندیدہ خوشیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ جہنم سے دُور ہو کر اور خوشیوں میں واصل ہو کر جہنم کی سائیں سائیں وہ کیسے سُن سکتے ہیں۔ یہ دونوں آیتیں ایک دوسرے کی تفسیر ہیں۔ وہ کون شخص ہے جو قرآن مِنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا سے انبیاء کو الگ کر سکتا ہے۔

سورت طٰہٰ کے اخیر میں آخرت کی رُسوائی کا ذکر ہے۔ اس سورت کی پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ لوگوں کے لئے اُن کے حساب کا وقت قریب ہے لیکن وہ غفلتوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ جزا و سزا کا قریب ہونا بہت سی آیتوں میں بیان کیا گیا ہے پہلی سورتوں میں کفار کے جبر سے بچنے کے لئے نیکوں کی ہجرتوں کا بیان ہے۔ اس سورت میں بھی فرمایا ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ اور لوطؑ کو نجات دیکر بیت المقدس کی طرف پہنچایا ۱۷/۷۱۔ سو قت بیت المقدس کو ہی ارض مقدس سمجھا جاتا تھا۔ اور ایسی زمین قرار دیا جاتا تھا جس میں جہان والوں کے لئے برکت رکھی تھی۔

پھر سورت طٰہٰ میں فرمایا ہے کہ ذکر الٰہی سے اعراض کرنے والوں کی روزی تنگ ہوتی ہے۔ اس سورت میں ثابت کیا ہے کہ صلاحیت والے بندے زمین کے ضرور وارث ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اسلام نے اپنا عالیشان غلبہ دکھلا کر ثابت کر دیا جب سے مسلمان قرآنی صلاحیت سے الگ ہو گئے ہیں اُسوقت سے اُن کا تنزل ہوتا آیا ہے۔ اس سورت میں اسی قسم کے بیانات لائے گئے ہیں۔

ترجمہ و تشریح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمان و رحیم ہے

(۱) اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝

(سابقہ سورت کے اخیر میں آخرت کی رسوائی کا ذکر ہے۔ اس سورت کے شروع میں ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ آخرت کا حساب دُور نہیں ہے قریب ہے۔ اکثر لوگ خیال کرتے ہیں کہ جہنم اور جنت کا عالم بھی اسی کثیف مادی عالم کی مانند ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب نوع انسان کا خاتمہ ہو جائیگا اُسوقت جزا و سزا شروع ہوگی۔ وہاں بھی اسی قسم کی کثیف مادی خوراکیں ہی ملینگی۔ لیکن قرآن مجید معقول طور پر اس خیال کی تردید کرتا ہے اور بتلاتا ہے کہ انسان کسی وقت نکما نہیں پڑا رہتا ۲۹/۸۔ خدا تعالےٰ نے انسان کو عبث اور بے فائدہ اور کھیل کے طور پر نہیں بنایا۔ آخرت کی زندگی کو خدا نے خلق جدید فرمایا ہے۔ اُس کے قواعد الگ ہیں۔ وہ موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی

ہے اور عذاب و ثواب جو زندگی کے بغیر نہیں ہو سکتا ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) لوگوں کے لئے اُن کا حساب قریب ہے (ہر آدمی کے ساتھ اُس کے عمل چمٹے ہوئے ہیں ۱۵/۲) اور وہ غفلت میں (اصل حق سے) مُنہ پھیرنے والے ہیں

(۲) مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝ (قدامت پسند لوگ قدیم باتوں کو جو ابتدائی معلومات کی طرح تھیں اور اُن میں آئندہ بہت سی ترقی ہونیوالی تھی۔ اصل حق سمجھتے ہیں اور نئے معلومات کی قدر نہیں کرتے۔ قرآن مجید میں تمام الٰہی کتابوں کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ اور زائد معلومات لاکر بھی اُسے تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ بنا دیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اس میں میں نے تم کو وہ باتیں سکھائی ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔ لازم تھا کہ لوگ قرآن کی صاف اور معقول تشریح کی قدر کرتے اور اس سے اتحاد اور اتفاق کا فائدہ اُٹھاتے۔ برعکس اس کے لوگوں نے ایسی تعلیم کو جادو یعنی دھوکا قرار دیا اور کھیلوں اور فضول باتوں میں پڑ گئے۔ جیسا کہ فرمایا ہے) اُن کے پاس اُن کے رب کی طرف سے کوئی نیا ذکر نہیں آتا (جو اُنھیں زیادہ سمجھ دینے کا موجب ہو سکتا ہے) مگر وہ اُس کو سُن لیتے ہیں۔ حالانکہ وہ کھیل میں پڑے ہوتے ہیں۔

(۳) لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ۗ وَأَسَرُّوا النَّجْوَىٰ الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۖ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ۝

(بچوں کی طرح کھیلوں میں نہیں پڑے ہوتے اُن کی کھیلیں) اس حال میں (ہوتی ہیں) کہ اُن کے دل (ذکر الٰہی سے) غافل ہوتے ہیں۔ اور ان لوگوں نے خفیہ کمیٹی کی (تاکہ ہمارے رسول کو ہر طرح سے تنگ کیا جائے اور یہ ظالموں کا کام ہے۔ اسلئے اسروا کی واوِ جمع کا بدل الَّذِينَ ظَلَمُوا کو بنایا ہے) یہ وہ لوگ ہیں جو ظالم ہیں (یہ ظاہر طور پر کہتے ہیں) بالتحقیق یہ تمہارے جیسا بشر ہے (خدا نے اس پر کچھ نہیں اُتارا۔ یہ اپنی باتوں کو خدائی باتیں بتلاتا ہے)

پھر کیا تم اس سحر (یعنی دھوکے) کی طرف آتے ہو۔ حالانکہ تم صراحتاً دیکھ رہے ہو کہ اس کی باتیں دھوکے کی ہیں۔ یہ بزرگوں کی ہتک کر رہا ہے۔ اور انھیں خدا کے مقابلے میں ادنےٰ اور ماتحت قرار دے رہا ہے)

(۴) قَالَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

(اللہ تعالےٰ علیم کُل ہے۔ اُس کی وحی کبھی غلط نہیں ہوسکتی۔ انسان غلط کار اور بھولنے والا ہے۔ اسلئے ضرور ہے کہ انسانی باتوں کو تحقیقات کے بعد لیا جائے جیسا کہ ارشاد ہے) اُس (رسول) نے کہا (میں علیم کُل نہیں ہوں۔ میری بات بلا سند ماننے کے قابل نہیں ہوسکتی۔ لیکن خدا تو علیم کل ہے۔ اُس کے وحی کو ماننا بہر صورت لازم ہے) میرا رب ہر بات کو جو آسمان اور زمین میں ہوتی ہے جانتا ہے اور وہی اصل سننے والا اصل علم والا ہے۔

(۵) بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ (ان لوگوں نے وحی اور غیر وحی کے اس فرق کا امتیاز نہیں کیا) بلکہ (وحی الٰہی کے متعلق بھی) کہا کہ یہ پریشان خوابیں ہیں (جن میں کوئی ترتیب و معقولیت نہیں ہے۔ لیکن جب دیکھا کہ اس میں ربط و نظم اور معقولیت ہے تو کہنے لگے کہ ایسا نہیں) بلکہ اس نے خود ہی اسے (اپنے دل سے) باندھ لیا ہے (اور اسے خدا کا پیغام بتاتا ہے۔ کیونکہ انھیں اس بات کی بھی خبر تھی کہ یہ امین ہے اور اس کی سچائی کو جانتے تھے۔ اسلئے انھوں نے ایک اور رائے قائم کی کہ یہ جھوٹا معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں اس میں تخیلات کا غلبہ ہے۔ اس لئے کہا) نہیں نہیں بلکہ یہ شاعر ہے (اگر اس کی باتیں محض خیالی ہی نہیں ہیں) سو چاہیئے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا نشان لائے جیسا کہ پہلے رسول بھیجے گئے تھے (پہلے رسول بھی آدمی ہی ہوتے تھے۔ کھانے پینے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ اس قسم کے کوئی خوارق نہیں دکھاتے تھے جن کے سبب سے لوگوں کو ایمان کا لانا ضروری ہوجائے۔ وہ قدرتی نشان پیش کرتے اور دلائل دکھاتے تھے

اور کہتے تھے کہ اگر ہماری لائی ہوئی وحی حق ہے تو ضرور ہے کہ ہم کامیاب ہونگے اور مخالف ذلیل وخوار ہونگے۔ پس معقول تعلیم کے ساتھ آخری کامیابی ہی اس تعلیم کی صداقت کی دلیل ہوتی تھی)

(۶) مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝

(وہ کوئی ایسے خوارق نہیں دکھاتے تھے جن کے ذریعے سے لوگ ضرور ہی ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں جیسا کہ فرمایا) ہمنے اُن سے پہلے جس بستی کو ہلاک کردیا تھا وہ (ضرور ہے کہ) ایمان نہیں لائی۔ پھر کیا یہ (ایسی تمناؤں کے ساتھ) ایمان لائیں گے۔

(۷) وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اور ہمنے تجھے پہلے کسی کو رسول نہیں بنایا مگر آدمیوں کو ہی۔ سو اگر تمہیں علم نہیں ہے تو یاد والوں (یعنی دوسری کتابوں والوں) سے پوچھ (کر تحقیق کر) لو۔

(۸) وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝

اور ہمنے اُن کو ایسے جسم نہیں بنایا تھا جو کھانا نہ کھاتے ہوں (اور بھوکے۔ موتے اور بیمار نہ ہوتے ہوں اور موت سے محفوظ رہتے ہوں) اور وہ ہمیشہ رہنے والے نہیں تھے۔ (ان نبیوں میں سے کوئی بھی اسوقت موجود نہیں۔ اگر کوئی ان گزشتہ نبیوں سے موجود ہے تو اُسے لاکر دکھاؤ۔ یہی حال اس رسول کا بھی ہے۔ یہ بھی مرنے والا ہے۔ اگر یہ مرجائیگا تو کیا تم ہمیشہ رہوگے ؟۔ کسی شخص کو اس دنیا میں ایسی زندگی نہیں ملتی جسے خارق عادت کہا جائے)

(۹) ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝ پھر ہمنے اُن کے ساتھ اُن کے (کامیابی کے) وعدے

کو سچا کر دکھایا۔ سو ہمنے اُن کو اور جن کو ہم (اپنی حکمت کے مطابق) چاہے تھے نجات دی اور حد سے نکلنے والوں کو ہلاک کر دیا (جو لوگ فطری اصلاح پر ہوں ۱۲ یا بے خبری کے سبب غفلت میں ہوں ۱۲ تو حکمت الٰہیہ اُنھیں اصلاح کا موقعہ دیا کرتی ہے۔ مَنْ نَّشَآءُ سے یہی لوگ مراد ہیں)

(۱۰) لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

(تم غفلتوں میں پڑے ہوئے ہو۔ ہم نے تمہاری یاد دہانی کے لئے یہ قرآن نازل کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) بالتحقیق ہمنے تمہاری طرف ایسی کتاب اُتاری ہے جسمیں تمہاری یاد دہانی ہے (اور تمہارے سمجھانے کے لئے وعظ ہے) پھر کیا تم عقل نہیں کرتے۔

رکوع دوم

(۱۱) وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ (حق کی مخالفت کرکے قومیں ہمیشہ تباہ ہوتی رہی ہیں جیسا کہ فرمایا) ہمنے کسقدر بستیوں کو جو ظالم تھیں (زلزلوں اور جنگوں وغیرہ سے) توڑ پھوڑ ڈالا۔ اور اس کے بعد اور قومیں پیدا کیں (تاکہ وہ پہلے نمونوں سے سبق حاصل کریں)

(۱۲) فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝ سو جب ان لوگوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو وہ لگے اس سے بھاگنے۔

(۱۳) لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ (ہمنے اُنھیں کہا) مت بھاگو اور ان نعمتوں کی طرف جن میں تم مزے کرتے تھے اور اپنے مکانوں کی طرف واپس جاؤ تاکہ تم سوال کئے جاؤ (لوگ آکر تم سے رائیں پوچھیں اور تمہیں چوہدری بنائیں)

(۱۴) قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ (انھوں نے) کہا ہائے ہماری خرابی۔ بلاشبہ ہم ظالم تھے۔

(۱۵) فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝ پھر اُن کی یہ پکار دُور نہیں ہوئی جب تک کہ ہمنے اُنھیں کٹے ہوئے اور بجھے ہوئے نہیں کر دیا۔

(۱۶) وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ (ہم سب کام حکمت کے مطابق کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) اور ہمنے آسمان اور زمین کو اور اُن کو جو اُن کے درمیان (وسائط) ہیں کھیلتے ہوئے (اور فضول طور پر) نہیں پیدا کیا (جو چیز حقیقی طور پر قدیم ہوگی وہ کسی چیز کے زیر اثر نہیں ہوگی۔ اُس پر کوئی تحدّد بھی نہیں ہوگا جو اسے ایک حد بست میں قائم رکھے اور اُسے اِدھر اُدھر نکلنے نہ دے۔ اُس میں تمام وجودیعنی کمال کا ذاتی طور پر ہونا لازم اور اسکا تمام نقائص وعیوب سے پاک ہونا ضروری ہے۔ خدا نے مخلوقات کو اپنے کسی فائدے کے لئے نہیں بنایا بلکہ یہ ارادہ کیا کہ مخلوقات کو اعلیٰ ترقیات پر پہنچایا جائے اور اُنھیں نیکی اور علم اور خوشی میں بڑھایا جائے۔ یہ ترقیات مخلوقات کو خدا تعالےٰ کے حکیمانہ دخل سے ہی ملتی رہیں گی۔ خدا اپنی ذات میں کامل ہے۔ اُس نے مخلوقات کو اپنے فائدے کے لئے نہیں بنایا۔ اس کا کوئی کھلونا اور معشوق نہیں۔ اگر اُسے بہلاوٹ کی ضرورت ہوتی تو وہ اس بہلاوٹ کو خارج سے نہ لیتا۔ اپنی ذات سے ہی اُسے حاصل کر لیتا۔ خارجی عالم کو پیدا کر کے اُسے دُکھوں اور سُکھوں میں پھنسانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ یہ سلسلہ حکیمانہ ہے اور مخلوقات کی ترقی کے لئے بنایا گیا ہے)

(۱۷) لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ اگر ہم یہ ارادہ کرتے کہ (اپنی) بہلاوٹ کو حاصل کریں تو اُس کو اپنی ذات سے ہی حاصل کر لیتے (مخلوقات کے محتاج ہونے کی ضرورت نہ ہوتی

اور فضول بہلاوٹیں ہماری حکمت کے برخلاف ہیں اسلئے ہم ان سے بھی پاک ہیں)
ہم ایسا کرنیوالے (کبھی) نہیں ہوئے۔

(۱۸) بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ۝ (پس اس عالم سے کھیلیں اور بہلاوٹیں مقصود نہیں ہیں بلکہ حق کو ثابت کرنا اور باطل کو مٹانا مقصود ہے جیسا کہ فرمایا) نہیں نہیں بلکہ ہم حق کو باطل پر دے مارتے ہیں۔ سو وہ اسکا بھیجا نکال دیتا ہے پھر جب تو وہ باطل مٹ جانیوالا بن جاتا ہے اور تمہارے لئے اس سے خرابی پیدا ہوتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔ (کہ خدا نے اس جہان کو اپنے کھیلنے اور بہلاوٹ کے لئے پیدا کیا ہے۔

دھریہ بھی عقل کے ماتحت ہی کلام کرنا پسند کرتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس عالم پر عقل کے تصرف کا قائل ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مادہ اسی صورت میں قدیم مانا جائیگا جبکہ عقل اُس کی قدامت دکھائے۔ اور اگر عقل کہے کہ مادہ حادث ہے تو اس صورت میں اسے عقل کے ماتحت حادث ہی ماننا پڑیگا۔ پس عقل ہی کسی چیز کے قِدم و حدوث کو اپنی تجویز کے ماتحت ثابت کرتی ہے۔ ضرور ہے کہ ایسی متصرف و حاکم عقل ازلی و ابدی ہو۔ ہماری عقل اگر اُس حقیقی عقل کے مطابق ہو تو صحیح نتیجہ نکالتی ہے اور اگر مخالف ہو تو خود غلطی میں مبتلا ہو جاتی ہے اُس متصرف و حاکم عقل کا کچھ نہیں بگاڑتی۔ ایسی متصرف عقل و حکمت کا موصوف ضرور ہے کہ حکیم مطلق ہو۔

اس حکیم مطلق کی تجویز کے مطابق ہی ممتنع کا ظہور چلا آتا ہے۔ ممتنع ایسا عدم ہے جو وجود کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ دو اور دو ملکر کبھی تین یا پانچ نہیں ہونگے۔ حکیم مطلق ممکن کو اپنی تجویز کے مطابق خارجی وجود دیتا ہے۔ امکان میں نقص بلکہ عدم بھی پایا جاتا ہے۔ وجودِ ممکن اپنی ذات میں گرنے کی طرف مائل ہے۔ خدا تعالےٰ حکیمانہ طریقوں سے اُسے ترقی کی طرف لے جاتا ہے۔ گرنا اور غلطی میں پڑنا باطل کا کام ہے خدا تعالےٰ نے ممکنات کے گرنے اور غلطی میں پڑنے کا امکان رکھا ہے تاکہ اس مقابلے میں ہمیشہ حق کو فتح ملتی رہے۔ باطل کو اُس نے اسلئے نہیں بنایا کہ اس کو فتح دیوے

بلکہ اُسے حق کے مقابلے میں مٹ جانے والا بنایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حکمت مطلقہ اپنی تجویز کے مطابق حق کو مقابلے کے وقت ضرور فتح دیگی اور اس طرح تنزل و ترقی اور صدق و کذب اور حق و باطل کا مقابلہ ہوتا رہیگا تاکہ اللہ تعالےٰ ثابت کرے کہ میں حق اور راستی کا حامی ہوں اور باطل کو حکیمانہ طریقوں سے مٹانا چاہتا ہوں

دو نقطوں میں بہت سے خطوط کھینچے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک سب سے چھوٹے فاصلے کو دکھاتا ہے۔ اسے خط مستقیم کہتے ہیں۔ لمبے اور ٹیڑھے خطوط بھی جو اصل مقصود کی طرف پہنچاتے ہیں اگرچہ وہ تکلیف دہ ضرور ہیں مگر اصل مقصود کے لحاظ سے وہ بھی مقصد اصلی کی طرف ہی لے جانے کے موجب ہیں۔ اس ابتدائی نقطے سے اور بھی خطوط کھینچے جا سکتے ہیں جو اس نقطے سے دُور کرنے والے ہوتے ہیں اصل مقصود حق ہے اور حق کے برخلاف خودسری و ہوا پرستی ہے۔ ہدایت کے مقابلے میں ضلالت ہے۔ راستی کے برخلاف جھوٹ ہے۔ حیا کے مقابلے پر فحشاء ہے۔ شیطان باطل کی طرف بُلاتا ہے۔ حق و باطل کی جنگ ہوتی رہتی ہے۔ آخری فتح ہمیشہ حق کو ہی ملتی ہے۔ قرآن مجید نور کو نیک بتلاتا اور ظلمات کی کثرت دکھاتا ہے۔ نور کے مقابلے میں سب اندھیرے بھاگ جاتے ہیں)

(۱۹) وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ (باطل کو مٹانا حکیم مطلق کی شان کے لائق ہے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ باطل خدا کے مقابلے پر کھڑا ہوتا ہے۔ تمام چیزیں خدا کی مملوک و مخلوق اور اُسی کی حمد کرتی ہیں جیسا کہ فرمایا) اور جس (خدا) کے لئے ہی ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو اس کے پاس ہیں (یعنی ملائکہ و اعیان وغیرہ) اُس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں۔

(۲۰) يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝ (یہ تمام مخلوق) رات اور دن اُس کی پاکیزگی کا اظہار کرتے ہیں اور سُست نہیں ہوتے (اور وقفہ نہیں ڈالتے)

(۲۱) اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝ (آسمانوں میں تو کوئی معبود ہے ہی نہیں) یا کیا ان لوگوں نے زمین میں ایسے معبود بنائے ہیں جو زندگی بخشتے ہوں (زمین میں بھی کوئی معبود نہیں ہے)

(۲۲) لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ اگر آسمانوں اور زمین میں سوائے اللہ کے اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان دونوں بگڑ جاتے۔ سو اللہ جو عرش (یعنی تصرف) کا رب ہے اس سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں (مقدم مرضی صرف ایک ہی ہوا کرتی ہے۔ اگر دو تین مقدم مرضیاں ہوں تو جہان کا انتظام قائم نہ رہے جہان ایک قانون کے ماتحت چل رہا ہے)

(۲۳) لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ (متصرف حقیقی پر کوئی شخص اعتراض کے طور پر سوال نہیں کر سکتا۔ تمام مخلوقات سے ایسا سوال ہو سکتا ہے۔ ہارون علیہ السلام کو موسیٰؑ سر سے پکڑ کر کھینچ سکتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) وہ (خدا) اپنے کاموں سے سوال نہیں کیا جاتا اور وہ (یعنی مخلوق) پوچھے جاتے ہیں۔

(۲۴) اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (مذکورہ بالا دلائل کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی معبود ہے۔ کوئی نبی و فرشتہ اسکا شریک نہیں مگر یہ لوگ اسکا دھیان نہیں کرتے اسلئے فرمایا) یا کیا انھوں نے اللہ کے سوائے اور معبود بنائے ہیں۔ تو کہہ (جسطرح خدا نے اپنی توحید کے دلائل پیش کئے ہیں) تم (بھی) اپنی دلیل پیش کرو۔ یہ اُن (نیک) لوگوں کا (بھی) بیان ہے جو میرے ساتھ ہیں اور اُن لوگوں کا (بھی) بیان ہے جو مجھ سے پہلے ہوئے (فطرت انسانی اسی کا

تقاضا کرتی ہے۔ لیکن یہ فطرت کی آواز پر کان نہیں دھرتے اور علم بھی حاصل نہیں کرتے) نہیں نہیں بلکہ اُن کے اکثر حق کو نہیں جانتے اسلئے وہ روگردانی کر رہے ہیں

(۲۵) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ (رسول سب بندے تھے۔ اُنھوں نے توحید پر چلکر ہی ترقی پائی جیسا کہ ارشاد ہے) اور ہمنے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کی طرف یہ وحی کرتے رہے ہیں۔ بلاشبہ بات یہ ہے کہ میرے سوائے کوئی لائق عبادت کے نہیں۔ پس تم میری ہی عبادت کرو۔

(۲۶) وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ○

(اور ان لوگوں نے خدا کے معشوق اور بیٹے تجویز کرلئے ہیں جیسا کہ فرمایا) اور اُنھوں نے کہا کہ رحمان نے بیٹا پکڑا ہے۔ وہ پاک ہے۔ نہیں نہیں بلکہ (جن کو یہ اس کے بیٹے اور معشوق بناتے ہیں) وہ عزت والے بندے ہیں (عزت تقوے سے ملتی ہے کسی کو رعایۃً عزت نہیں دیجاتی۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۱۳/۴۹ سے اسکا ثبوت ملتا ہے)

(۲۷) لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ○ وہ (اپنی طرف سے خدا تعالیٰ پر کسی بات میں پیشدستی نہیں کرتے (اور اپنے حکم کو خدا کے حکم کی مانند نہیں بناتے) اور وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

(۲۸) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ○ (خدا ان کی حقیقت کو جانتا ہے جیسا کہ فرمایا) وہ خدا جانتا ہے جو اُن کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے (وہ اپنے متعلق بھی غیب دان نہیں ہوسکتے) اور وہ شفاعت نہیں کرتے مگر جس کے لئے (خدا خود ہی) راضی ہو۔

(اور ظاہر ہے کہ خدا کی رضا کے بعد کسی کی شفاعت کی ضرورت ہی نہیں پڑ سکتی۔ وہ کس طرح شفیع بن سکتے ہیں جبکہ وہ اپنے معاملے میں بھی ڈر رہے ہیں) اور وہ اس کے خوف سے لرزتے ہیں +

(۲۹) وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ○ اور جو کوئی اُن میں سے یہ کہے کہ میں خدا کے سوائے ایک اور معبود ہوں (اور خدا میری معیت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا) پس ایسا شخص جو ہے ہم اسے جہنم کی سزا دینگے۔ ہم تمام ظالموں کو اسی طرح سے سزا دیا کرتے ہیں (اسمیں کسی کی خصوصیت نہیں ہے)

رکوع سوم (۳۰) اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (خود خدا ہی جہان کی ابتدائی پیدائش کرتا ہے اور اس کا انتظام بھی خود ہی چلاتا ہے۔ ان کاموں کے کرنے کے وقت کوئی اُس کے آگے شفیع بنکر نہیں آتا۔ پھر کیا فیصلے کے وقت میں ہی کسی کے شفیع بنکر آنے کی ضرورت ہے؟ ہرگز نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے) کیا ان ناقدر دانوں نے (دلی بصیرت سے) اس بات کو نہیں دیکھا (اور نہیں سمجھا) کہ آسمان اور زمین (نیبولا کی حالت میں) ملے جُلے (اور بند) تھے۔ پھر ہمنے اُنھیں کھول دیا (اور زمین کو مرکز میں جگہ دی اور آسمانوں کو اُن کے مطابق ترتیب دی) اور (بارش کرکے) ہر ایک زندہ ہونیوالی چیز کو پانی سے زندہ کیا۔ پھر کیا ان کو اس بات پر ایمان نہیں (قحط کے وقت میں بھی آسمان اور زمین بند ہوتے ہیں۔ آسمان سے بارش نہیں ہوتی اور زمین سے سبزیاں نہیں اُگتیں۔ پھر خدا تعالےٰ اُنھیں کھول دیتا ہے۔ آسمان سے بارش ہونے لگتی ہے اور زمین میں زندہ ہونیوالی چیزیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ ان انتظاموں کے کرنے میں خدا تعالےٰ نہ کسی سے صلاح لیتا ہے اور نہ کسی سے مدد چاہتا ہے۔ پھر جزا و سزا کے معاملہ میں جو خاص اسی کے سپرد ہے۔ خدا کو

کسی پر انحصار رکھنے کی کیا ضرورت پڑ سکتی ہے۔ یوم الدین یعنی جزا کے دن میں کوئی نفس کسی نفس کے کام نہیں آسکتا اور معاملہ اُس دن اللہ تعالےٰ کے لئے ہی ہوتا ہے ۔ ۳)

(۳۱) وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ○ (جسطرح بچے کے لئے اُس کی پیدائش سے پہلے دودھ بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کے لئے اُس کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالےٰ زمین میں بہت سے سامان بناتا ہے اور کسی سے صلاح مشورہ نہیں لیتا جیسا کہ فرمایا) اور ہمنے زمین میں پہاڑ ڈال دئے (تاکہ وہ زمین کے اندرونی مواد کو قابو میں رکھیں) ایسا نہ ہو کہ وہ (زمین) اُنھیں ہر وقت ہلاتی رہے (اور ہر وقت زلزلہ ہی آتا رہے) اور ہمنے اِس میں کشادگیاں بنائیں (اور درے بنائے) جو اُنھیں چلنے کے لئے راستے کا کام دیتے ہیں۔

(۳۲) وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ○ اور ہمنے آسمان کو ایک ایسی چھت بنایا جو (کسی کے حملے سے) محفوظ ہے اور وہ اُس (آسمان) کی نشانیوں سے مُنہ موڑنے والے ہیں (اور اُن سے کوئی عبرت حاصل نہیں کرتے)

(۳۳) وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ○ (آگے بھی خدا تعالےٰ کے انعامات کا ہی ذکر ہے جو اُس نے اپنے ارادے اور حکمت سے لوگوں کے لئے خود ہی تیار کئے ہیں۔ اُن کے بناتے وقت خدا نے کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ چنانچہ فرمایا) اور وہی (خدا) تو ہے جسنے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ یہ تمام (چیزیں) ایک گھیرے (یعنی چکر) میں تیر رہی ہیں۔

(تیرنے کے لفظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پتھر کا ہے۔ سونے۔ چاندی اور لوہے تانبے وغیرہ کا نہیں)

(۳۴) وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۚ أَفَإِيْنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝ (ان لوگوں نے بشروں کو خدا کی صف میں بٹھایا ہوا ہے۔ حالانکہ بشر مرنے والے ہیں۔ اور وہ خود بھی خدا کے انتظام سے کبھی باہر نہیں ہو سکتے چنانچہ فرمایا) اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کے لئے دیرپائی نہیں بنائی۔ پھر کیا اگر تو مرجائیگا تو یہ ہمیشہ رہنے والے ہونگے (جب رسول کریم فوت ہوگئے۔ تو دوسرے ویسے ہی انسانوں یعنی مسیح و خضر و الیاس و ادریس کو آج تک زندہ ٹھہرانا بھی حیرت انگیز ہے)

(۳۵) كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ ہر متنفس موت کا چکھنے والا ہے۔ اور (اس دنیا میں تمہارے لانے کا مقصد یہ ہے کہ) ہم تم کو خیر اور شر (اور دکھ اور سکھ) میں ایسی آزمائش میں ڈالیں (جو تمہارے نکھارنے کا موجب ہو) اور تم ہماری طرف ہی موڑے جاتے ہو (اور جواب دہی کے لئے ہماری طرف ہی رجوع کرتے ہو اور کسی کو شفیع بنا کر ساتھ نہیں لاتے)

(۳۶) وَإِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ إِلَّا هُزُوًا ۭ أَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اور جب کافر لوگ (تجھ سے ہماری اس تعلیم کو سنتے ہیں اور) تجھے دیکھتے ہیں تو وہ تجھے مخول میں اڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کیا یہ وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے (اور انھیں خدائی کے تخت سے اتارتا ہے) اور (خود ان کافروں کا یہ حال ہے کہ) وہ اپنے سچے رب کے ذکر کے کافر ہیں (اور سچے خدا کو تخت سے اتار رہے ہیں اور دوسروں کو اس کے تخت پر بٹھاتے ہیں)

(۳۷) خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۭ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ

(خدا تعالےٰ حق کو ضرور غلبہ دیگا اور کامیابی کے نشان دکھائیگا۔ یہ کام اُس کی حکمت کے مطابق اپنے وقت پر ہوگا۔ تم چاہتے ہو کہ تم جلدی سے ان نشانوں کو دیکھ لو۔ چنانچہ فرمایا) انسان جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے (انسان میں ایک ایسی رَو ہے جو چاہتی ہے کہ اپنے کاموں کے نتیجے کو جلدی سے دیکھے۔ انسان صابر ہو تو اس رَو کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اسلئے ارشاد کیا کہ) میں قریب ہی اپنے نشان دکھاؤنگا۔ سو تم جلدی مت کرو (اور وقت مقررہ سے پہلے اُن نشانات کا مطالبہ مت کرو)

(۳۸) وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝

(کفار رسول کریم سے اس بات پر یہ سوال کرتے ہیں کہ اُس وعدے کا وقت ہی بتلا دو۔ جیسا کہ فرمایا) اور یہ کہتے ہیں کہ وعدہ کب ہوگا۔ اگر تم سچے ہو (یہ اعتراض بھی حیرت انگیز ہے۔ اگر کسی وعدے کا وقت نہ بتلایا جائے تو کیا اس وجہ سے وہ وعدہ جھوٹا ہو سکتا ہے؟ اگر کوئی شخص کسی کو کہے کہ تو اس مقدمے میں کامیاب نہیں ہوگا۔ تو وہ شخص کہے کہ وہ دن بتلاؤ جس دن آخری فیصلہ ہوگا۔ تب ہم تمہیں سچا جانیں گے۔ خدا تعالےٰ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ نبی پر اپنے ہر غیب کو کھول دیا کرے۔ اور نبی خود غیب دان نہیں ہو سکتا۔ جب اُس مقدمے کا نتیجہ نکلنے والا ہے تو اُس کے وقوع کے وقت کو پوچھنا ایک فضول سوال ہے)

(۳۹) لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُّونَ عَن وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَن ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝ (ہر انسان جانتا ہے کہ وہ ضرور مریگا۔ لیکن کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کس دن مرونگا۔ اس عدم علم سے انسان کی موت نہیں رُک سکیگی۔ مشرکین قریش کے لئے کئی ایک عذابوں کے وعید سنائے گئے تھے اُن پر بہت سخت قحط پڑا۔ رسول کریم کے وقت میں ہی اُنھیں ایک زلزلے سے ڈرایا گیا تھا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ سو تو انتظار کر جبکہ آسمان ایک ظاہر دھواں لائے الی آخرہ ۲۵/۱۴ سورہ یٰسین ۲۳/۲ میں فرمایا ہے۔ یہ لوگ صرف ایک زلزلے کا انتظار کر رہے ہیں جو انھیں پکڑ لیگا اور وہ حق کے برخلاف جھگڑا کرتے ہونگے۔ سو یہ وصیت کرنے کی بھی طاقت نہیں

رکھیں گے اور نہ اپنے اہل کی طرف لوٹ سکیں گے۔ زلزلے کے وقت آگ بھی نکلا کرتی ہے اور گرم لاوے سے کئی بستیاں جل جاتی ہیں۔ یہ زلزلہ مکے کے ارد گرد کے پہاڑوں میں آیا جبکہ وہاں متکبر امیر سیر و تجارت کے لئے گئے ہوئے تھے۔ اس کا دھواں اور پتھروں کی بوچھاڑ مکے تک بھی پہنچی۔ اللہ تعالےٰ نے مومنوں کو اس کی زد سے بچالیا جیسا کہ فرمایا) کاش یہ ناقدردان لوگ اسوقت کو جانتے جبکہ یہ اپنے مونہوں سے اور اپنی پیٹھوں سے آگ نہیں ہٹا سکیں گے اور نہ انھیں (باہر سے ہی) مدد دیجائیگی

(۴۰) بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ○ نہیں نہیں بلکہ یہ (زلزلہ) انہیں اچانک پکڑ لیگا۔ سو وہ انھیں حیران کر دیگا۔ پھر وہ اس کو موڑنے کی طاقت نہیں رکھیں گے اور نہ انھیں (اس دنیا میں رہنے کے لئے) مہلت دیجائیگی۔

(۴۱) وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ○ (ایسی باتوں کو سنکر لوگ رسولوں پر ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ ہمارے رسول کریم کو بھی ٹھٹھے میں اڑایا جیسا کہ ارشاد ہے) اور بلاشبہ تجھ سے پہلے رسولوں پر ٹھٹھا کیا گیا۔ سو ان لوگوں کو جنہوں نے ان میں سے ٹھٹھا کیا۔ اس (عذاب) نے آگھیرا جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے۔

رکوع چہارم

(۴۲) قُلْ مَن يَكْلَؤُكُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَٰنِ ۗ بَلْ هُمْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِم مُّعْرِضُونَ ○ (تم رحمان کی یاد سے غافل ہو۔ وہی تم کو اصلاح کے لئے موقع دیتا ہے اسلئے فرمایا) تو کہہ رات اور دن کو کون تمہیں رحمان سے (جس سے بڑھ کر کوئی مہربان نہیں ہے) بچاتا ہے (وہ خود ہی تمہاری حفاظت کرتا ہے) نہیں نہیں بلکہ یہ لوگ اپنے پروردگار کی یاد سے روگردان ہیں۔

(۴۳) اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۝ یا کیا اُن کے لئے کوئی ایسے معبود ہیں جو اُن کو ہم سے روک رکھتے ہیں (اور ہماری پکڑ سے بچا سکتے ہیں) وہ تو اپنے آپ کی مدد کی بھی طاقت نہیں رکھتے اور نہ وہ ہماری طرف سے ہمارے ہم صحبت (یعنی بے تکلف یار) بنائے گئے ہیں (یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا مخلوق بھی خدا کی صف میں بٹھایا جا سکے۔ خدا اپنی معبودیت میں اکیلا ہی کافی)

(۴۴) بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاۗءِ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۭ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (خدا تعالےٰ عذاب کرنے میں دھیما ہے۔ جب عذاب میں دیر پڑ جاتی ہے تو لوگ غافل ہو جاتے ہیں۔ کیا اُنھوں نے زمین کی اندرونی حرارت پر قابو پا لیا ہے جیسا کہ فرمایا) نہیں نہیں بلکہ ہم نے اُن کو اور اُن کے باپ دادوں کو (دنیوی) فوائد دئے۔ یہاں تک کہ اُن کا زمانہ لمبا ہو گیا (اور وہ غافل ہو گئے) پھر کیا وہ (نظر بصیرت سے) نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اُس کے کناروں سے گھٹاتے لاتے ہیں (اور اسے تہہ و بالا کرتے رہتے ہیں) پھر کیا وہی غالب ہیں (مخلوقات کی مغلوبیت ہمیشہ ظاہر ہے)

(۴۵) قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۚ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاۗءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۝ تو اُنھیں کہدے (کہ میں تمہیں اپنی طرف سے باتیں بنا کر نہیں ڈراتا) سوائے اس کے نہیں کہ میں تمہیں وحی کے ساتھ ڈراتا ہوں اور جو بہرے ہیں وہ اس پکار کو نہیں سنتے جبکہ وہ ڈرائے جاتے ہیں (دنیا میں وحی الٰہی کی کم ہی قدر کی جاتی ہے۔ خدا کے ساتھ بشروں کی باتوں کو وحی اور حاکم و قاضی بنایا جاتا ہے)

(۴۶) وَلَىِٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَا

اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ (اُن کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ) اگر اُن کو تیرے رب کے عذاب کی ذرا سی پھونک لگ جائے البتہ کہیں گے ہائے ہماری خرابی۔ بلاشبہ ہم ظالم تھے (اور ایسا کہتے کہتے دلِ آخرت میں پہنچ جائیں گے)

(۴۷) وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝

اور ہم میزان کے دن ترازوؤں کو رکھتے (یعنی انصاف کو قائم کرتے) ہیں۔ سو کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جاتا اور اگر رائی کے دانے کے برابر کوئی بات (یعنی عمل) ہو تو ہم اسے لے آتے ہیں اور ہم کافی حساب لینے والے ہیں (کوئی شخص ایسا حساب کرنے پر قادر نہیں۔ پھر ایسا حساب کسی سے صلاح و مشورہ کیسے لے سکتا ہے۔ اسکا حساب صحیح ہے۔ اس کے حساب میں کسی اور کے دخل دینے یا کمی بیشی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں)

(۴۸) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاۗءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ اس تعلیم کو سکھانے کے لئے قرآن سے پہلے تورات امام اور رحمت تھی۔ اب قرآن مکمل آگیا ہے۔ اس الٰہی تعلیم سے فائدہ اُٹھاؤ اور درست بن جاؤ جیسا کہ فرمایا) اور بالتحقیق ہمنے موسیٰ اور ہارون کو فیصلہ اور (اس فیصلے کے لئے) روشنی (یعنی دلائل) اور (ایام اللہ کا) ذکر (یعنی تاریخی نمونے) متقیوں کے لئے دیئے (متقی ہی اُن سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں)

(۴۹) الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ

(وہ متقی کون ہیں) جو اپنے رب سے غائبانہ (یعنی تنہائی اور دل میں) ڈرتے ہیں اور وہ (بیشی کی) گھڑی سے لرزتے ہیں۔

(۵۰) وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ اور یہ

(قرآن ملیک برکت والا (یعنی کثرتِ خیر والا) ذکر ہے پھر کیا تم اسی کے منکر بنتے ہو۔

رکوع پنجم (۵۱) وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ (اب یہاں اُسی دین اسلام کو ثابت کرنے کے لئے تاریخی نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو تمام مذاہب کے لوگ اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ یہودی اور نصرانی اور مجوسی اور عرب کے مشرک یہ سب ابراہیمؑ کے ثنا گو ہیں۔ ہندو صاحبان جسے برہما کہتے ہیں جس کے ذریعے سے اُن کے پاس خدائی تعلیم پہنچی۔ وہ ابراہیم کا ہی نام معلوم ہوتا ہے۔ اسلام کے ثبوت کے لئے ابراہیمؑ کے نمونے کا پیش کرنا نہایت مناسب ہے۔ اسلام کوئی نو پید مذہب نہیں ہے۔ قرآن نبیوں کی مشترک تعلیم کو ہی پیش کرتا ہے۔ ہمارے رسول کریم خود بھی مسلم تھے۔ وہ اپنی طرف سے کوئی نیا دین نہیں لائے تھے۔ اُسی اصل اسلام کو بوضاحت تمام سکھانے کے لئے آئے تھے) اور بالتحقیق ہم نے ابراہیم کو اُس کی ہدایت پہلے سے ہی دی تھی۔ اور ہم اُس (کے حال) کو جاننے والے تھے۔

(۵۲) اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ جبکہ اُس نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہا کہ یہ مورتیں کیا ہیں۔ جن کے لئے تم اعتکاف بیٹھتے ہو (اور اپنے نفع و ضرر کے لئے اُنکی طرف دھیان لگاتے ہو اور اُن کا تصوّر باندھتے ہو)

(۵۳) قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ اُنھوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو اُن کی پوجا کرنے والے پایا ہے۔ (اُنھوں نے کوئی معقول دلیل نہیں دی صرف تقلید کو ہی پیش کیا ہے۔ تقلید ہمیشہ دنیا کی اصلاح کو روکتی آئی ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی قبر یا مورت پر اپنے دینی یا دنیوی نفع کی خاطر بیٹھنا اور اُن کا تصوّر باندھنا اُن کو معبود بنانا ہے)

(۵۴) قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (ابراہیم

نے) کہا بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادا صریح گمراہی میں چلے آئے ہو۔

(۵۵) قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ○ انھوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس حق کو لیکر آیا ہے یا کیا تو کھیلیں کرنے والوں سے ہے۔ (یعنی بے حقیقت باتیں بنا رہا ہے۔ اگر تو ان دیوتوں کی ہتک کریگا تو یہ تجھے تباہ کر دیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اگر تمہیں یہ امتحان منظور ہے تو میں اُن کے ساتھ جنگ بھی کرونگا تو یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے)

(۵۶) قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (ابراہیم نے) کہا (یہ تمہارے رب نہیں ہیں) بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے انہیں (یعنی تمام مخلوقات کو) پیدا کیا ہے۔ اور میں اس بات پر (سچی) گواہی دینے والوں سے ہوں (ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بُتخانہ ایسا تھا۔ جہاں سے ابراہیم علیہ السلام جیسے موحد کو بھی جو بُت پرستی کا سخت دشمن تھا نہیں نکالا جا سکتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کا باپ امیر آدمی تھا۔ اور حکومت میں دخل رکھتا تھا۔ اس نے ابراہیم علیہ السلام کو توحید کی خاطر ملک سے نکال دیا تھا۔ یہ بُت خانہ اُس نے اپنے گھر میں بنایا ہوا تھا۔ ابراہیمؑ کا اس بُتخانے میں پورا دخل تھا۔ اس بُتخانے کا ذمہ دار ابراہیم کا باپ تھا۔ یا وہ چند امیر تھے جو ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ وہ بُتخانہ خاص وقتوں پر کھلا کرتا تھا۔ اُسوقت دوسرے لوگوں کو بھی آنے کی اجازت تھی۔ یہ عہدہ انہی ذمہ دار لوگوں کے ساتھ ہوا تھا۔ ان لوگوں کا خیال تھا۔ کہ ابراہیم اس مقابلے میں بزدل ہو جائیگا اور اپنے باپ کی وجہ سے بھی رُک جائیگا لیکن ابراہیم علیہ السلام عہد کے پکے تھے اور خدا تعالےٰ کے سوائے کسی سے ڈرنے والے نہ تھے۔ اُنھوں نے اپنا کام کر لیا۔ اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کہ تم اُن لوگوں کو جن کو مشرک خدا کے سوائے پکارتے ہیں گالیاں مت دو۔ اگر تم ایسا کروگے تو وہ مشرک دشمنی کے ساتھ خدا کو گالیاں دینے لگ پڑیں گے۔ دلیل کے ساتھ انسان کی کمزوری کو دکھلانا

تو صحیح ہے۔ لیکن خواہ مخواہ ستانے کی کوشش کرنا بدامنی پھیلانے کا موجب ہے۔
اگر بادشاہ جبر مذہبی کا حامی ہو تو وہ صرف ایک ہی قوم پر بھلی بُری حکومت کر سکتا ہے۔ لیکن نیک بادشاہ تمام مذاہب کو اپنی پناہ میں لے لیتے ہیں اور اُن میں تعلیم پھیلاتے ہیں تاکہ لوگ خود ہی سمجھ حاصل کر کے حق کی طرف مائل ہوں۔ وہ بُتخانوں اور آتشکدوں کی بھی اُسی طرح حفاظت کرتے ہیں جس طرح مسجدوں اور دیگر عبادتخانوں کی۔ وہ کسی مذہب والے کو اجازت نہیں دینگے کہ وہ آکر بتوں کو توڑ جائے۔ ہاں اگر کوئی قوم اس امتحان کو خود ہی پیش کرے کہ آؤ تو ہمارے بتوں پر حملہ کر کے دکھلاؤ تو ایسا امتحان جانبین کے ذمہ دار لوگوں کی منظوری سے ہو سکتا ہے)

(۵۷) وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝

(نیک لوگ پھر بھی بہت سی احتیاط کو کام میں لاتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے یہ نہیں چاہا کہ اُن کے بُتوں کو اُن کے سامنے توڑا جائے۔ بلکہ اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ تمہارے جانے کے بعد میں ان بتوں کے ساتھ داؤ کرونگا۔ پھر تم دیکھ لینا کہ یہ میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ رب العالمین کے ساتھ داؤ اور جنگ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ فرمایا) اور خدا کی قسم ضرور میں تمہارے بُتوں کے ساتھ داؤ کرونگا۔ جبکہ تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔

(۵۸) فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝

سو (اُن کے جانے کے بعد) اُس نے اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ مگر اُنکے بڑے (بُت) کو چھوڑ دیا تاکہ وہ اُس کی طرف رجوع کریں (اور لوٹ کر آئیں)
وہ لوگ رب العالمین کو مانتے تھے لیکن اُس کے کارخانے میں غیروں کو مختار کار قرار دیتے تھے۔ بڑا بُت اُنھوں نے رب العالمین کا نقشہ بنایا ہوا تھا۔ رب العالمین کے کارخانے میں کوئی اُسکا شریک نہیں۔ وہ اکیلا ہی کافی ہے۔ رب العالمین چاہتا ہے کہ اُسکا کوئی شریک نہ بنے۔ اسلئے رب العالمین ایسے مختار کاروں کے توڑنے کا خود ہی باعث بنتا ہے۔

سورت شعراء میں حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں کہ کیا تمنے دیکھا جن کو تم اور تمہارے پہلے باپ دادا پوجتے آئے ہیں۔ سو وہ رب العالمین کے سوائے سب میرے دشمن ہیں۔ رب العالمین جو ہے وہی ہمارا انتظام چلاتا ہے۔ اُس کے کارخانے میں کوئی مختار کار نہیں۔ اُس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ پھر وہی مجھے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہی مجھے کھانا دیتا ہے اور پلاتا ہے۔ اور جب میں کھانے پینے کی بے اعتدالی سے مریض ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ اور وہی مجھے ماریگا اور زندہ کریگا۔ اور مجھے اُمید ہے کہ وہی جزا کے دن میرے گناہوں کو بخشیگا یعنی مجھے کسی اور کی شفاعت کی ضرورت نہ پڑیگی۔ الخ ۱۹/۹۔ ضرور ہے کہ ایسے رب العالمین کا منشا ہو کہ لوگ خود ہی ایسے شریکوں کو مٹا دیں، اور اس کے کارخانے میں کوئی اسکا شریک نہ ہو۔ جب قوم کے ذمہ دار لوگوں نے اس مقابلے کو منظور کر لیا۔ تو یہ کام خدا کے حکم کے مطابق ہی کیا گیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان ذمہ داروں کے آگے خدا کی

(۵۹) قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (جب مشرک دوسرے موقعہ پر اُس مندر میں واپس آئے تو) کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کس نے کیا ہے۔ بلاشبہ وہ بالضرور ظالموں سے ہے (اُنکو اُس معاہدے کا علم نہ تھا جو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا)

(۶۰) قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝ اُن لوگوں نے (جنہوں نے اس مقابلے کی منظوری دی تھی) کہا ہمنے ایک نوجوان کو سُنا ہے کہ وہ اِن (کی کمزوری) کا ذکر کرتا تھا۔ اُس کا نام ابراہیم ہے۔

(۶۱) قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝ اُنھوں نے کہا۔ اُسے لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ (اُس کی حالت کو) دیکھیں (کہ اُس کا کیا حال ہوا ہے)۔

(۶۲) قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ (جب ابراہیم اُن کے سامنے آئے

فتم کھا کر کہا کہ میں تمہارے بتوں کے ساتھ دغا کرونگا۔ سو اگر انھوں نے ایسا عہد نہ کیا ہوتا تو وہ ضرور اس بتخانے کی حفاظت کرتے اور حضرت ابراہیم کے اس نکتہ پر پہنچنے میں رکاوٹ ڈالتے

تو) اُنھوں نے کہا اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کیا ہے

(۶۳) قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝

(ابراہیم نے) کہا (میں نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں کیا) بلکہ ان کے اس بڑے نے (جس کو تم رب العالمین کا نقشہ ٹھہراتے ہو) یہ کام کیا ہے (اگر یہ کچھ اختیار رکھتے ہیں تو) اِن سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں (اور وحی پاکر بتلا سکتے ہیں)

(۶۴) فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ سو وہ اپنے نفسوں (یعنی دلوں) کی طرف مُڑے (یعنی سوچنے لگے) پھر (اپنے آپ کو) کہنے لگے کہ بلاشبہ تم ہی ظالم ہو (وہ مقابلے میں ابتداءً اپنی شکست کو مان گئے)

(۶۵) ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝

پھر وہ اپنے سروں پر اوندھے گرے (یعنی پھر جہالت پر اُتر آئے اور کٹھ حجتیاں کرنے لگے۔ بولے) بلاشبہ تجھے اس بات کا علم ہے کہ یہ بولتے نہیں (یہ تو ہمارے بزرگوں کی مورتیں ہیں۔ ہم ان کی پوجا کرکے اپنے بزرگوں کو راضی کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ بزرگ ہمارے کام آئیں)

(۶۶) قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ (ابراہیم نے) کہا پھر کیا تم خدا کے سوائے ان (بزرگوں) کو پوجتے ہو جو نہ تم کو کچھ نفع دے سکتے ہیں اور نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں (جو خود اپنی مورتو کو میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکے)

(۶۷) اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

تمہارے لئے اور اُن کے لئے جن کو تم خدا کے سوائے پوجتے ہو تف ہے۔ پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے (جو شخص عقل سے کام لیگا اسپر توحید

آپ سورج کی طرح ظاہر ہو جائیگی۔ عقل و حکمت بلاشبہ خیر کثیر ہے)

(۶۸) قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ۝ (جب وہ مقابلے میں ہار گئے تو لڑائی پر اتر آئے۔ چو حجت نماند جفا جوئے را۔ بہ پرخاش در ہم کشد روئے را) کہنے لگے (کہ ہمارے بزرگوں نے تو اسکا کچھ نہیں بگاڑا) تم (خود ہی) اس کو جلا دو اور اپنے (ان کمزور) معبودوں کی خود ہی مدد کرو اگر تم (کچھ) کرنیوالے ہو (ابراہیم علیہ السلام کی بحث ہستی باری تعالےٰ پر ملک کے بادشاہ کے ساتھ ہوئی تھی وہ ظالم لاجواب ہو گیا تھا۔ اگرچہ لوگ ابراہیم علیہ السلام سے ناراض ہو گئے تھے لیکن ملکی قانون کے سبب کھلم کھلا شرارت نہیں کر سکتے تھے۔ اسلئے انھوں نے ایک داؤ کیا اور کہا کہ اس کے جلانے کے لئے شہر سے باہر ایک عمارت بناؤ اور وہاں آتش پرستی کے لئے ایک بھٹی تیار کرو۔ اور ابراہیمؑ کو وعظ کے بہانے سے بلاؤ۔ وہاں اسے آگ میں ڈالدو اور راکھ بنا دو۔ اس سے ہمارے برخلاف کوئی ثبوت پیدا نہیں ہوگا۔ انھوں نے شہر سے باہر ایک عمارت بنائی اور بھٹی کو خوب تپایا اور ابراہیم علیہ السلام کو وعظ کے بہانے سے بلا بھیجا۔ جب خدا تعالےٰ پر سچا بھروسہ ہو تو کوئی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ان کا ارادہ تھا کہ ابراہیمؑ کو آگ میں تڑپائیں گے اور ان کے جسم کو ریزہ ریزہ کر دینگے۔ حکمت الٰہیہ سے اس بھٹی کی آگ اس مکان کو لگ گئی اور وہ خود ہی نرغے میں آگئے۔ چھتیں ان پر گر پڑیں اور وہ خود ہی نیچے دب گئے اور سخت گھاٹے والے بن گئے۔ جب ابراہیم علیہ السلام آئے تو آگ ٹھنڈی اور بیضرر ہو گئی تھی۔ آگ کے مالک نے ہی اسے حکم دیا تھا کہ تو ابراہیم کے آگے پر ٹھنڈی اور بیضرر ہو جانا تیری گرمی اور تیرا ضرر ابراہیمؑ کو نہ پہنچے جیسا کہ آگے آتا ہے)

(۶۹) قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ (لوگ چاہتے تھے کہ ابراہیم کو آگ میں جلائیں اور راکھ بنا دیں۔ لیکن خدا فرماتا ہے) ہمنے کہا اے آگ تو ابراہیم (کے آنے) پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جانا (تیرا ضرر ابراہیمؑ کو ہرگز نہ پہنچے۔ آگ کا گلزار بنا دینا ملا لوگوں کی ایجاد ہے)

(۷۰) وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ۝ (اس آگ کا ضرر دغابازوں پر ہی پہنچا جیسا کہ فرمایا)

اور اُنھوں نے اُس (ابراہیم) کے ساتھ داؤ کا ارادہ کیا سو ہمنے اُنھیں ہی سخت گھاٹے والا بنا دیا (سورت صفت میں ہے کہ مشرکوں نے کہا کہ اس کے لئے ایک عمارت بناؤ۔ پھر اُسے بھٹی میں ڈالو۔ سو اُنھوں نے ابراہیم کے لئے داؤ کیا۔ پھر ہم نے اُن کو ہی نیچے دبا دیا ۲۳/۷ ۔ ابراہیم علیہ السلام آگ میں ہرگز نہیں ڈالے گئے۔ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی تجویز کردہ آگ سے ابراہیم کو بچا لیا ۲۰/۱۵ ۔ جسطرح لوط علیہ السلام کو اس سزا سے بچا لیا تھا جو اُن کی قوم کے لئے تجویز کی گئی تھی ۲۷/۸ وغیرہ)

(۷۱) وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝

(لوگوں نے خود ہی مقابلہ چاہا تھا۔ جب شکست کھائی اور اپنے داؤ میں بھی ناکامی دیکھی تو بہت برافروختہ ہو گئے۔ ابراہیم کے باپ نے اُنھیں نکال دیا جیسا کہ ارشاد ہے) اور ہم اس کو اور لوط کو وہاں سے نجات دیکر اس زمین کی طرف لے آئے جس میں ہمنے جہان والوں کے لئے برکت رکھی تھی (جسطرح خانہ کعبہ حضرت اسمٰعیل کی تعلیم سے مبارک و مفید جگہ بن گئی تھی۔ اسی طرح یہ شام کا علاقہ بھی ابراہیم اور اسحاق کے سبب سے برکت والا بن گیا تھا۔ مکانات نیک کاموں کے سبب سے مبارک ہو جاتے ہیں۔ بدکاموں کے سبب سے اُکھاڑ پھینکے جاتے ہیں)

(۷۲) وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝

اور ہمنے اس (ابراہیم) کو (اس ہجرت کے بعد) اسحاق (بیٹا) اور یعقوب پوتا بخشا اور ہمنے ہر ایک کو صلاحیت والا بنایا۔

(۷۳) وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ

اور ہمنے اُن کو امام (یعنی حاکم بھی) بنایا۔ وہ ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے اور ہمنے اُن کی طرف خیر کا کرنا اور نماز کا بجا لانا اور زکوٰۃ کا دینا وحی کیا اور یہ سب ہمارے ہی پجاری تھے۔

(۷۴) وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝ اور لوطؑ کو ہمنے سمجھ اور علم دیا اور ہمنے اس کو اس بستی سے نجات دی جو گندے کام کرتی تھی۔ بلاشبہ وہ لوگ بُری قوم تھے جو بدکاری کرتے (اور بدامنی پھیلاتے) تھے۔

(۷۵) وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اور ہم نے اُنکو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ بلاشبہ وہ صلاحیت والوں میں سے تھے (کوئی کام محض کسی مخلوق کے کہہ دینے سے صلاحیت والا نہیں بن سکتا۔ صلاحیت کو اس کام میں دیکھنا چاہیئے۔ صلاحیت کا انحصار محض روایتوں پر نہیں ہو سکتا۔ جس کام کو خدا نے صلاحیت والا بنایا ہے وہی صلاحیت والا ہے۔ یہ قدرت سوائے خدا کے کسی میں نہیں ہے۔ رُشد اور غَی میں صراحتہً تمیز موجود ہے۔ اس تمیز کو کسی شخص کی صلاحیت کا ڈر سُنا کر نہیں منایا جا سکتا ۳۔ اللہ تعالےٰ نے ہر نفس کو الہام کر دیا ہے۔ جو اُس کے لئے تقوےٰ اور فجور ہے ۳۰/۱۶)

رکوع ششم

(۷۶) وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ (ابراہیمؑ اور لوطؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ وغیرہم سب عاجز انسان تھے۔ اللہ تعالےٰ ہی اپنے فضل سے جب چاہتا تھا اُن کی مدد کرتا تھا اور اُنھیں ترقی دیتا تھا۔ اسی بات کو ثابت کرنے کے لئے آگے بھی کئی ایک رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے) اور نوحؑ کا (ذکر کر) جب اُس نے (مذکورہ بالا انبیاء سے) پہلے (اپنے رب کو) پکارا۔ پس ہمنے اُس کی (دُعا) قبول کی سو ہمنے اُس کو اور اُس کے اہل کو بڑی بے چینی سے نجات دی۔

(۷۷) وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا

قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اور ہمنے اُس قوم سے اُس کا بدلہ لیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا بلاشبہ وہ بُرے لوگ تھے۔ سو ہم نے اُن سب کو غرق کر دیا۔

(۸) وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ اور داؤد اور سلیمان کا ذکر کر جبکہ وہ ایک کھیتی کے متعلق فیصلہ کرتے تھے۔ جب اُس (کھیت) میں رات کے وقت (چرواہوں کی) بیخبری سے ایک قوم کی بکریاں چر گئیں۔ اور ہم اُن کے فیصلے کو دیکھنے والے تھے۔

(۹) فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ سو ہم نے سلیمان کو اس (مقدمے) کا خوب فہم دیا اور ہم نے ہر ایک (داؤد۔ سلیمان اور شوریٰ کے ممبروں) کو حکمت (قوت فیصلہ) اور علم دیا (وہ بکریاں کسی ایک شخص کی ملک نہ تھیں بلکہ اُن کی مالک ایک قوم تھی۔ قوم نے اُن پر حفاظت کے لئے نوکر رکھے ہوئے تھے۔ چرواہوں کی غفلت کے سبب باڑے کا دروازہ کھلا رہ گیا۔ اور بکریاں اُن کی بیخبری میں کسی کھیت پر جا پڑیں اور اُسے خراب کر دیا۔ نیک بادشاہ رعیت کے چھوٹے چھوٹے مقدموں کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس مقدمے کے لئے مجلس شوریٰ بلائی جیسا کہ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ سے سُورج کی طرح ظاہر ہے اس مجلس شوریٰ میں داؤدؑ اور سلیمانؑ بھی شامل تھے جیسا کہ يَحْكُمٰنِ کے لفظ سے بخوبی واضح ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ قرآن کے نزدیک صحیح نہیں تھا۔ غالباً وہ اس نقصان کا بوجھ قوم پر ڈالتے ہونگے۔ قوم کا کوئی قصور نہیں تھا اور یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ کن کی بکریاں زیادہ تر کھیت میں پہنچی ہیں۔ چونکہ یہ معاملہ چرواہوں کی غفلت سے پیدا ہوا تھا اسلئے چرواہوں کو تو فہمائش کی جا سکتی تھی۔ لیکن کھیت والے کا نقصان اُسی طرح ہوا جسطرح کسی کے مکان کو آگ لگ جاتی ہے یا کوئی قدرتی

مصیبت واقع ہوجاتی ہے۔ اس میں کھیت کے رکھوالوں اور دیگر محافظین کی بھی غفلت کا تعلق ہوسکتا تھا۔ قرآن مجید ایسے نقصان رسیدوں کو غارمین کی فہرست میں جگہ دیتا ہے ۱۰/۱۴ اور اُن کے نقصان کی تلافی بیت المال یعنی سرکاری خزانے پر ڈالتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہی فیصلہ دیا کہ کھیت والے کا نقصان سرکاری خزانے سے ادا کیا جائے اور یہی فیصلہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس آیت کے بیان سے مقصود یہ نہیں ہے کہ مقدمے کا فیصلہ بتایا جائے۔ مقدموں میں ذرا ذرا سا فرق آنے سے آخری فیصلہ مختلف ہوجاتا ہے۔ اس آیت کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ رسل و انبیاء اپنے اجتہادی فیصلوں میں غلطی بھی کرسکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ نبیوں کا ہر ایک اجتہادی فیصلہ وحی سے ہی ہو۔ انتظامی اطاعت الگ چیز ہے اُس کو وحی کا درجہ دینا یقیناً غلط ہے۔ یہ قصہ رُسل و انبیاء کی حقیقت دکھلانے کے لئے لایا گیا ہے۔ نبی کی اولاد کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ خواہ مخواہ نبی بن جائے۔ نبوت ورثے سے نہیں ملا کرتی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کی زندگی میں ہی حکم و علم ملا ہوا تھا۔ نبیوں کی وراثت مال اور جائداد اور دیگر اختیارات میں ہوسکتی ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام اپنے موالی سے اس لئے نہیں ڈرتے تھے کہ کہیں وہ نبی نہ بن جائیں۔ اولاد کے گذارے کے لئے مال چھوڑ جانا صالحین کا کام ہے جیسا کہ کَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۱۶/۱۷ سے سورج کی طرح روشن ہے رُسل و انبیاء اپنے اہل و عیال اور اولاد کو قوم کے منگتے نہیں بنا جاتے۔ وہ اپنے اور اپنے خاندان کے لئے قوم سے کوئی اجر نہیں مانگتے۔ داؤدؑ کی حکومت نیکی کے اصولوں پر قائم تھی اسلئے آگے فرمایا) اور ہمنے داؤد کے ساتھ پہاڑوں (یعنی اہل جبال) کو کام میں لگا دیا جو (صبح و شام) نمازیں پڑھتے تھے اور تیز چلنے والوں (یعنی ہرکارو اور جاسوسوں) کو بھی (کام میں لگا دیا) اور ہم ہی کرنیوالے تھے (اُن کی اپنی طاقت نہ تھی کہ ایسا عروج حاصل کرسکیں۔

جسطرح قریہ کی سرکشی سے اہل قریہ کی سرکشی مراد ہوتی ہے یہی حال یہاں جبال کا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۚ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۔ فَذَاقَتْ وَبَالَ

اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۲۸/۱۸ یعنی بہت سی بستیاں تھیں جو اپنے رب کے (قدرتی) اور اُس کے پیغام لانے والوں کے (وحی والے) حکم سے نکل گئے سو ہمنے ان (بستیوں کا) سخت حساب لیا اور اُنھیں بُرا عذاب کیا۔ سو اُن بستیوں نے اپنے کام کا وبال چکھا اور ان بستیوں کے کام کا انجام گھاٹا ہوا۔ ان آیات میں بستیوں کے عذاب کا ذکر ہے حالانکہ مراد بستیوں والے ہیں اور قریہ کے لحاظ سے تمام ضمائر مؤنث ہی لائی گئی ہیں۔ آیۂ باب میں بھی جبال سے مراد اہل جبال ہیں۔ ان جبال میں عمالقہ قوم رہتی تھی جس کو بنی اسرائیل جبارین کہتے تھے۔ وہ پہاڑوں کے رہنے والے جن تھے۔ داؤد علیہ السلام نے اُن پر فتح حاصل کی اور اُنھیں قابو میں لے آئے۔ وہ دن بھر داؤد علیہ السلام کے ساتھ کام کرتے تھے۔ پچھلے پہر اور دن چڑھے داؤد علیہ السلام کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے ۲۳/۱۱۔ اللہ تعالےٰ سورت سبا میں فرماتا ہے يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۲۴/۱۰ ہم نے پہاڑوں یعنی اہل جبال کو کہا کہ تم داؤد کے ساتھ سارا دن چلو پھرو اور قوم طیر کو بھی اُن کے ساتھ کام میں لگا دیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ داؤد علیہ السلام کے ساتھ چلا پھرا کرتے تھے تاویب کے معنی ہیں ہمہ روز گشتن اور ظاہر ہے کہ یہ کام پہاڑوں کا نہیں ہے بلکہ پہاڑ والوں کا ہے۔

شام میں ایک شہر ہے جسے طیر (صدہ ح) کہتے ہیں۔ وہاں طیر قوم بستی تھی۔ منتخب وغیرہ عربی لغت والے اس بستی کا نام طیرہ بتاتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے جاسوسوں کو طائر ہی کہتے تھے (الواعظ ۱/۲) طائر عربی میں اسم فاعل ہے۔ اس کا مصدر طیر و طیران ہے۔ طیران کے معنی ہیں سُرعتِ سیر۔ پس طائر کے معنی ہیں سریع السیر۔ لغت کی کتابوں میں یہ مادہ انسانوں پر بھی لایا گیا ہے جیسا کہ کہتے ہیں طِرنی حاجتی اور طاروا الیہ اور یطیرون علیٰ مطون الخیل پس اسکا استعمال سریع السیر انسانوں پر بھی ہوتا ہے۔ طائر دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اپنے بازوؤں پر اُڑتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اپنے بازوؤں پر نہیں اُڑتے بلکہ سریع السیر ہونے کی وجہ سے طائر کہلاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں طائر کے ساتھ يُطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ کی قید لگائی ہے ۶/۳۸ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسے طائر بھی ہوتے ہیں جو بازوؤں پر نہیں اُڑتے۔ اس سے بھی طائر کے لفظ کا عام ہونا

سمجھا جاتا ہے۔

سورت نمل میں اللہ تعالےٰ حضرت سلیمانؑ کے ایک سفر کا حال بیان کرتا ہے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام وادی النمل پر پہنچے اور نمل قوم کا نام ہے۔ منتہی الارب میں نمل کے متعلق لکھا ہے کہ و از اعلام است یعنی یہ علم کے طور پر بھی آتا ہے۔ پھر اُس وادی سے آگے گئے اور سبا کے قریب پہنچکر طیر کی حاضری لی۔ اُن کا افسر ہُدہُد تھا۔ اُس کو غیر حاضر پایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ مجھے کیا ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا۔ کیا وہ غیر حاضروں سے ہے۔ میں اُسے سخت عذاب کرونگا یا اُسے بُری طرح سے ذبح کر ڈالونگا۔ ذبح کرنے کا لفظ انسانوں پر بھی لایا جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے کہ فرعون تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا[۱] اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے بیٹے کے لئے کہتے ہیں کہ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ[۲۳] ۔ آگے حضرت سلیمانؑ فرماتے ہیں کہ یا وہ ہُدہُد میرے پاس روشن دلیل لائے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہُدہُد روشن دلیل لا سکتا تھا اور سلیمانؑ کی تجویز کردہ سزا سے بچ سکتا تھا اور تمام دنیا جانتی ہے کہ ایسی دلیل لانا انسان کا ہی کام ہے۔ ہُدہُد تھوڑی دیر کے بعد آگیا اور کہنے لگا کہ میں سبا سے تیرے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ اس سے بصراحت تمام معلوم ہوتا ہے کہ ہُدہُد کا منصب یقینی خبریں لانے کا تھا۔ اس دلیل کے لانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو اپنی تجویز کردہ سزا سے رہائی دی۔ ہُدہُد اپنی جاسوسی کے کام پر ہی گیا ہوا تھا اور جن طیروں کا وہ افسر تھا وہ بھی اُس کے ماتحت جاسوسی کا کام کرتے تھے۔ ہُدہُد کہتا ہے کہ سبا پر ایک عورت حکمران ہے۔ اُس کا تخت بہت بڑا ہے۔ اُسے بادشاہی کے تمام سامان ملے ہوئے ہیں وہ اور اُس کی قوم اللہ کے سوائے سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے اُن کے لئے اُن کے عملوں کو اچھا کر دکھایا ہے۔ سو اُس نے اُن کو اصل راستے سے گمراہ کر دیا ہے۔ پس وہ اصل ہدایت پر نہیں ہیں۔ وہ اللہ کو کیوں سجدہ نہیں کرتے جو زمین و آسمان کی پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے اور وہ جانتا ہے اے لوگو جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ وہ اللہ ہے۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت کے نہیں ہے۔ وہ بڑے تخت کا مالک ہے۔ ان آیات سے سورج کی طرح واضح ہوتا ہے

کہ ہُدہُد توحید کا قائل تھا۔ سورج پرستی سے بیزار تھا۔ شیطان کو فتنہ پرداز اور گمراہی کا باعث سمجھتا تھا اور سبا کو سورج پرستی پر ملامت کرتا تھا۔ اگر ایسا ہُدہُد علماء کے نزدیک صرف ایک جانور ہی ہے تو ایسی سمجھ عالموں کی نہیں ہو سکتی۔ ہُدہُد ضرور ایک خدا پرست انسان تھا اور وہ ہدایت کے مراتب کو جانتا تھا۔ وہ بلاشبہ جاسوسی کی خدمت پر معین تھا۔ یہ کوئی خارق عادت کام نہ تھا۔ خارق عادت پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے یا سچ۔ لیکن حضرت سلیمانؑ کو ہُدہُد کے بیان پر اتنا شبہ باقی تھا کہ یہ اپنے دل سے باتیں بنا رہا ہے یا سچ مچ سبا سے ہو کر آیا ہے۔ اسلئے حضرت سلیمانؑ نے کہا ابھی ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ بولا ہے یا تو جھوٹوں سے ہے۔ یہ بھی انسان کا ہی کام ہے کہ وہ سچی یا جھوٹی خبر دے۔ سلیمان علیہ السلام نے اُس کو فرمایا کہ میرا یہ خط لے جا۔ بلقیس نے اپنے دربار کے باہر صندوق لٹکائے ہوئے تھے۔ فریادی لوگ ان میں عرضیاں ڈالتے تھے۔ عرضیوں کو دیکھکر اُنھیں بلایا جاتا تھا اور اُن کی فریاد رسی کی جاتی تھی۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ تو نے بھی اس خط کو اسی صندوق میں ڈال دینا۔ پھر اُن سے پرے ہٹ کر دیکھنا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ وہ ہُدہُد اس خط کا بھی جواب لاتا ہے۔ اب جو شخص اس ہُدہُد کو لایعقل حیوان بتائے اس کے علم کی بابت کیا کہا جائے۔ آگے بھی اسی قسم کا ذکر ہے۔ وہ ہُدہُد یقیناً انسان اور وہ طیر جن کے اوپر وہ افسر تھا یقیناً جاسوس تھے۔ جاسوسی وہ منع ہے جو دوسروں پر عیب لگانے کے لئے کی جائے۔ اپنی حفاظت کے لئے جاسوسی کرنا اور دوسروں کے ضرروں سے بچنا منع نہیں ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو علم دیا گیا تھا۔ وہ جاسوسوں کی بولیاں سمجھتے تھے جو اشاروں میں ہی اپنی بات کہہ جاتے تھے۔ اُن کے پاس جن وانس اور جاسوسوں کی فوجیں تھیں۔ اُنھوں نے مناسب جاسوس اکٹھے کئے ہوئے تھے ۲۳/۱۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اپنے باپ سے اُن فوجوں کے وارث ہوئے۔ (سورت نمل)

(۸۰) وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝ (اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام پر ایک اور انعام بھی کیا جس سے اُن کی فوجوں کی حفاظت ہوتی تھی۔ جیسا کہ ارشاد ہے) اور ہم نے

اُس کو تمہارے ایک لباس (یعنی زرہ) کی کاریگری سکھائی تھی تاکہ وہ (زرہ) تم کو تمہاری لڑائی سے بچائے۔ پھر کیا تم شکر کرنیوالے ہو؟ (پہلے وہ زرہیں لوہے کی تختیوں کو سوڑ کر بنائی جاتی تھیں اور کنڈیوں سے جوڑی جاتی تھیں بائبل میں جس زرہ کا ذکر ہے کہ جالوت پہنکر آیا تھا وہ اسی قسم کی تھی۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے داؤد علیہ السلام کو لوہے کے پگھلانے کا علم دیدیا تھا۔ داؤد علیہ السلام نے کڑیوں والی زرہ ایجاد کی۔ یہ کام کوئی خارق عادت نہ تھا۔ یہ ایک صنعت تھی۔ جس کی سمجھ داؤد علیہ السلام کو دی گئی۔ قرآن مجید میں صنعت کا لفظ فرما کر اس کی حقیقت کو کھول دیا ہے۔ وحی الٰہی میں جو عین حق ہوتی ہے کسی ارتقا کی گنجائش نہیں ہاں عقلی تحقیقات میں وقتاً فوقتاً ارتقا ہوتا رہتا ہے۔ ایسے علم اب بھی نئے نئے کھلتے جاتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک بڑا فضل ہے۔ جبار لوگ جنگ کی آگ بھڑکاتے رہتے ہیں۔ مومن حفاظت کے سامان بناتے اور خلق اللہ کو امن کے ساتھ قائم رکھتے ہیں)

(۸۱) وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝ (یہاں اللہ تعالےٰ اُن انعاموں کا ذکر کرتا ہے جو آلِ داؤد پر کئے گئے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہے) اور (ہمنے) سلیمان کے لئے ایک خاص ہوا کو (کام میں لگا دیا) اس حال میں کہ وہ تیز چلتی تھی (اس ہوا کا تیز چلنا اُسوقت ہوتا تھا جبکہ حضرت سلیمان اپنے باربرداری کے جہازوں کو شام کی طرف واپس لے جاتے تھے جیسا کہ فرمایا ہے) وہ (ہوا) اس کے کام کے مطابق اُس زمین (یعنی شام) کی طرف چلتی تھی جس میں ہمنے برکت رکھی تھی (اللہ تعالےٰ نے تمام زمین کو برکت والا بنایا ہے ۲۴/۴۱ خدا تعالےٰ کے رسول تو تمام قوموں میں آئے ہیں۔ لیکن ملک شام میں بہت سے رسولوں کی وحی کی اشاعت ہوئی ہے۔ جس زمین میں بہت سی خیر و برکت کا ظہور ہو وہ خاص طور پر مبارک بن جاتی ہے۔ اشاعتِ علم بلاشبہ برکات کا موجب ہے لیکن جب قومیں بگڑ جائیں تو اُن کی مبارک مسجدیں بھی تباہ کرا دی جاتی ہیں ۲۲/۴۰ خدا تعالےٰ نے بیت المقدس کو

یہودیوں کے بگاڑ کے سبب تباہ کرا دیا تھا۔ برکت کسی زمین میں ذاتی طور پر نہیں ہوتی اچھی پیداوار اور نیک اعمال سے برکت بڑھ جاتی ہے۔ بدامنی اور ظلم سے جاتی رہتی ہے آگے فرمایا اور ہم ہر ایک بات کو جاننے والے ہیں۔ (یہ ہوا جو سلیمان علیہ السلام کے کام میں لگائی گئی تھی تجارتی ہوا تھی۔ یہ ہوا اب بھی جہاز رانوں کے بڑے کام آتی ہے اور اسی لئے اسکا نام تجارتی ہوا ہے۔ اس ہوا کی حرکت بعض جگہ جہاں گرم و سرد ہواؤں کا صعود و نزول ہوتا ہے معلوم نہیں ہوتی۔ پھر آہستہ آہستہ چلنے لگتی ہے۔ پھر تیز ہو جاتی ہے۔ یہ ہوا قسطنطنیہ کے قریب عموماً نرم چلتی ہے۔ باربرداری کے وقت نرم ہوا فائدہ دیتی ہے اور واپسی کے وقت تیز ہوا منزل مقصود کی طرف جلدی لے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آیۂ باب میں فرماتا ہے کہ وہ ہوا شام کی طرف تیز چلتی تھی۔ اور جہاں حضرت سلیمانؑ سامان لینے کے لئے پہنچتے تھے وہاں نرم چلتی تھی۔ سورت "ص" ۲۳/۱۲ میں فرمایا ہے کہ ہم نے سلیمان کے لئے وہ ہوا کام میں لگا دی تھی جو اس جگہ نرم چلتی تھی جہاں وہ سامان لینے کے لئے پہنچا کرتا تھا۔ وہ ہوا باربرداری کے وقت نرم چلتی تھی تاکہ جہازوں کو صدمہ نہ پہنچے اور واپسی کے وقت تیز چلتی تھی تاکہ جلدی سے منزل مقصود کی طرف آجائیں۔ دونوں حالتوں میں وہ سلیمان علیہ السلام کے کام کے لئے مفید تھی اور ان کے مدعا کے مطابق چلتی تھی۔ وہ ہوا سلیمانؑ کے حکم سے نہیں چلتی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ ہرگز نہ فرمایا جاتا کہ وہ شام کی طرف تیز چلتی تھی اور جہاں وہ پہنچتے تھے وہاں نرم چلتی تھی۔ جس کے حکم سے ہوا چلے وہ جہاں چاہے اُسے نرم یا تیز کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورج۔ چاند اور دریاؤں اور نہروں کو مفت ہمارے کام میں لگا دیا ہے اور تمام چیزوں کو ہمارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ ہم لوگ اُن سے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق کام لیتے ہیں۔ وہ ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کی جہاز رانی کے لئے ضرور مفید تھی اور اُن کے مدعا کے مطابق چلتی تھی۔ بنی اسرائیل نے جباریں کے ساتھ جنگ کرنے سے پہلوتہی کی اور بزدلی دکھلائی۔ اُس کی سزا میں چالیس سال تک جنگلوں میں مارے مارے پھرتے رہے۔ آخر اُن میں جفاکش لوگ پیدا ہوئے۔ بادشاہ طالوت نے پہاڑی قوم عمالقہ پر فتح حاصل کی۔ داؤدؑ اور سلیمانؑ کے وقت میں اُنھیں قابو میں لایا گیا۔ پہاڑی لوگوں میں توہمات عام طور پر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ

جادو کے قائل تھے اور اپنی غیب بینی دکھلاتے تھے۔ غیب بینی کے مدعی اور جادوگر اور کراماتی پیر اور کاہن اور قدامت پسند ملّانے اور پنڈت اور جوتشی اور پوپ ہمیشہ خلقت کو اپنے ماتحت رکھنا چاہتے ہیں اور اپنے آپ کو پاک اور پوتر سمجھتے ہیں۔ انسانوں میں یہی لوگ ہیں جنہیں جن کہا جاتا ہے۔ حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ نے اُنھیں دبائے رکھا اور ان سے کام لئے۔ لیکن بغاوت کا مادہ ان کے اندر سُلگ رہا تھا۔ حضرت سلیمانؑ ایک انسان تھے۔ وہ اپنی کسی غلطی کے سبب فتنے اور تکلیف میں پڑ گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے تخت پر ایک جسد لایعقل کو بٹھا دیا۔ سلیمان علیہ السلام کچھ دن حکومت سے خارج رہے۔ اُسوقت اللہ تعالےٰ نے اُنھیں جہازرانی سکھلائی۔ اور ہوا کو اُن کے کام میں لگایا۔ اُنھوں نے اس تجارتی ہوا سے فائدہ اُٹھا کر اپنے مُلک کو دوبارہ فتح کیا اور باغی جنوں کو بیڑیوں میں جکڑا گیا۔ اور اُن کو غوطہ زنی اور تعمیر کے کام پر لگا دیا ۲۳/۱۲

اگر سلیمان علیہ السلام مُلّانوں کے خیالی دیوؤں پر حاکم ہوتے اور ہوا پر اختیار رکھتے تو اُن کی حکومت تمام دنیا پر ہوتی۔ اُن کی حکومت تو صرف شام پر تھی۔ اور اُنھوں نے سبا تک سفر بھی کیا۔ جب حضرت سلیمانؑ پر موت وارد ہوئی تو اُن کے بیٹے کو تخت پر بٹھایا گیا۔ اور حضرت سلیمان کے بدن کو ممی کر کے ایک شیشے کے مکان میں ایک سونٹے کے سہارے کھڑا کر دیا گیا۔ جب جن حاضری کے لئے آتے تھے تو اُنھیں کہا جاتا تھا کہ دیکھو وہ حضرت سلیمان عبادت کے لئے کھڑے ہیں اگر ضرورت ہوئی تو وہ سرکشوں کی سزا کے لئے نکلیں گے۔ گھر کے لوگ اس حقیقت سے بالضرور واقف تھے۔ زندہ شخص کا کھانا پینا اُن کے ذمہ تھا۔ اسلئے ضرور تھا کہ وہ اس حقیقت سے بیخبر نہ ہوں۔ جب حضرت سلیمان کے بیٹے کی حکومت مستحکم ہو گئی۔ تو زمین کے ایک کیڑے نے سونٹے کو کھا لیا اور اُن کی لاش زمین پر گر پڑی۔ یہ خاکی کثیف جسم مرنے والے کے ساتھ نہیں جاتا۔ جب جنوں کو اس بات کا پتہ لگا تو اُنھوں نے کہا کہ اگر ہم غیب جانتے ہوتے تو خواہ مخواہ اتنی مدت تک عذاب مہین یعنی اطاعت غیر میں نہ رہتے ۲۳/۸۔ اس واقعہ نے جنوں کی غیب بینی کی شیخی کرکری کر دی۔ اور سلیمان علیہ السلام کی اولاد نے ایک وقت تک حکومت کو قائم رکھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ نے ایرو پلین بنائے ہوئے تھے۔ لیکن ایرو پلین کے لئے یہ ضروری

غارتی ہوا قلعوں کی طرف سے آتی ہے جہاں صبح و شام اپنے بہنے کی ہوتی ہے ۲۱/۱۲

نہیں ہے کہ شام کی طرف تیز چلے اور دوسری طرف ہلکا چلے ۔)

(۸۲) وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝ (جب حضرت سلیمان نے فن جہاز رانی سے فائدہ اٹھا کر اور تجارتی ہوا سے حسب منشاء کام لیکر اپنے علاقہ کو دوبارہ فتح کیا تو جنوں کو خوب طرح سے قابو میں لائے ۔ جیسا کہ ارشاد ہے) اور شیطانوں میں سے بعض کو اُن کے قابو میں دیا) جو اُس کے لئے غوطہ زنی کرتے تھے (تاکہ وہ موتی اور سیپ نکالیں) اور اس کے سوا اور بھی کام کرتے تھے ۔ اور ہم خود ہی اُن کے محافظ تھے (اگر ہماری مدد نہ ہوتی تو ایسے سرکشوں کو سلیمان قابو میں نہیں رکھ سکتا تھا)

(۸۳) وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ (اب اُس انعام کا ذکر کیا جاتا ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام پر کیا گیا جیسا کہ ارشاد ہے) اور (ہمنے) ایوب کو (ہدایت دی) جب اُس نے اپنے رب کو پکارا کہ بلاشبہ مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے اور تو تمام رحم کرنیوالوں سے بڑھکر رحم کرنے والا ہے (حضرت ایوب علیہ السلام سے شیطان نے کوئی غلطی کرادی ۲۳/۱۳ وہ اس غلطی کے سبب سے دُکھ میں مبتلا ہو گئے اور جلدی بیماری میں پھنس گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں ایک ٹھنڈا چشمہ دکھلایا جس میں گندھک وغیرہ کے اجزا ملے ہوئے تھے ۔ حکم دیا کہ اسے پاؤں سے ہلا لیا کرتا کہ وہ دوائی اجزا پانی میں مل جائیں ۔ اکثر لوگ پینے کے وقت اسی طرح دوائی کی بوتل کو بھی ہلا لیا کرتے ہیں ۔ اس چشمے میں نہانے اور اسکا پانی پینے سے اُن کی بیماری جاتی رہی ۲۳/۱۳ ۔ اس مصیبت کے وقت میں اُن کی اولاد بھی اُن سے الگ ہو گئی تھی ۔ جب اُن کی اولاد بیماری کے بعد واپس آئی تو ایوب علیہ السلام چاہتے تھے کہ اُن کے ساتھ اتحاد کے عہد کو توڑ دیں ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مٹھے کے ساتھ اتحاد کی خوبی دکھلاؤ اور اپنی قسم کو مت توڑو مٹھے کا ایک ایک تنکا جلدی سے ٹوٹ جاتا ہے لیکن تنکوں سے جو رسہ بٹا جاتا ہے اس سے ہاتھیوں کو بھی قابو میں لایا جا سکتا ہے ۲۳/۱۳ ۔ بندے اپنی غلطی سے بیمار ہوتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں شفا بخشتا ہے

متقیوں کی عاقبت بخیر ہوتی ہے)

(۸۴) فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝ سو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور جو اُس کے ساتھ تکلیف (لگی ہوئی) تھی اُس کو کھول دیا اور اُس کے (پہلے) اہل بھی دیدیئے اور (آئندہ کے لئے) ان کے ساتھ اُنکے مثل (بھی دئے یعنی پچھلی عمر میں ان کے ہاں اتنی ہی اولاد اور پیدا ہوئی جسقدر پہلے پیدا ہوئی تھی یہ) ہماری طرف سے ایک رحمت تھی اور عبادت کرنیوالوں کے لئے ایک نصیحت ہے (یہ کام ایوب علیہ السلام کے لئے ہی خاص نہ تھا بلکہ ہر ایک موحد اس نیک نتیجے کا اُمیدوار ہو سکتا ہے)

(۸۵) وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ۙ

(حضرت ایوب علیہ السلام نے خوب صبر کیا۔ آگے دوسرے صابروں کا ذکر بھی بطور اشارہ کے آتا ہے) اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کا (ذکر کر یہ) سب صبر کرنیوالوں میں سے تھے۔

(۸۶) وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اور ہمنے اُن کو اپنی رحمت میں داخل کیا بلاشبہ وہ صلاحیت والوں میں سے تھے۔

(حضرت اسمٰعیلؑ بلاشبہ صادق الوعد تھے ۱۶۔ جن مصیبتوں اور بیماریوں میں کسی وعدہ کرنے والے کو معذور سمجھا جاتا ہے حضرت اسمٰعیل وہاں بھی اپنے عہد کو نباہتے تھے۔ حضرت ادریسؑ کو درس و تدریس اور تعلیم کا بڑا شوق تھا۔ اشاعت تعلیم میں اُنھوں نے بہت سی تکلیفیں اُٹھائیں۔ ذوالکفل کے معنی ہیں ضامن۔ دوسرے کی مصیبت میں اس کے لئے اپنے پر ذمہ لینے والا۔ لوگوں نے اس ذمے لینے والے شخص کو زکریاؑ و الیاسؑ وغیرہ بتایا ہے۔ کسی نے حاتم طائی بھی لکھا ہے۔ ان آیات کا مدعا یہ ہے کہ ایفائے عہد میں تکلیف اُٹھانا اور اشاعت تعلیم کے مصائب میں پھنسنا اور غربا کے کاموں کا اپنے

سر پر ذمہ لینا اعلیٰ درجے کے صابروں کا کام ہے۔ یہ لوگ رحمت الٰہی میں داخل تھے اور صلاحیت کے راستے پر چلتے تھے)

(۸۷) وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اور ذوالنون کا (ذکر کر) جبکہ وہ غصے ہو کر چلا گیا (گویا اپنے مالک سے بھاگ کھڑا ہوا ۲۳/۹) پھر اُس نے خیال کیا کہ ہم اس پر تنگی نہیں ڈالیں گے (قوم پر عذاب آنے میں دیر پڑ گئی حضرت یونسؑ زیادہ صبر نہیں کر سکے ۲۹/۴ اور حکم الٰہی کے برخلاف قوم کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ بحیرہ روم کے کنارے پر ایک بھری ہوئی کشتی میں سوار ہوئے۔ جب وہ کشتی ڈوبنے کے قریب ہوئی تو ملاحوں نے سمجھا کہ سمندر کا دیوتا ناراض ہے۔ اُس کے لئے بھینٹ چڑھانی چاہیئے۔ اُنھوں نے قرعہ اندازی کی۔ قرعہ حضرت یونسؑ کے نام پر نکلا۔ یونسؑ نے اپنے بچاؤ کے لئے کہا کہ قرعہ کا کیا اعتبار ہے۔ میں قرعہ پھینکتا ہوں۔ وہ کسی دوسرے کے نام پر نکل آئیگا۔ جب حضرت یونسؑ نے قرعہ ڈالا تو خدا نے یونس کا نام ہی نکالا۔ ملاحوں نے یونس کو سمندر میں پھینک دیا۔ ایک مچھلی جسے شارک کہتے ہیں بحوز الٰہی سے منہ کھولے بیٹھی تھی۔ یونسؑ سیدھے اُس کے پیٹ میں چلے گئے۔ اپنی حالت زار کو دیکھکر یونس علیہ السلام نے اپنے ظلم کا اقرار کیا اور خدا تعالیٰ کی پاکیزگی کا اظہار کیا۔ خدا تعالیٰ نے وہاں اُنھیں جرأت دلائی۔ اُنھوں نے چاقو وغیرہ سے مچھلی کا پیٹ چاک کر دیا۔ وہ مچھلی اُلٹ کر مر گئی۔ حضرت یونس اس سخت مصیبت کے سبب بیمار ہو گئے۔ خدا نے پانی کی لہروں کے ذریعے سے اُنہیں ایک بے سایہ کنارے پر ڈال دیا۔ قدرت الٰہی سے وہاں کدو کا بیج بھی پہنچا ہوا تھا۔ کدو کی بیل جلدی سے اُگ کھڑی ہوئی اور اُنھیں گرمی وغیرہ سے بچانے کا باعث بنی۔ اگر حضرت یونسؑ اپنے ظلم کا اقرار نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کا اظہار نہ فرماتے تو مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے اور وہیں سے خدا کے آگے پیش ہو جاتے ۲۳/۹۔ بحیرہ روم بحر ظلمات یعنی اٹلانٹک اوشن کا ایک حصہ ہے۔ آخر خدا تعالیٰ نے حضرت یونس کو دوبارہ چُن لیا اور صالحین سے بنا دیا ۲۹/۴

قوم نبی کی غیر حاضری میں عذاب کے آثار دیکھکر تائب ہو چکی تھی ۱۱/۱۵ ۔ جب حضرت یونسؑ بھاگ نکلے تو اُن کا خیال تھا کہ خدا اُن پر تنگی نہیں ڈالیگا۔ خدا تعالےٰ نے یونسؑ کے خیال کا پاس نہیں کیا۔ اور اُنھیں ایسے مصائب میں ڈالدیا) سو وہ ظلمات میں پکارا کہ (اے خدا) تیرے سوا کوئی لائق عبادت کے نہیں ہے۔ تو پاک ہے بلاشبہ میں ہی ظالموں سے ہوں (جنہیں لوگ ظالم کہتے ہیں میں اُنہیں میں سے ایک ہوں۔ جو مصیبت مجھپر آئی ہے یہ میرے ہی فعل کا نتیجہ ہے۔ تو سچ مچ پاک ہے۔ میں سچ مچ ظالموں سے ہوں ظلمات ایک بہت بڑے سمندر کا نام بھی ہے۔ بحیرہ روم اسی کا ایک حصہ ہے۔ اور ظلمات کے معنی اندھیروں کے بھی ہیں۔ ایک مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا تھا۔ دوسرا پانی کا اندھیرا تھا۔ اور اگر اُسوقت بادل تھا تو وہ ایک اور اندھیرا تھا)

(۸۸) فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـــْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(جب یونسؑ نے نہایت عاجزی کے ساتھ خدا تعالےٰ کی پاکیزگی کا اظہار کیا اور اپنے ظلم کا اقرار کیا) تو ہم (خدا) نے اس کی دعا قبول کی اور اُسے غم سے چھڑا دیا۔ اور اسی طرح ہم (اصل) ایمانداروں کو نجات دیا کرتے ہیں (اس میں سب ایماندار داخل ہیں بشرطیکہ سچے موحد ہوں۔ قرآن مجید میں نہایت عالیشان دُعائیں ہیں۔ یہ دُعا دل کو ہلا دینے والی ہے۔ نیکوں کا ہر قول و فعل واجب الاتباع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالےٰ رسول کریم کو فرماتا ہے۔ مچھلی والے کی مانند مت بننا۔ جس قول و فعل کی تصدیق وحی الٰہی اور صحیفۂ فطرت سے ہو وہی واجب الاتباع ہے۔ یہی دو چیزیں ہمارے لئے اصل سرچشمے کا کام دیتی ہیں)

(۸۹) وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ اور زکریا کا (ذکر کر) جب اُس نے اپنے رب کو پکارا کہ تو مجھے اکیلا نہ چھوڑنا (اور اپنے حضور سے پاک اولاد عطا فرمانا) تو ہی اصل وارث ہے (بندہ تو مرنے والا ہے۔ اُس کے مال کا وارث اللہ ہی ہوتا ہے۔ ماں

واسباب کام کے سنوارنے کے ظاہری اسباب ہیں۔ اصل سنوارنے والا خود اللہ ہی ہے جہاں حکمت الٰہی مناسب نہیں دیکھتی وہاں یہی اسباب بگاڑ کا موجب بن جاتے ہیں۔ نبی خود خدا ہی سے اولاد مانگتے ہیں۔ ہمیں بھی چاہیئے کہ کسی نبی و ولی و فرشتہ وغیرہ سے ہرگز ایسی دعا نہ کریں۔ رسول کریم اپنے بیٹوں اور نواسوں کو بھی نہیں بچا سکے اوروں کا تو کیا ذکر ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ایک ہی عورت کے ساتھ نکاح کیا اور جب خدا نے چاہا تو اسی سے اُن کو اولاد بخشی۔ اولاد کی تمنا میں اپنی بیوی کو ہرگز ہرگز طلاق نہ دینا چاہیئے)

(۹۰) فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ○ (پس ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اُسے یحییٰ بخشا اور (آئندہ کے لئے بھی) اُس کے لئے اُس کی بیوی کو درست کر دیا (اُن کی دعاؤں کی قبولیت کا راز اسی بات میں تھا کہ) بلاشبہ وہ خیر کے کاموں میں کوشش کرتے تھے اور ہم سے اُمید اور خوف کے ساتھ دعائیں کرتے تھے اور ہمارے آگے عاجز تھے (خدا کے آگے تمام بندوں کا عاجز ہونا ہی لازم ہے۔ دعوے کرنے والا دھکے کھاتا ہے نبی خدا کے آگے خاشع اور دبے ہوتے ہیں۔ مقدم مرضی اور سچا خوف صرف خدا کیلئے ہی ہے)

(۹۱) وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ○ اور اس (پاک) عورت کا ذکر کر) جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی (اور ظاہر ہے کہ یہ حفاظت سفاح سے ہوتی ہے۔ نکاح سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مومنہ عورتیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں ۱۸۔ سورہ احزاب میں زنا سے بچنے والی عورتوں کو المحافظات فرمایا ہے ۲۴/۲) سو ہم نے اس (مریم) میں (عام قاعدے کے مطابق اُس کی شرمگاہ میں ۲۰/۲) اپنی ایک روح پھونکی اور اُس (مریم) کو اور اس کے بیٹے کو جہان والوں کے لئے ایک نمونہ بنایا۔

(حضرت مریم علیہا السلام نے خود نکاح کرنے کا ایک نمونہ دکھایا اور اُس نمونے سے ایسا بیٹا پیدا ہوا جس نے اپنے وجود سے اس نمونے کی تصدیق کی۔ پس نیک نمونہ اور اسکا نتیجہ ملا کر ایک نشان بنا۔ مریم و عیسیٰ دو آیتیں ہیں بلکہ دونوں ملکر خدا کا ایک نشان تھے۔ اللہ تعالےٰ احسن الخالقین ہے۔ انسان کو نطفے سے پیدا کرکے ہی اس صفت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اللہ کو رب اکرم بھی کہا جاتا ہے۔ اسکا ثبوت بھی انسان کو علقے سے پیدا کرنے سے ہی دیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کو قدیر فرمایا گیا ہے۔ انسان کو پانی سے پیدا کرنے سے ہی اسکا ثبوت ملتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مرد و عورت سے جو پیدائش ہوتی ہے ان تمام صفات کا ثبوت اسی پیدائش سے حاصل ہوتا ہے۔ لوگ اس پیدائش کو ادنےٰ جانتے ہیں اور آیت اللہ بنانے کے لئے خلاف فطرت باتیں وضع کر لیتے ہیں۔)

(۹۲) إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ

(ان تمام رسولوں کو اپنے اپنے وقت میں کہا گیا کہ) بلاشبہ یہ جو تمہاری جماعت ہے سب ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا (اکیلا) رب ہوں پس میری ہی عبادت کرو (جب یہود و نصاریٰ وغیرہم کلمہ توحید کے مطابق عبادت کریں۔ تو ہمارے لئے حیف ہے کہ ہم اُن کے ساتھ عبادت میں شریک ہونے سے جی چرائیں خدا تعالےٰ کا حکم ہے کہ سلوک اور خدا خوفی میں ایک دوسرے کی مدد کرو ۶/۲ وارکعوا مع الراکعین کے بھی یہی معنی ہیں۔ جن لوگوں نے اپنی اپنی کلدار نمازیں بنائی ہیں اُن کے لئے اس حکم پر چلنا پرلے سرے کی مصیبت ہے ۲۵/۳)

(۹۳) وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ۝ اور ان لوگوں نے (یعنی ان نبیوں کی اُمتوں نے) اپنے اپنے معاملے کو الگ الگ کر لیا ہے (خدا کی یاد میں بھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اُن کے رب اُن کے رسمی طریقے میں اور یاد رہے کہ) یہ سب ہماری طرف پیش ہونے والے ہیں۔

(ہم اُنھیں بتائینگے کہ تم کن فضول باتوں میں اختلاف کرتے تھے)

رکوع ہفتم (۹۴) فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ○ (کوئی شخص مومن کہلاتا ہو یا یہودی ہو یا نصرانی ہو یا صابی یعنی ہم سماجی ہو کوئی بھی ہو اس میں کسی کی رعایت نہیں جیسا کہ فرمایا ہے) سو جو شخص صلاحیت والے عمل کرتا ہو اور وہ (سچا) ایماندار ہو۔ پس اُس کی کوشش کے لئے (خدا اللہ کی طرف سے) کوئی ناقدردانی نہیں ہے اور بلاشبہ ہم (جو رب العالمین ہیں) اس (کوشش) کو (کوشش کرنے والے کی ذات پر اور صحیفۂ فطرت میں) لکھ دینے والے ہیں (ذرہ برابر نیکی بھی ضائع نہیں جاتی۔ جب کوئی عمل قائم نہیں رکھا جائیگا تو اُسکا نتیجہ کسطرح سے مل سکیگا)

(۹۵) وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ○ (اور یہ جو لوگ کہا کرتے ہیں کہ جب تک مسیح نہ آئیگا اور دجال خروج نہ کریگا اور یاجوج ماجوج ہر بلندی سے نہ نکلیں گے تب تک ہماری پیشی رُکی رہیگی یہ قطعاً غلط ہے۔ ہماری پیشی کا اُن کے خروج کے ساتھ کیا تعلق ہے جیسا کہ فرمایا) اور کسی بستی پر جس کو ہمنے ہلاک کر دیا ہے یہ بات حرام (اور ممنوع) ہے کہ وہ ہماری طرف رجوع نہ کریں (اور ہمارے آگے پیش نہ ہوں)

(۹۶) حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ○ یہانتک کہ جب یاجوج و ماجوج کھل پڑیں اور وہ ہر اُونچائی سے دوڑتے آئیں (ایسی باتوں کے ساتھ کسی ہلاک شدہ بستی کی پیشی کا کوئی تعلق نہیں)

(۹۷) وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ اور سچا وعدہ تو قریب ہے (وہ موت کے ساتھ ہی آجاتا ہے) سو جب یہ

حالت ہوتی ہے کہ کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں (وہ کہتے ہیں) اے ہماری خرابی بلاشبہ ہم اس سے غفلت میں تھے۔ نہیں نہیں بلکہ ہم ظالم تھے۔

(۹۸) اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝ بلاشبہ تم اور جن کو تم اللہ کے سوائے پوجتے ہو جہنم کے پتھر ہو (جو اس میں پھینکے جاتے ہیں) تم اس میں وارد ہونیوالے ہو۔

(۹۹) لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اگر یہ معبود ہوتے تو اس میں وارد نہ ہوتے اور یہ سب اس میں رہ پڑنیوالے ہیں۔

(۱۰۰) لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اُن کے لئے اس (جہنم) میں چلانا ہے اور وہ اس میں (شور و خوفا کے سبب) نہیں سنتے۔

(۱۰۱) اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ

تحقیق وہ لوگ جن کے لئے ہماری طرف سے نیکی کی سبقت ہو چکی ہے (اور ہم نے اُن کے بچانے کا وعدہ کیا ہوا ہے) وہ اس (جہنم) سے دُور کئے جانے والے ہیں (وہاں لے جانے میں اُن پر اور اُن کے بچاریوں پر اُن نیکوں کی حقیقت واضح کی جاتی ہے)

(۱۰۲) لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وہ (اس جہنم سے دُور کئے جاکر) اُس کی سائیں سائیں کو نہیں سنیں گے اور وہ ان (نعمتوں) میں جو اُن کے دل چاہتے ہیں رہ پڑنے والے ہیں۔

(۱۰۳) لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ○ اُن کو یہ (جہنم کی) بڑی گھبراہٹ غم میں نہیں ڈالتی اور فرشتے اُن سے ملتے ہیں (اور کہتے ہیں) یہ وہ دن ہے جسکا تم کو وعدہ دیا جاتا تھا (فرشتے خدا کی طرف سے سلام لاتے ہیں۔ فرشتوں کا نزول ایمانداروں کی ثابت قدمی کا باعث ہوتا ہے اور اُن کے غم اور خوف کو دُور کردیتا ہے ۲۳/۱۸ و ۹/۱۶ و ۱۳/۹)

(۱۰۴) يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ○ (اور نیکوں کی دنیوی کامیابی اور اُخروی فلاح کا ذکر ہے۔ سنت اللہ کبھی نہیں بدلائی جاسکتی جسطرح ارتقائی قواعد کبھی نہیں بدلتے اسی طرح صالحین کی مدد بھی کبھی نہیں رُک سکیگی جیسا کہ ارشاد ہے) اس (عجیب واقعہ) کو (یاد کرو) جسدن ہم اس آسمان کو (جس میں خدا تعالےٰ نے البحر المسجور یعنی نیبولا کے سمندر کو رکھا ہوتا ہے) ہم تحریرات کے مُٹھے کی طرح لپیٹتے (اور چکر دیتے) ہیں (نیبولا کا سمندر اسی طرح چکر کھاتا ہے جسطرح تحریروں کے مُٹھے کو لپیٹا جاتا ہے۔ اس مُٹھے کا مرکز جسے نکلیس کہا جاتا ہے مجتمع ہوتا ہے اور کاغذوں کے سرے کھلے اور ڈھیلے ہوتے ہیں۔ بیچ کا حصہ سورج بن جاتا ہے۔ باقی حصے قوت مدافعت سے مناسب فاصلوں پر پھینکے جاتے ہیں اور سیارے اور چاند بن جاتے ہیں۔ اس طرح ایک نظام شمسی طیار ہو جاتا ہے۔ اور سیاروں کے پوست سرد ہونے پر جمادات و نباتات و حیوانات کا ظہور ہوتا ہے اور صاحب اختیار ہستیاں زمین کی خلافت کے لئے پیدا کی جاتی ہیں۔ اسطرح آئندہ کے لئے تمام ارتقاؤں کی جڑ لگ جاتی ہے۔ سماء جو کئی قسم کے ایتھروں کا مجموعہ ہے اپنے دباؤ سے قوت کشش کا موجب بن جاتا ہے۔ آگے فرمایا) جسطرح ہم نے پہلی پیدائش کو شروع کیا اسی طرح اس کو دُہراتے بھی جاتے ہیں (اور نیبولا کے نئے سمندروں سے نئے نئے عوالم بنائے جاتے ہیں اس حال میں کہ) یہ ہمپر ایک وعدہ ہے (ہم

آئندہ بھی ایسا ہی کرینگے کیونکہ) بلاشبہ ہم ایسا ہی کرنیوالے ہیں (پہلی آیت یعنی هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ میں یومکم سے مراد آخرت کا دن ہے۔ اگلی آیت میں یوم کا لفظ اسکا بدل نہیں ہے یہ الگ واقعہ ہے۔ اسلئے اکثر مفسرین یہاں اذکروا کو مقدر مانتے ہیں)

(۱۰۵) وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ (اس طرح صالحین کو بھی مدد دیتے رہیں گے جیسا کہ ارشاد ہے) اور بالتحقیق ہمنے زبور میں پند (و نصیحت) کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین جو ہے میرے صالح (اور صادق) بندے اس کے ضرور وارث ہو جاتے ہیں (زبور ۳۷ و ۲۹ میں سے "صادق زمین کے وارث ہونگے")

(۱۰۶) إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ ۝ بلاشبہ اس میں اُن لوگوں کے لئے ضرور ایک پیغام ہے جو (خدا کے سچے) پجاری ہیں (پجاری ہونا انسان کی فطرت ہے انسان پوجا کے لئے ادھر اُدھر ہاتھ مارتا ہے لیکن پوجا کے لائق وہی خدا ہے جو فوق الفطرت متصرف ہے جسکی مرضی کا کوئی خلاف نہیں کر سکتا۔ خدا کو سامنے رکھنا اور اسکا خوف کرنا ہی تمام بھلائیوں کی جڑ ہے۔ بقائے اصلح کا قاعدہ بالضرور صحیح ہے۔ زبانی دعوے کچھ چیز نہیں ہیں)

(۱۰۷) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ۝ اور ہمنے تجھ کو (قرآن دیکر) صرف اس لئے بھیجا ہے تاکہ ہم تمام جہان والوں پر رحمت کریں (اور قرآن کے فیض سے ہم دنیا پُر امن اور بارونق بن جائے)

(۱۰۸) قُلْ إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ (یہ امن و رونق خالص توحید کا ہی ثمرہ ہے جس میں حریت و مساوات خود آجاتی ہے جیسا کہ فرمایا) تو کہدے سوائے اس کے نہیں کہ میری طرف

وہی خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ہے۔ اس کے علاوہ سورت انبیاء میں رسولوں کی آخری کامیابی دکھائی ہے حج کی کانفرنس کی اصلاح کرنے سے خدا تعالیٰ نے ہمارے رسول کریم کو وہ کامیابی عطا فرمائی ہے جو کسی دوسرے مدعی رسالت کو آج تک نصیب نہیں ہوئی۔ اور ان دونوں سورتوں میں ایسی اور بھی بہت سی مشابہتیں پائی جاتی ہیں

ترجمہ وتشریح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمان ورحیم ہے

(۱) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝

انسان بے شمار مصائب میں گھر جاتا ہے اور سخت الجھنوں اور ناقابل برداشت بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان مدتہائے دراز سے پیدا ہوتے اور مرتے آئے ہیں۔ موجودہ تمام انسانوں نے بوضاحت تمام دیکھ لیا ہے کہ پہلے لوگوں میں سے کوئی بھی موت سے نہیں بچا اور سب نے اس نتیجے کو تسلیم کر لیا ہے کہ آگے بھی کوئی نفس موت کے پنجے سے نجات نہیں پائیگا۔ اس سنت اللہ میں کسی نے اختلاف نہیں کیا کہ تمام نفس موت کو چکھنے والے ہیں اور سوائے ذات باری کے تمام چیزیں اپنی ذات میں مالک ہیں۔ مطلوب حقیقی کے سوائے تمام طالب ومطلوب ضعیف ہیں۔ ہر چیز مناسب اندازوں کے ساتھ بنائی گئی اور کام کر رہی ہے اور کوئی چیز علت ومعلول کے قاعدے سے خارج نہیں ہو سکتی۔ اس بیان سے بڑی صفائی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ انسان پر جو صاحب اختیار کہلاتا ہے کوئی ایسی حکومت موجود ہے جس کے اندازوں سے یہ کبھی نہیں نکل سکتا۔ دھریے کہتے ہیں کہ یہ حکومت بے اختیار نیچر کی ہے جسکا علم حاصل کر کے ہم اسپر غالب ہو جائیں گے اور نیچر کو تمام وکمال اپنے پیچھے چلا لیں گے۔ نیچر بلاشبہ احسن واتقن ہے اور اس کے اندازے نہایت صحیح ہیں۔ اس نیچر میں انسان کا ادنےٰ اور اضعف اختیار بھی بہت کچھ مداخلت کر سکتا ہے۔ وہ نیچر کے قواعد کو نہیں توڑتا بلکہ انسانی اختیار سے نیچر کے قواعد میں ایک ترتیب دے لیتا ہے اور اکثر دفعہ اپنے حسب منشا نتائج نکال لیتا ہے۔ ریل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الْحَجِّ

مضمون اور نظم و ربط

اس سورت کا نام حج ہے۔ سب سے پہلے حج کا بیان اسی سورت میں اترا ہے۔ اس کے ساتھ ہی سورہ بقرہ میں حج کا بیان آچکا ہے۔ سورہ آل عمران اور سورہ مائدہ اور سورہ توبہ اور سورہ فتح میں بھی کسی قدر بیان آیا ہے۔

حج عرب کا ایک ملکی میلہ تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے وقت سے لوگ یہاں جمع ہوتے تھے اور ملک کے ہر حصے سے اونٹنیوں پر سوار ہو کر یا پیادہ چل کر آتے تھے۔ مکہ کو امن والا شہر بنایا گیا تھا۔ لوگ اس طرح حضرت اسمٰعیلؑ سے توحید کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ اس سے تجارت کو بھی خوب رونق ملتی تھی۔ اس میل جول سے مختلف اقوام میں اتحاد اور حسن سلوک پیدا ہو گیا تھا۔ اس سے اصل غرض یہ تھی کہ ملک میں کانفرنس کی جائے اور لوگ حاضر ہو کر اپنے لئے مناسب حقوق طلب کر سکیں۔ ایسی کانفرنسیں ہر ملک میں ہونی چاہئیں۔ ان سے تمام اقوام میں اتحاد اور امن پھیلے گا اور ہر ایک کو مناسب حقوق ملیں گے۔ اور ملک میں قوت و مضبوطی پیدا ہو گی۔ عرب میں ایک وقت تک یہی حالت رہی۔ اس کے بعد حج محض ایک رسم بن گیا اور ملک میں شرک عام طور پر پھیل گیا۔ قبیلے قبیلے کا الگ الگ بت تھا۔ لوگ بھائی بھائی ہونے کی بجائے ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ قرآن نے آکر لوگوں کو پھر ایک خدا کے ماتحت متحد بنانے کی کوشش کی اور اس کانفرنس میں جو غلطیاں واقع ہو گئی تھیں اُن کی اصلاح کی۔ اس سے تمام ممالک کو بھی سبق دیا کہ تم بھی اسی طرح سے اپنی اصلاح کرو اور قوت و ترقی کے عروج پر پہنچو۔ اس وقت مسلمانوں نے بھی حج کو خیالی رسوم کا مجموعہ بنا لیا ہے کہیں ایک ٹوٹے ہوئے پتھر کو چوما جاتا ہے۔ کہیں جھوٹی روایتوں سے کام لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اوثان کی پلیدگی سے بچو اور جھوٹی باتوں سے

اجتناب کرو۔ کہیں نسل حیوانی کو ضائع کیا جاتا ہے اور بجائے غربا پروری کے انھیں دبا دیا جاتا ہے۔ ٹیلوں کو شیطان سمجھ کر گنتی کے سات سات کنکر مارے جاتے ہیں مسجد کعبہ میں اندر نماز پڑھنے کے بجائے اُسے بالعموم بند رکھا جاتا ہے اور اصل مقصد یعنی شوریٰ اور اعتمار سے کوئی کام نہیں لیا جاتا۔ حاجی وہاں سے کوئی ٹھوس فائدہ حاصل کر کے نہیں آتے۔ البتہ مٹی اور پانی کو متبرک سمجھ کر ساتھ لاتے ہیں۔

سورہ انبیاء میں بنی اسرائیل کے اُن انبیاء کا ذکر ہے جن کو بنی اسرائیل اور عیسائی بھی مانتے ہیں۔ وہ شام میں تعلیم دیتے تھے۔ شام وہ زمین ہے جس کے متعلق فرمایا ہے کہ ہم نے اس میں جہان والوں کے لئے برکت رکھی تھی۔ ارض مقدسہ بھی وہی ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو داخل ہونے کا حکم دیا تھا۔ شام و روم کے رسول بیت المقدس میں ہی حج کے لئے اکٹھے ہوتے تھے

مکہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد ہمارے رسول کریم سے پہلے کوئی رسول و نبی نہیں آیا ۲۲/۱۸۔ مکہ کے لوگ اُمی تھے جو اہل کتاب سے الگ تھے۔ اگر رسول کریم سے پہلے اُن کے پاس رسول آئے ہوتے تو اُن کے پاس بہت سی کتابیں موجود ہوتیں حاصل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے رسول خانہ کعبہ کی طرف حج کرنے نہیں آیا کرتے تھے اسی طرح ہر اُمت میں منسک یعنی جائے عبادت ہوتی تھی۔ وہاں کے لوگ اسی جائے عبادت کی طرف اکٹھے ہوتے تھے۔ جیسا کہ اس سورت حج میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اور ہمنے ہر ایک اُمت کے لئے ایک ایک جائے عبادت بنائی ہے تاکہ (وہ گھر سے خوراک کا انتظام کر کے چلیں اور دوسرے علاقہ پر اپنے کھانے کا خواہ مخواہ بار نہ ڈالیں اور) ان جانوروں پر جو اللہ نے اُنھیں ان مویشیوں سے دئے ہیں جو تکلیف کا احساس بہت کم رکھتے ہیں اللہ کے نام کا ذکر کریں۔ (غیر کا نام نہ لیں) سو تم سب کا ایک ہی معبود ہے پس تم اُسی کے مسلم بنو۔ اور عاجزی کرنیوالوں کو خوشخبری دے (وہ عاجزی کرنیوالے کون ہیں) وہ وہ لوگ ہیں جو کہ جب اللہ کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل لرز جاتے ہیں۔ وہ جو اس مصیبت پر صبر کرنے والے ہیں جو اُنھیں پہنچتی ہے اور وہ جو نماز کے قائم کرنیوالے ہیں اور اس سے جو ہم نے اُنھیں رزق دیا ہے (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔ اب ان عبادتخانوں میں

لوگوں نے اپنے آب و دانہ اور کھانے کے لائق حیوانات پر غیروں کا نام لینا شروع کر دیا ہے۔ وہاں خدا تعالےٰ کے بجائے غیروں کی پوجا ہو رہی ہے۔ اللہ تعالےٰ حج کی کانفرنس کے متعلق اصلاحیں سکھاتا ہے اور اصل مقصد یہ ہے کہ تمام عبادتگاہوں کے متعلق ویسی ہی اصلاحیں کی جائیں۔

بڑی خوشی کی بات ہے اگر مسلمان تمام کانفرنسوں کے اوپر اپنے حج کی کانفرنس کو عالمگیر کانفرنس بنائیں اور اس میں ایسا نقشہ دکھائیں جو توحید اور رواداری اور ترقی علم اور امن پسندی کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہو۔ اپنے زور دار کلمات سے ہی دنیا کو مسخر نہ کریں بلکہ دنیا پر ایسا اثر ڈالیں کہ دانا پکار اٹھیں کہ سچ مچ یہ جلسہ دنیا کے امن و امان کا ضامن ہے۔

سورت انبیاء میں تمام نبیوں کی امتوں کو فرمایا ہے کہ یہ تمہاری امتیں ایک اُمت ہیں اور میں تمہارا رب ہوں۔ پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔ تم نے تو دین کو توڑ پھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ سورہ انبیاء اور سورہ حج کے ربط کی بڑی وجہ یہی ہے۔ اس کے سوا اور بھی بہت سی مناسبتیں ہیں۔ سورہ انبیاء میں توحید کے اعلیٰ ثبوت دیئے ہیں اور نبیوں کی عاجزی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچ کر رکھ دیا ہے اس سورت میں بھی شرک کے متعلق فرمایا ہے کہ مشرک آسمان سے گر پڑا اور گوشتخوار پرندوں یعنی دنیا کے طالب پیروں نے اُس کی ہڈی پسلی چبا ڈالی۔ یا وہ حقیقی مالک سے بیزار ہو کر محض ہوا و ہوس میں پھنس گیا۔ شرک کی قباحت اور شناعت دکھانے کے لئے ایک عالیشان مثال بیان کی کہ جن کو تم خدا کے سوائے پکارتے ہو وہ ایک مکھی کو بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب اس کے پیدا کرنے کے لئے اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی اُن کے کھانے پانی سے کچھ لے جائے تو اس کو بھی اس سے نہیں چھڑا سکتے۔ طالب بھی ضعیف ہے اور مطلوب بھی ضعیف۔ تمام مخلوقات کا یہی حال ہے۔ مطلوب حقیقی سوائے خدا تعالےٰ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ جنہوں نے دوسرے مطلوب بنائے ہیں وہ سب کے سب غلطی پر ہیں۔

اس سورت کے اخیر میں فرمایا ہے کہ سوائے خدا تعالےٰ کے باقی تمام اشیاء اپنی ذات میں ہالک ہیں۔ پس مقصود حقیقی سوائے ایک خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا

وحی کیا جاتا ہے کہ بات یہ ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے (اسی ایک میں تم سب کا اتحاد ہو سکتا ہے) پھر کیا تم مسلم بنتے ہو (اور فرمانبردار ہوتے اور سر جھکائے رہتے ہو)

(۱۰۹) فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنْتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۖ وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَمْ بَعِيدٌ مَا تُوعَدُونَ ۝ (حریت و مساوات کے متعلق فرمایا) پھر اگر یہ منہ موڑیں تو تو کہدے میں نے تم کو مساوات (اور انصاف کے طور) پر اطلاع دیدی ہے اور میں نہیں جانتا کہ جسکا تم کو وعدہ دیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا بعید۔ (اس کی خبر بھی خدا کو ہے کہ وہ مشرکوں کو کب پکڑیگا اور مومنوں کو کب آزادی بخشیگا۔ نبی نے اس توحید کی خبر سب کو یکساں کردی ہے)

(۱۱۰) إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ۝ بلاشبہ وہ (خدا) پکاری ہوئی بات کو بھی جانتا ہے اور اُسکو بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو (خدا کے آگے ہمارا ظاہر و باطن آشکارا ہے۔ کوئی کام منافقانہ طور پر کرنا ٹھیک نہیں)

(۱۱۱) وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ (خدا تعالےٰ کا تم کو) یہ (مہلت دینا) تمہارے لئے ایک آزمائش ہے اور ایک وقت تک فائدہ دینا ہے (نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہے)

(۱۱۲) قَالَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمَٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝

اس (ہمارے نبی) نے (ہماری جناب میں دعا کی اور) کہا اے میرے پروردگار حق کے ساتھ فیصلہ کر اور ہمارا رب رحمان ہے جس سے اُن باتوں پر مدد مانگی جاتی ہے جو تم بیان کر رہے ہو (خدا تمہیں ہدایت دے اور سیدھی بات کی طرف چلائے)

کی لائنیں جب بچھائی جاتی ہیں تو کانٹے والا ریل گاڑی کو ایک لائن سے دوسری لائن پر بدل سکتا ہے اور اسی قسم کے اور بھی بہت سے دخل دے سکتا ہے۔ اس مداخلت سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ قوانین قدرت بھی بدلائے جا سکتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ جب انسان کا ضعیف اختیار اس نیچر کو بدلنے کے بغیر اس میں مداخلت کر سکتا ہے تو کیوں اس نیچر میں جس کی حکومت انسان کے اوپر ہے کوئی مستقل اختیار ترتیب دینے کے لئے موجود نہیں ہو سکتا۔ انسانی اختیار مجبور نیچر سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ خدا تعالےٰ کے مستقل اختیار کے نیچر میں خاص ترتیب دینے اور مداخلت کرنے سے ہی مل سکتا ہے۔ اسی مستقل اختیار کے ماتحت زمین و آسمان کے قواعد کی تمام کنجیاں ہیں۔ دیباچہ تفسیر میں اسپر مکمل بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالےٰ نے سورہ انبیاء میں فرمایا ہے کہ ہمنے حق کو ہمیشہ کامیاب کیا ہے اور رسول کریم کی دعا بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ نہایت عاجزی سے درگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں کہ اے خدا حق کے ساتھ فیصلہ کر اور اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہی اس لائق ہے کہ اس سے مدد طلب کی جائے۔ اس سورت کی پہلی آیت میں ہی دکھلایا ہے کہ اگر تم تمام نیچر پر حکمران بن سکتے ہو تو اپنے پاؤں تلے کی زمین پر ہی حکمران بنکر دکھاؤ۔ جب تمپر سخت زلزلہ آتا ہے جو تمہیں اس عالم سے دار جزا کی طرف لے جاتا ہے جسے زلزلۃ الساعۃ کہتے ہیں تو اسوقت تمہاری حالت دکھلاتی ہے کہ تم یقیناً مقہور و مغلوب ہو۔ نیچر پر تصرف حقیقی اور کرسی نشین ہونا تمہارے ہاتھ میں کبھی نہیں دیا جائیگا۔ اللہ تعالےٰ زبردست حملوں سے اپنی حکومت دکھاتا رہیگا۔ اگر تمہارا بس چلتا ہے تو قرآن کی کامیابی کو روک کر دکھاؤ جیسا کہ ارشاد ہے) اے آدمیو! اپنے پروردگار سے ڈرو (اور اس کی پناہ ڈھونڈو) بلاشبہ دار آخرت کی طرف لے جانے والا زلزلہ ایک ہولناک چیز ہے۔

(۲) يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَٰرَىٰ وَمَا هُم بِسُكَٰرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝ جسدن تم اسے دیکھتے ہو تو ہر دودھ پلانیوالی اس (بچے) سے

جسے دودھ پلاتی ہے غافل ہو جاتی ہے اور ہر حمل والی اپنے حمل کو گرا دیتی ہے اور تو لوگوں کو متوالے دیکھتا ہے۔ حالانکہ وہ بدمست نہیں ہوتے ولیکن اللہ کا عذاب ہی سخت ہے (زلزلے کے وقت یہ حال صرف اسی قوم کا ہوتا ہے جن پر زلزلہ آتا ہے۔ اس میں گذشتہ زمانے کے لوگ جو دار آخرت میں پہنچ گئے ہیں شامل نہیں ہوتے۔ ان کی حاملہ عورتیں اپنے حمل کو نہیں گراتیں اور اُن کی دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں سے غافل نہیں ہوتیں۔ یہ بات اسی قوم پر صادق آسکتی ہے جس پر زلزلہ آئے۔ حاصل یہ ہے کہ جب بھی زلزلہ آئیگا تو وہی قوم جن پر زلزلہ آتا ہے مرکر خدا کے حضور میں پیش ہو جاتی ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا بھی ہونا چاہیے جو پہلے گذر چکے ہیں۔ جیساکہ قرآنی آیات سے صراحت کے ساتھ ثابت ہے)

(۳) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝ (جب خدا کی پکڑ کا یہ حال ہے تو لوگوں کے جاہلانہ جھگڑا کرنے پر افسوس ہے جو بغیر علم و انصاف کے کیا جاتا ہے جیساکہ فرمایا ہے) اور لوگوں میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم کے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر ایک سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں (جو پیروی علم و حکمت کے برخلاف کی جاتی ہے وہ متمرد شیطان کی ہی پیروی ہے۔ سچا علم حق کی طرف رہبری کرتا ہے اور غلطیوں سے بچاتا رہتا ہے لیکن ہوا و ہوس کی وہ پیروی جو سرکشی اور ضد اور جہالت کے ساتھ کی جاتی ہے جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔ یہی شیطانی پیروی ہے جیساکہ اگلی آیت سے واضح ہوتا ہے)

(۴) كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ اس (شیطان) پر یہ بات لکھی گئی ہے کہ جو شخص اس کے ساتھ دوستی لگائے تو وہ (شیطان) اسے گمراہی میں ڈال دے اور جہنم کے عذاب کی طرف رہنمائی کرے (بدی کے محرکات کے ذمہ یہی بات ڈالی گئی ہے۔ ضد راستی پر قائم نہیں رہنے دیتی۔ سرکشی تعلّی پر لے آتی ہے۔ بیحیائی کے

وقت عفت ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ سرکشی اور خودسری کے وقت انصاف کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے ؎ بیحیا باش ہرچہ خواہی کن)

(۵) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ (خدا کے عالم بندے خدا سے ڈرتے رہتے ہیں۔ لیکن خودسری۔ ہوا پرستی اور جہالت پسندی کرنے والے خدا کی ملاقات کے منکر ہیں اسلئے اُن کو سمجھانے کے لئے فرمایا) اے انسانو! (ناس کے لفظ میں جن وانس ہر دو داخل ہیں) اگر تم (خدا کے سامنے) کھڑے ہونے سے کسی شک میں ہو سو (تم اپنے اس ارتقا کی طرف غور کرو) بلاشبہ ہمنے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے سے پھر علقہ سے پھر پورے اور ادھورے بنے ہوئے لوتھڑے سے تم کو پیدا کیا۔ (یہ تشریح ہم اسلئے کرتے ہیں) تاکہ تمہارے لئے کھول کر بیان کردیں (اور تم کو معلوم ہوجائے کہ تم کسطرح علمی ترقی کی طرف لائے جاتے ہو) اور ہم جسے چاہتے ہیں پیٹوں میں ایک وقت مقرر تک ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر ہم تمہیں بچہ بنا کر نکالتے ہیں پھر (ہم تمہیں موقع دیتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ۔ اور بعض تم میں وہ ہے جو (جوانی سے پہلے) فوت کیا جاتا ہے اور بعض تم میں سے وہ ہیں جو نکمی عمر کی طرف موڑے جاتے ہیں تاکہ وہ علم رکھنے کے باوجود کچھ بھی نہ جانیں۔ اور تو زمین کو خشک پڑی دیکھتا ہے۔ سو جب ہم اسپر پانی اُتارتے

ہیں تو وہ ہلتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر ایک رونق دار چیز کو اُگاتی ہے۔
(ان خوراکوں سے انسان کو آئندہ ترقیات کے لئے مدد ملتی ہے)

(۶) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (انسان ایک حالت سے بدلکر دوسری حالت میں چلا جاتا ہے۔ اس سے انسان کی محکومیت ثابت ہوتی ہے) یہ بسبب اس کے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ کہ وہ مُردوں کو زندگی بخشتا ہے اور یہ کہ وہ ہر شئے پر قادر ہے۔

(۷) وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ اور بلاشبہ پیشی کی گھڑی ضرور (اپنے اپنے وقت پر) آتی رہتی ہے جس (کے آنے) میں شک نہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو (جہالت کے) گڑھوں میں دبے ہوتے ہیں (اپنی حکمت کے مطابق) اُٹھا کھڑا کرتا ہے (قرآن کے اُترنے سے بھی دنیا کو زندگی ملی اور زمین اپنی موت کے بعد زندہ کی گئی ۲۰/۱۸ وغیرہ)

(۸) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ اور (اللہ تعالیٰ کی ایسی قدرتوں کو دیکھکر بھی دنیا کی اس زندگی میں) بعض ایسے لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر کسی علم کے اور بغیر کسی ہدایت (یا معقولیت) کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں

(۹) ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ (وہ اس جھگڑے سے باز نہیں آتے اور) اپنے پہلو کو مروڑتے ہیں تاکہ اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں ایسے شخص کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور پیشی کے دن ہم اُسے جلنے کا عذاب چکھاتے ہیں۔

(۱۰) ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

(اور اسے کہتے ہیں) یہ (عذاب) بسبب اس کے ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کے لئے ظلم کرنے والا نہیں (خدا تعالیٰ میں اگر ذرا سا نقص بھی مانا جائے تو وہ بڑے نقص کے برابر ہوگا۔ خدا تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا کرتا)

رکوع دوم (۱۱) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝

(آخرت میں دائمی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ آخرت کی خوشی بے غل وغش ہوتی ہے۔ اسی طرح آخرت کی سزا بھی بڑی وضاحت کے ساتھ ثابت ہوگی اور واضح ہو جائیگا کہ خدا تعالیٰ کسی پر ذرہ بھی ظلم نہیں کرتا۔ اس دنیا میں بھی آخر کار حق کا غلبہ ہو جاتا ہے اور مقابلۃً باطل مٹ جاتا ہے لیکن اکثر نادانوں کی توجہ دنیا کے ظاہری فوائد کی طرف ہوتی ہے۔ وہ صبر نہیں کر سکتے اور اس لئے آخری کامیابی کا منہ بھی نہیں دیکھ سکتے اسلئے فرمایا) اور آدمیوں میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی عبادت کنارے پر ہو کر کرتے ہیں (اور شک و تردد کی حالت سے نہیں نکلتے) پھر اگر اُسے کوئی خیر (اور دنیوی خوبی) پہنچ جائے تو وہ اس کے ساتھ مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اسپر کوئی آزمائش (اور بیماری و مقدمے وغیرہ کی تکلیف) پہنچ جائے تو وہ اپنے منہ پر اُلٹا پھر جاتا ہے۔ اُس نے دنیا اور آخرت (دونوں) میں نقصان اُٹھا لیا یہ بات جو ہے تو یہ صراحتاً نقصان ہے (اس سے اسے دنیا کے اعلیٰ فوائد اور آزادی بھی حاصل نہ ہوئی اور آخرت میں بھی گھاٹے والا بنکر پہنچا)

(۱۲) يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۚ ذٰلِكَ

هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ (خدا تعالےٰ کا فائدہ رساں ہونا تو عقلاً اور فطرتاً ثابت ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ کوئی فائدہ دیر یا سویر پہنچائے لیکن فائدہ ہمیشہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہی پہنچیگا۔ افسوس کہ مذکورہ بالا شخص ایسے قابل اعتبار خدا کو چھوڑ کر جو اُسے صبر سکھانا چاہتا ہے ان کمزوروں کی طرف مائل ہو جاتا ہے جو اُس کے اوپر تصرف نہیں رکھتے اور نہ وقت پر ساتھ دینے کے لئے موجود ہو سکتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے) وہ اللہ کو چھوڑ کر اُس کو پکارتا ہے (اور اس کے آگے اپنے دل میں دعائیں کرتا ہے جس کو اس کی دعاؤں کی کچھ بھی خبر نہیں اور) جو اُسے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا اور جو اُسے نفع بھی نہیں دے سکتا۔ یہ بات پرلے سرے کی گمراہی ہے۔

(۱۳) يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝ وہ اُسے پکارتا ہے جسکا ضرر یقیناً اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔ یقیناً وہ بہت بُرا دوست اور بالضرور وہ بہت بُرا ساتھی ہے (مشرک ایسی چیزوں کو پکارتا ہے جو اُسے اپنے اختیار سے نفع و ضرر نہیں دے سکتیں لیکن اس کے اعتقاد شرک کا نقصان تو اُسے ضرور ہی پہنچتا ہے اور مشرکوں کے ساتھ جو مداہنت وہ روا رکھتا ہے وہ بھی ایک قسم کا نقصان ہی ہے۔ ہاں وہ فوائد جو اس مشرک کو دوسرے مشرکوں سے مداہنت کے سبب سے مقصود ہوتے ہیں وہ بلاشبہ نہایت ادنےٰ ہوتے ہیں۔ اسی لحاظ سے کہا گیا ہے کہ اسکا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے)

(۱۴) اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝ (اگر کوئی مومن اس دنیا میں ابتلاؤں کے اندر ہی فوت ہو جائے تو) بلاشبہ اللہ تعالےٰ مومنوں اور صلاحیت والے عمل کرنیوالوں کو ایسے جنتوں میں داخل کرتا ہے جنکے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالےٰ وہی کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔

(۱۵) مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ۝ (خدا تعالےٰ نے اس رسول کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ خدا تعالےٰ ضرور اس کی مدد کریگا اور اس کو کامیاب بنائیگا اور مومن بھی ساتھ ہی کامیاب ہونگے اور کفار کے جبر مذہبی سے آزاد ہو جائیں گے۔ اگر کسی کو اس کامیابی میں شک ہے تو وہ اپنا پورا زور لگالے) جو شخص گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس (رسول) کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں کریگا پس چاہیئے کہ وہ آسمان کی طرف کوئی رسی لٹکائے (اور آسمان پر پہنچے) پھر چاہیئے کہ (خدائی مدد کے ذرائع کو) کاٹ ڈالے۔ پھر چاہیئے کہ دیکھے کہ اسکا یہ (ناممکن) داؤ اُس کے غیظ و غضب کو دُور کرسکتا ہے؟

(یہ بات ایک بھاری پیشگوئی ہے کہ ہمارے رسول کریم حق پر تھے۔ سماء کے معنی سماء ایت یعنی چھت کے بھی آئے ہیں۔ اس طرح اس آیت کے معنی یہ ہونگے کہ جو شخص گمان کرتا ہے کہ خدا اس رسول کی دنیا اور آخرت میں ہرگز مدد نہیں کریگا تو وہ چھت کی طرف رسی لٹکائے پھر پھانسی لے لے اور گلے کو کاٹ ڈالے۔ اس سے اس رسول کی مدد نہیں رُکیگی اور وہ مُنکر خاسر و خائب ہو کر خدا کے آگے پیش ہوگا)

(۱۶) وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝

(جسطرح ہمنے تیری کامیابی کی پیشگوئی کی ہے۔ اسی طرح ہمنے تیری کامیابی کا سامان بھی اُتار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا) اور اسی طرح ہمنے اس (قرآن) کو واضح آیات بنا کر اُتارا ہے (اور ایسے روشن دلائل سے فائدہ اسی کو ہوتا ہے جو نیک نیتی کے ساتھ کام لے جو ہدایت جیسی نعمت کو دھکا دیتا ہے خدا تعالےٰ بھی اُسے دھکا دیدیتا ہے) اور بات یہ ہے کہ اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

(۱۷) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى

وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ (ہمارا سچا رسول ہدایت میں تمام رسولوں کا مقتدی و مطیع تھا۔ قرآن مجید میں تمام رسولوں کی مشترکہ تعلیم ہے۔ قرآن مجید کافی و کامل و مکمل و تبیانٌ لکل شیٔ و تفصیلٌ لکل شیٔ ہے۔ قرآن مجید ہمیں خدا تعالےٰ کی طرف ہی بلاتا ہے اور خدا کو ہی کافی ثابت کرتا ہے۔ مذہب داروں نے غیروں کو خصوصیتیں دیکر اتحاد میں خلل ڈالدیا ہے۔ قرآن اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ مشرک آگ کی طرف بلاتے ہیں۔ مذہب دار اس بات کو اس دنیا میں صفائی کے ساتھ نہیں مان سکتے۔ اس کا کھلم کھلا فیصلہ پیشی کے دن ہی ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے اللہ کو مانا (اور خدا کی طرف ہی بلایا) اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے (جو کہتے ہیں کہ یہود کے بغیر کسی کی نجات نہیں) اور وہ جو لامذہب ہیں اور وہ جو عیسائی ہیں (جو کہتے ہیں کہ نصاریٰ ہونگے تب نجات ہوگی) اور وہ لوگ جو آتش پرست ہیں (جو یزدان و اہرمن دونوں کو خدا جانتے ہیں) اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا (اور بندوں کو خدا کے ساتھ مثلہٗ معہٗ ٹھہرایا) بلاشبہ اُن کے درمیان پیشی کے دن خدا خود ہی فیصلہ کرتا رہتا ہے۔ بلاشبہ اللہ کی ہر بات پر نظر ہے۔

(۱۸) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۝ (خدا تعالےٰ کے کافی ہونے پر اتنی شہادت ہی کفایت کرتی ہے) کیا تو نے (چشم بصیرت سے) نہیں دیکھا کہ اللہ جو ہے تو اُس کو وہ لوگ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب سجدہ کرتے ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے (اور تمام زمینوں کے) پہاڑ (یعنی

جمادات) اور درخت (یعنی نباتات) اور چلنے پھرنے والے (یعنی حیوانات) اور (صاحب اختیار قسم کے) بہت سے انسان بھی (سجدہ کرتے ہیں) اور بہت سے (صاحب اختیار انسان) ایسے ہیں جنپر عذاب ثابت ہو گیا ہے (وہ خدا سے ہٹ کر خود ذلت کو مول لے رہے ہیں) اور جس کو اللہ ذلیل کرے (اسلئے کہ وہ خدا سے پرے ہٹتا ہے) تو اُس کے لئے (دوسرے بزرگوں میں سے) کوئی عزت دینے والا نہیں (یہ عزت صرف خدا کے آگے ساجد ہونے سے ہی ملتی ہے۔ جب خدا کے سوا کہیں بھی عزت نہیں ملتی تو اللہ سے پرے ہٹنے والا اگر ذلیل ہو جائے تو اس سے خدا تعالیٰ پر کیا عیب لگ سکتا ہے سورج سے چھپنے والا خود ہی اندھا ہو جائیگا) بلاشبہ اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

(۱۹) هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ (ایک لوگ خدا تعالیٰ کو کافی سمجھتے ہیں اور اس کے آگے ساجد ہیں۔ دوسرے لوگ وہ ہیں جو خدا تعالیٰ کی رضامندی کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ یہی دو فریق ہیں جن کے متعلق فرمایا ہے) یہ دو جھگڑنے والے گروہ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے معاملے میں جھگڑا کیا سو اُن میں سے جو کافر ہیں اُن کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے گئے ہیں اُن کے سروں کے اوپر سے کھولتا پانی ڈالا جاتا ہے۔

(۲۰) يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ اس (کھولتے پانی) کے ساتھ (وہ چیزیں) جو اُن کے پیٹوں میں ہیں اور اُن کی جلدیں گلائی جاتی ہیں۔

(۲۱) وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ اور اُن کے لئے لوہے کے گرز ہیں

(۲۲) كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۣ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ جب کبھی وہ ارادہ کرتے ہیں کہ اس سے یعنی غم سے نکل جائیں۔ وہ اس میں لوٹائے جاتے ہیں اور (کہا جاتا ہے) جلنے کا عذاب

چکھو ابھی تمہارا نفس پاک نہیں ہوا۔ دنیا میں بدامنی کا موجب شرک ہے۔ توحید الٰہی سے امن و اتحاد ملتا ہے ۵/۱۔ سورت زمر میں ہے کہ شرک ایک آگ ہے۔ مومن آل فرعون کہتا ہے کہ اے میری قوم مجھے کیا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو یعنی تم مجھے اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں خدا کے ساتھ کفر کروں اور میں اس کے ساتھ اُن کو شریک کروں جنکی میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور میں تم کو اصل غالب اور اصل بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں ۲۴/۱۰۔ یہاں کفر و شرک کو آگ فرمایا ہے اور اسی لئے مذکورہ بالا آیات میں مشرکوں کے لئے آگ کے کپڑے ہی قطع کئے جاتے ہیں۔ شرک میں امن و تسلی نہیں ہوتی۔ گرم پانی کے سر پر گرنے سے بھی سخت بےچینی ہوتی ہے۔ یہ عذاب بطور علاج کے ہوتے ہیں۔ ان عذابوں سے نفوس انسانی کبھی ضائع نہیں ہونگے۔ انسان بلاشبہ بےچینی سے نکلنے کا ارادہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ غفلت یا بیہوشی یا نیند میں پڑ جائے۔ اسے غفلت سے بھی روک کر عذاب کے احساس کی طرف لوٹایا جاتا ہے بلکہ عذاب کو زیادہ بھڑکایا جاتا ہے)

رکوع سوم (۲۳) اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝ (اب مومنوں کے انعاموں کا ذکر کیا جاتا ہے) بلاشبہ اللہ تعالےٰ اُن لوگوں کو جو (خدا پر) ایمان لائے اور صلاحیت والے عمل کئے ان جنات میں داخل کرتا ہے جنکے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ وہ ان (جنتوں) میں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کئے جاتے ہیں اور ان (جنتوں) میں اُن کا لباس ریشم کا ہوتا ہے (جنتوں میں جو آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے وہ اسوقت ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے ۲۱/۱۵۔ جنت کی نعمتیں ہمارے فہم سے اعلیٰ ہیں۔ وہاں پہنچکر ہی اُن کی حقیقت ظاہر ہوگی۔ بادشاہ مقرب لوگوں کو سونے کے کنگن یا سونے کے تمغے دیا کرتے ہیں۔ یہ دنیا کی زندگی کے اسباب ہیں۔ اصل عزت اور حقیقی زیور

سچے اعتقادات اور صلاحیت والے اعمال اور صحیح اخلاق ہیں۔ جو اُتھ صلاحیت والے اعمال کرتے ہیں وہ بلاشبہ سونے کے کنگنوں سے آراستہ ہیں اور صحیح اعتقادات موتیوں کی طرح چمکنے والے ہیں اور خوش خلقی اور نرمی ریشمی لباس ہے)

(۲۴) وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝

اور (یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ) وہ پاکیزہ بات کی طرف ہدایت کئے گئے اور انھیں حمد والے (خدا) کے راستے کی طرف رہنمائی کی گئی ہے (جسطرح اس دنیا کے کام مادی قوتوں سے کئے جاتے ہیں۔ شہر اور پُل اور سڑکیں بنائی جاتی ہیں۔ کنوئیں اور نہریں کھودی جاتی ہیں۔ اسی طرح دوسرے عالم کی تیاری نیک نیتوں اور صحیح اعتقادوں اور ان کے مطابق عمل کرنے سے ہی ہوتی ہے۔ جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں وہ اپنے لئے ہی بچھونے بچھاتے ہیں ۲۱/۸ جو شخص نمازوں کو ضائع کرتے اور شہوات کی پیروی کرتے ہیں وہ قریب ہی اپنی گمراہی کو پالیتے ہیں ۱۶/۱۹ دوسرے عالم میں اپنی ہی نیکی بدی سامنے آجاتی ہے ۳/۱۱۱۔ انسان اگر ذرا سی خیر کرتا ہے تو اُسے دیکھ لیتا ہے اور یہی حال شر کا بھی ہے ۳/۹۹)

(۲۵) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (جب بدی کا نتیجہ اسقدر بُرا ہے تو جو لوگ کفر اور ظلم پر کاربند ہوتے ہیں اُن کا حال اس آیت سے ظاہر ہے) بلاشبہ وہ لوگ جو کافر ہوئے اور اللہ کے راستے (یعنی وعظ و نصیحت اور نیک مشورے) سے اور اس امن والی مسجد سے جس کو ہمنے لوگوں کے لئے ایسا بنایا ہے کہ جس میں (مکہ کا) رہنے والا اور باہر سے آنیوالا برابر ہیں روکتے ہیں اور جو شخص اس میں راہ راست سے ہٹ کر (یعنی مقرر کردہ قواعد سے مُنہ موڑ کر) کسی کے حق مارنے کا ارادہ کرے تو ہم اسے دردناک عذاب چکھاتے ہیں (خدا تعالےٰ نے اس گھر کو لوگوں کے لئے اکٹھ یعنی مشورے کی جگہ بنایا ہے ۱/۱۵ یہاں

تجارت اور شوریٰ اور حصول حقوق کے فائدے حاصل کئے جاتے ہیں۔ اس میں مقیم اور بدوی یعنی بیابانی کا یکساں حال ہے۔ رائے دینے میں کسی کے لئے کوئی کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ خدا تعالےٰ نے یہاں ہر ایک کو حریت و مساوات عطا کی ہوئی ہے۔ پس ایسی جگہ میں جو شخص قواعد سے الگ ہو کر دوسرے کے حق مارنے کا ارادہ کرے ضرور ہے کہ اُس کو ملکی قواعد کے مطابق سخت سزا دی جائے بلکہ اگر ضرورت ہو تو جنگ کی جائے)

رکوع چہارم (۲۶) وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝

(اللہ تعالےٰ نے اس گھر کے جائے وقوع کو صحت کے لحاظ سے مناسب جان کر خود ہی مقرر کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) اور جب ہم نے ابراہیم کے لئے اس گھر کے موقع کو مقرر کر دیا (یہ کہتے ہوئے) کہ میرے ساتھ کسی شے کو بھی شریک نہ بنانا (بلاشبہ ایک خدا کے ماتحت تمام دنیا کا اتحاد ہو سکتا ہے) اور (فرمایا کہ) میرے گھر کو چل پھر کر نماز پڑھنے والوں اور کھڑے ہو کر نماز قائم کرنیوالوں اور رکوع و سجدہ بجالانے والوں کے لئے پاک کر (یہ تمام نمازی اس گھر کے اندر مناسب انتظام کے ساتھ نماز پڑھیں۔ مسجد کے باہر تو ضرورتاً پڑھی جاتی ہے ورنہ اصل نماز کی جگہ اس مسجد کے اندر ہی ہے)

(۲۷) وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ اور تو (اے ابراہیم) لوگوں میں ایسے حج کا اعلان کر دے (جس سے لوگوں کے درمیان حریت و مساوات قائم ہو جائے) تاکہ لوگ تیرے پاس پیادہ چلکر آئیں اور ہر اس سانڈنی پر آئیں جو دور دور سے آتی ہیں۔

(۲۸) لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا

الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ تاکہ لوگ اپنے نفعوں پر حاضر ہوویں اور اپنی خوراک جانوروں کی صورت میں اپنے ساتھ لے جاویں اور ان کو غیروں کے نام پر ذبح نہ کریں بلکہ چاہیئے کہ) اسپر جو خدا نے انھیں بهيمة الانعام سے روزی دی ہے اللہ کے نام کا معلوم دنوں میں ذکر کریں۔ پھر تم اس کو کھاؤ۔ اور مصیبت زدہ محتاجوں کو بھی کھلاؤ (ضائع کرکے گڑھوں میں نہ دبا دو) ۔ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ اور اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ کی تشریح کے لئے دیکھو سورت بقرہ)

(۲۹) ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ پھر چاہیئے کہ اپنی میل کچیل کو دور کریں اور اپنی نذروں کو پورا کریں اور آزاد گھر میں چلیں پھریں (اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نماز طواف جو خدا پر قربان ہو کر چلتے پھرتے پڑھی جاتی ہے اس کے لئے اس آزاد گھر کے اندر ہی جگہ ہے۔ اگر اندر جگہ نہ رہے تو باہر بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے جیسا کہ تمام نمازوں کا قاعدہ ہے۔ میل کچیل کو دور کرنا حفظان صحت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جماعت میں وضو و غسل کرکے اور صاف ستھرے کپڑے پہنکر ہی شامل ہونا چاہیئے۔ اور مجلس کے انتظامات اور اخراجات کے لئے سرمایہ کی بڑی ضرورت ہے اس لئے فرمایا کہ جو نذر اللہ خدا کے راستے میں دینے کے لئے ساتھ لائے ہیں ادا کر دیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز طواف اسوقت ادا کی جائے جبکہ لوگ دوسری نمازوں سے فارغ ہو چکیں تاکہ بدانتظامی نہ ہو)

(۳۰) ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ بات یونہی ہے اور جو شخص اللہ کی روکی ہوئی چیزوں کو بڑا سمجھے (اور ان سے بچے) تو یہ اس کے رب کے نزدیک اس کے لئے بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے مویشی حلال ہیں مگر وہ (حلال) نہیں جنکی تم پر تلاوت

کی جاتی ہے۔ سو تم اُن پتھروں کی پلیدگی سے بچو (جن کی پوجا کی جاتی ہے) اور جھوٹی بات (اور روایت) سے بچو (اس آیت میں حجر اسود کے تقدس کو مٹایا گیا ہے اور اسے اُن حرمات میں داخل کیا گیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ لوگ جو اس کے متعلق جھوٹی روایتیں بیان کرتے ہیں اُن سے بھی بچنے کی تاکید کی ہے کوئی کہتا ہے اسے آدم علیہ السلام بہشت سے لائے تھے۔ پہلے اسکا رنگ نورانی تھا ہمارے گناہوں کے سبب سے سیاہ ہو گیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ)

(۳۱) حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ○ اکیلے خدا کی طرف متوجہ ہو کر اس کے ساتھ کسی کو ملانے کے بغیر (اوثان کی پلیدگی سے بچو) اور جو شخص خدا کے ساتھ شریک کرے (اور کسی خوبی کی بات میں دوسروں کو اسکا مثیل بنائے تو اسکا حال ایسا ہے) گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر اسے (شکاری) پرندے جھپٹ لیتے ہیں یا ہوا (یعنی خواہش نفسانی) اُسے دور مکان میں جا پھینکتی ہے (اور دھر یہ بنا دیتی ہے)

(۳۲) ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○ بات یونہی ہے جو شخص اللہ کے نام کی چیزوں (یعنی ہسپتالوں یتیم خانوں مسجدوں اور صدقات وغیرہ) کو بڑا جانے (اور اُن کے مفید بنانے میں مدد دے) تو یہ دلوں کے تقوے سے ہے۔

(۳۳) لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○ تمہارے لئے ان (صدقے کے جانوروں) میں ایک وقت تک نفعے ہیں (تم اُن سے کام لیتے ہو اور بوجھ لاد کر خانہ کعبہ میں غربا کی پرورش کے لئے لاتے ہو) پھر تم انھیں آزاد گھر کی طرف لاتے ہو (پھر وہاں ذبح کر کے

غریبوں کو کھلا دیتے ہو۔ یہ تمہارے لئے ایک بڑی نعمت ہے۔ اُن کو مشرکانہ طریقوں سے
مورلوٹ ماکر کے ضائع نہ کرو)

رکوع پنجم (۳۴) وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ
عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ
أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۝ (منسک کے تین معنی ہیں۔ اوّل خالص عبادت
کی جگہ۔ دوم خالص عبادت کے طریق۔ سوم
خالص اور سچی باتیں کرنا اور صحیح مشورے دینا۔ اس آیت میں منسک کے معنی طریقِ
عبادت کے ہیں۔ جہاں بھی سچی باتیں کی جائیں۔ اور جس طریق سے بھی ہو خالص خدا کی
عبادت کی جائے ان سب کے ساتھ شامل ہو جانا لازم ہے۔ قرآن فضول تفریقوں کا
حامی نہیں جیسا کہ ارشاد ہے) اور ہم نے ہر ایک اُمت کے لئے عبادت کا
کوئی نہ کوئی طریق (جائز) بنایا ہے (تمام اہل کتاب کی عبادتیں بتاتی ہیں کہ وہ
خدا کو ہی اصل جانتے ہیں۔ سو وہ کھانے کے لئے جو جانور لاتے ہیں اُن پر غیر کا نام کیوں
لیتے ہیں۔ بہر صورت مناسب ہے) تاکہ جو خدا نے اُن کو بہیمۃ الانعام سے روزی
دی ہے اس پر اللہ کے نام کا ہی ذکر کریں (کسی غیر کا نام نہ لیں تمام چیزیں اللہ تعالیٰ
کی مخلوق ہیں) سو تمہارا (یعنی سب اُمتوں کا) معبود ایک معبود ہے پس اس
کے آگے گردن رکھ دو۔ اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری دے۔

(۳۵) الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا
أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ وہ (عاجزی
کرنیوالے) وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل لرز
جاتے ہیں اور وہ جو اس پر صبر کرنیوالے ہیں جو مصیبت اُنھیں پہنچتی ہے
اور وہ جو نماز کے قائم کرنیوالے ہیں اور اس سے جو ہمنے اُنھیں رزق
دیا ہے خرچ کرتے ہیں (سب سے بڑھکر مال کا خرچ کرنا ہے اور مالی اخراجات میں سے
مقدم خرچ مسکین کا پیٹ بھرنا ہے۔ بیل اور اونٹ اگر ضرورت ہو تو اس میں ذبح کئے جاسکتے

ہیں۔ بیل اور اونٹ میں تمہارے لئے خدا کی رحمت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ تم خدا کے نام کی چیزوں کی بے قدری مت کرو۔ اور انھیں نوٹ مت نوچ جیسا کہ ارشاد ہے)

(۳۶) وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اور بڑے بدن والے حیوان (جیسا کہ اونٹ وغیرہ ہیں) ہم نے اُن کو تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں سے بنایا ہے۔ تمہارے لئے اُن میں بھلائی ہے (یعنی کہ دنیا کے بہت سے فوائد ہیں۔ تم اُن پر بوجھ لادتے ہو سواری کرتے ہو اور اُن کے ذریعے ہل چلاتے ہو۔ لیکن جب تم انھیں یہاں غریبوں کی مہمانی کے لئے لاتے ہو تو کیا اُسی وقت اُن کا ضائع کرنا اور گڑھوں میں پھینکدینا صحیح ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اصل فساد یہی ہے ۲/۹) سو تم اُن پر اللہ کے نام کا ذکر کرو (اس حال میں کہ وہ تین پاؤں پر کھڑے ہوں (اور ایک پاؤں اُن کا باندھا ہوا ہو) پھر جب وہ اپنے پہلوؤں کے بل گر پڑیں۔ سو تم خود بھی اُس سے کھاؤ اور اُن لوگوں کو جو لپٹ کر سوال نہیں کرتے اور دیگر مصیبت زدہ لوگوں کو بھی کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے اُن کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے تاکہ تم شکر کرو۔

(۳۷) لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (یہودی لوگ قربانیوں کے خون کو بیت المقدس میں خاص خاص جگہوں پر چھڑکا کرتے تھے اور گوشت کو جلا دیتے تھے اُن کے نزدیک قربانیوں کا گوشت اور خون اسطرح خدا کو پہنچ جاتا تھا۔ مکہ کے مشرک بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ مکہ غیر ذی زرع وادی میں تھا۔ یہ نہایت ہی مناسب تھا کہ جو لوگ

وہاں مشورہ کرے اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے جائیں اُن میں سے دولتمند اپنے ساتھ جانور لے جائیں تاکہ وہ اُنھیں ذبح کرکے خود بھی کھائیں اور غربا کو بھی کھلائیں۔ ان قربانیوں سے اتنا ہی مقصود ہوتا تھا کہ انسان اپنا اور غریبوں کا گذارہ چلائیں۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ جانوروں کو خواہ مخواہ ذبح کریں جیسا کہ ارشاد ہے، اللہ کو ان (قربانیوں) کے گوشت وخون نہیں پہنچتے ولیکن اُس کو تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے (انسان میں خدا کا خوف پیدا ہو اور خلقت کی بہتری کے لئے کام کرے تو یہی تقویٰ ہے۔ قربانیوں کی خاص صورت میں بلاضرورت جانوروں کو ہی مٹاتے جانا بیشک تقویٰ کے برخلاف ہے جب کوئی چیز اپنے مقصود سے خالی ہو جاتی ہے تو لغو بن جاتی ہے) اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے تاکہ تم اس پر خدا کی بڑائی بیان کرو جو اس نے تم کو ہدایت دیدی ہے (پچھلے مذاہب میں کوئی قربانیوں کو کفارہ بتاتا تھا۔ کوئی کفارے کے قائم مقام سمجھتا تھا۔ خدا تعالےٰ نے قرآن میں ٹھیک راستہ بیان کر دیا ہے۔ پس ضرور ہے کہ ہم خدا کے فہم دینے پر شکر کریں) اور تو ان لوگوں کو خوشخبری دے جو ہر کام کو خوبی کے ساتھ بجا لاتے ہیں (اور کوئی کام اندھا دھند نہیں کرتے)

(۳۸) اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ بلاشبہ اللہ تعالےٰ (ان بلاؤں کو اور کفار کے فضول اعتراضوں کو) ایمانداروں سے دفع کرتا رہتا ہے۔ بلاشک خدا تعالےٰ کسی خیانت کرنیوالے ناقدر دان کو دوست نہیں رکھتا۔

رکوع ششم (۳۹) اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ (جب مسلمان مکہ میں تھے تو وہ توحید الٰہی اور انسانوں کو حریت و مساوات کا سبق دیتے تھے۔ مشرک لوگ اکیلے خدا کی عبادت سے نفور تھے۔ اُنھوں نے لوگوں کو لونڈی غلام بنایا ہوا تھا۔ وہ مسلمانوں کو ہر طرح سے ستاتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ میری زمین فراخ ہے سو تم جہاں جاؤ میری ہی عبادت کرو۔ مسجد حرام اپنی مجلس شوریٰ کے سبب سے مکہ کے مقیم کے لئے بھی ویسی ہی آزادگی

جیسی کہ باہر سے آنیوالے کے لیے مشرکوں نے اہل اسلام کو ایسا حق دینا نہ چاہا۔ مسلمان ہجرت کرکے مدینے میں چلے گئے۔ انصار نے اُنھیں مدد دی۔ مشرکوں نے چاہا کہ یہاں بھی اُن کے قدم ٹکنے نہ دیئے جائیں۔ اُنھوں نے وہاں بھی اُن پر حملہ کیا۔ اسلئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے) ان لوگوں کے لئے جن کے ساتھ (اتنے فاصلے پر ہجرت کرکے بھی) جنگ کی جارہی ہے (اللہ کی طرف سے بھی جنگ کی) اجازت دیگئی ہے یہ بسبب اس کے ہے کہ بلاشبہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ اللہ اُنکی مدد پر ضرور قادر ہے۔

(۴۰) اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے (جو مکہ میں تھے) بغیر کسی حق کے صرف اتنی بات پر نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے (اور جب بات یہ ہے کہ مشرکوں کو خدا کے نام سے اسقدر نفرت ہے۔ وہ ایک مالک کی حکومت کو سُن ہی نہیں سکتے تو اُن سے اہل کتاب کے عبادتخانے اور درویشوں کے وہ مقام جہاں وہ الگ بیٹھکر ذکر الٰہی کرتے ہیں۔ وہ بھی خطرے میں ہیں۔ پس اُن کی غاصبانہ اور ظالمانہ جنگوں کی مدافعت کرنی ضروری ہے۔ جیساکہ فرمایا) اگر اللہ بعض آدمیوں کے ظلم کو دوسرے بعض لوگوں کے ذریعے سے نہ ہٹاتا تو درویشوں کے عبادتخانے اور گرجے اور یہود کے عبادتخانے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالےٰ کا نام بہت لیا جاتا ہے۔ گرادیئے جاتے۔ اور اللہ ضرور اُس کی مدد کریگا۔ جو خدا (کے حق و عدل والے راستے) کی مدد کریگا۔ بلاشبہ اللہ تعالےٰ جو ہے تو وہ بڑا طاقتور اور غالب ہے۔

(منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمے کنم ۔ منت ازو بداں کہ بخدمت بداشتت)

(۴۱) اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ○ (اگر ہم انھیں اس ملک کی حکومت پر فائز کر دینگے تو یہ ایسے بادشاہ ہی نہیں گے جو دنیا کو اعلیٰ ترقیات پر پہنچا دیا کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین میں طاقت (و حکومت) دیں تو یہ (خدا کی) نماز قائم اور زکوٰۃ ادا کریں اور معقول بات کا حکم کریں اور نامعقول سے روکیں۔ اور کاموں کے نتائج اللہ کی طرف ہی موڑے جاتے ہیں (یعنی تمام کاموں کے نتائج خدا تعالیٰ کے سپرد ہیں)

(۴۲) وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ فَقَدْ کَذَّبَتْ قَبْلَھُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ

اور اگر وہ تجھے جھٹلائیں (اور کہیں کہ حق کامیابی کا منہ نہیں دیکھیگا) سو تحقیق ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود نے جھٹلایا۔

(۴۳) وَقَوْمُ اِبْرٰھِیْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ○ اور ابراہیم کی قوم نے اور لوط کی قوم نے (بھی جھٹلایا)

(۴۴) وَاَصْحٰبُ مَدْیَنَ وَکُذِّبَ مُوْسٰی فَاَمْلَیْتُ لِلْکٰفِرِیْنَ ثُمَّ اَخَذْتُھُمْ فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ ○ اور مدین والوں نے (بھی جھٹلایا) اور موسیٰ بھی جھٹلایا گیا۔ پھر میں نے کافروں کو ڈھیل دی۔ پھر میں نے انھیں پکڑ لیا۔ پس میرا انکار کیسا ہوا (میرے انکار اور نافرمانی کا کیسا نتیجہ نکلا)

(۴۵) فَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا وَھِیَ ظَالِمَۃٌ فَھِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَۃٍ وَّقَصْرٍ مَّشِیْدٍ ○ اور کسقدر بستیاں گذر چکی ہیں جنہیں ہمنے ہلاک کیا اس حال میں کہ وہ ظالم تھیں۔ سو وہ اپنی چھتوں پر گری ہوئی ہیں اور کسقدر بیکار کنوئیں پڑے ہیں اور

چونے گچ محل ویران پڑے ہیں۔ اُن ویرانوں کے کنوؤں اور چونے گچ محلوں سے کام نہیں لیا جاتا۔ یہی حال وہاں کی مسجدوں کا بھی ہوتا ہے)

(۴۶) اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ پھر کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ اُن کے لئے (سمجھدار) دل ہوتے جن کے ساتھ وہ سمجھ کا کام لیتے۔ اور کان ہوتے جن کے ذریعے سے وہ (حقیقت) باتوں کو سنا کرتے۔ سو بلاشبہ بات یہ ہے کہ اُن کی (پیشانی پر) آنکھیں اندھی نہیں ہیں ولیکن وہ دل اندھے ہیں جو صدر مقام میں ہیں (صدر سے مراد سینہ ہے یا جسے اہل علم مرکز قرار دیتے ہیں)

(۴۷) وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ (اللہ تعالیٰ انکو سمجھاتا ہے اور صبر کرنا سکھاتا ہے مگر یہ لوگ جلد بازی سے باز نہیں آتے جیسا کہ ارشاد ہے) اور یہ لوگ تجھ سے عذاب کو جلدی مانگتے ہیں اور (ظاہر ہے کہ) اللہ اپنے وعدے کا ہرگز خلاف نہیں کریگا (ہاں دیر سویر کا معاملہ الگ ہے۔ اگر تم ہزار سال بھی سختی دکھلاؤ تو آخر بکڑے جاؤ گے۔ خدا کے نزدیک ہزار سال اور ایک دن یکساں ہیں جیسا کہ فرمایا) اور بلاشبہ تیرے رب کے نزدیک ایک دن ہزار سال کی مانند ہے۔ جیسا کہ تم گنتے ہو (خدا تعالیٰ زمانے سے پاک ہے۔ اُس کے سامنے ہزاروں سالوں کی بات کسی طرح حاضر ہے جسطرح آجکل کی بات۔ پس اگر عذاب میں دیر ہو جائے تو زیادہ سختیوں پر اُترنا ظالموں کا ہی کام ہے۔ انجام میں لوگ اگر ڈر جائیں تو فائدہ اُٹھا سکتے ہیں)

(۴۸) وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ (اس کے بہت سے نمونے تم پہلے بھی دیکھ چکے ہو جیسا کہ ارشاد ہے)

اور کتنی بستیاں ہو چکی ہیں جنہیں میں نے مہلت دی اس حال میں کہ وہ ظالم تھیں۔ پھر میں نے انھیں پکڑ لیا اور میری طرف ہی سب کی بازگشت ہے (خدا تعالیٰ نے یہاں اپنے متعلق واحد کی ضمیر لاکر دکھایا ہے کہ انصاف کے دن کا اختیار صرف میرے ہی ہاتھ میں ہے)

رکوع ہفتم (۴۹) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

تو کہدے اے لوگو میں تمہارے لئے صریح ڈرانے والا ہوں (جبر مذہبی کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں آخرت میں ہر شخص کو اپنے اپنے اختیاری فعلوں کا ہی اجر ملیگا)

(۵۰) فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

سو وہ لوگ جو ایمان لائے اور صلاحیت والے کام کئے تو اُن کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

(۵۱) وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں میں کوشش کی کہ انھیں عاجز کردیں (اور اپنے قومی رسم و رواج سے انھیں دبادیں) تو یہی لوگ سخت جہنم والے ہیں۔

(۵۲) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (وحی الٰہی تو نور ہی نور ہے۔ عقل و حکمت سے کام لینا بھی بلاشبہ مفید ہے۔ لیکن جو شخص عقل و حکمت کے دخل کے بغیر محض چاؤ یا خواہش سے کوئی کام کرتا ہے تو اُس میں دخل شیطانی ضرور ہو جاتا ہے۔ محض جذبات و خواہشات کا تعلق شیطان کے ساتھ ہے۔ رسل و انبیاء وحی الٰہی کو پہنچاتے تھے۔ عقل و حکمت

کے مطابق بھی کام کرتے تھے لیکن ہر رسول و نبی اپنی قوم کو راضی کرنے کے لئے محض خواہش میں بھی پڑ جاتا تھا اور قانون الٰہی ہے کہ محض خواہش میں دخل شیطانی ضرور ہو جاتا ہے اسطرح سے بہت سی چیزیں رسل و انبیا کے نام پر جاری تھیں۔ علم والے لوگ کلام الٰہی کے مقابلے میں ان رسموں کی کچھ پروا نہیں کرتے تھے لیکن جن کے دل میں انسان پرستی کی بیماری ہوتی ہے اور جن کے دل خدا کی یاد سے سخت ہوتے ہیں اور جن کے دل میں خدا کی اطاعت کی قدر نہیں ہوتی اُن کے لئے نبیوں کے وہ رسم و رواج فتنے کا باعث بن جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان اصلاح کرنے والوں نے نبیوں کے حکموں کو توڑ دیا ہے۔ حالانکہ وہ خود خدا کی آیات کو دباتے اور بندوں کی سندوں سے خدا کی آیات کو عاجز کرتے اور مٹاتے ہیں اور آیات کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ حج اور کئی ایک اور تعاملوں میں ایسی باتیں جاری تھیں اللہ تعالےٰ اس قرآن میں جو ہمیشہ کے لئے دستور العمل ہے ان شیطانی القاؤں کو مٹاتا اور منسوخ کرتا ہے اور اپنی آیات کو محکم بناتا ہے چنانچہ ارشاد ہے) اور ہمنے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا مگر جب وہ تمنا کرتا تھا تو شیطان اس کی تمنا میں کچھ ڈال دیتا تھا سو (اس قرآن میں جو ہمیشہ کے لئے ہے) اللہ شیطانی القاؤں کو منسوخ کرتا ہے۔ پھر اپنی آیتوں کو محکم بناتا ہے۔ اور اللہ علم والا درست کار ہے۔

(۵۳) لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝ (اسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے) تاکہ وہ (اللہ) اس کو جو شیطان ڈالتا تھا ان لوگوں کے لئے فتنے کا موجب بنا دے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں اور بلاشبہ (یہ بات واضح ہے کہ) جو ظالم ہوتے ہیں وہ دور کی مخالفت میں پھنسے ہوتے ہیں (اُن کے لئے لازم ہے کہ وہ ایسے ہی نتیجے نکالیں اور حق کے حامیوں کو نبیوں کے مخالف بتائیں)

(۵۴) وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا

بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ اور تاکہ (اس قرآن کی تعلیم کو دیکھکر) وہ لوگ جن کو اصل علم دیا گیا ہے جان لیں کہ یہ (قرآن) تیرے رب کی طرف سے اصل حق ہے پس وہ اسپر (پختہ) ایمان لائیں پھر اس (خدا) کے لئے ان کے دل عاجزی کرنیوالے بن جائیں اور بلاشبہ اللہ (اسطرح) مومنوں کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے (وہ سیدھا راستہ خدا کی اطاعت و عبادت ہی ہے جیسا کہ فرمایا ہے کہ اللہ رحمٰن میرا رب اور تمہارا رب ہے سو تم اُس کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ ان آیات سے حدیثوں کی حقیقت اور تعالیوں کی اصلیت کا خوب پتہ لگتا ہے)

(۵۵) وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝ اور کافر لوگ ہمیشہ اس (قرآن) کی طرف سے شک میں رہیں گے یہانتک کہ ان پر وہ (موت کی) گھڑی اچانک آجائے یا اس دن کا عذاب آجائے جس میں کوئی خیر و خوبی نہیں ہوتی۔

(۵۶) اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۚ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ اس دن اللہ کا ہی اختیار ہوتا ہے۔ وہی اُنکے درمیان فیصلہ کرتا ہے (وہاں کوئی حمایتی و سفارشی دخل نہیں دیسکتا) پھر وہ لوگ جو ایمان لائے اور صلاحیت والے عمل کئے۔ وہ نعمت کے باغوں میں ہوتے ہیں۔

اور وہ لوگ جو کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا (جن کو خدا

اس قرآن میں محکم بنا رہا ہے) سو یہ لوگ وہی ہیں جن کے لئے رسوا کرنیوالا عذاب ہے

رکوع ہشتم (۵۸) وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ (مکہ میں ہر شخص کے لئے امن تھا۔ وہاں مقیم و مسافر کو یکساں سمجھا جاتا تھا لیکن مسلمانوں کو وہاں سے صرف اسلئے نکالا گیا کہ وہ اللہ کو ہی اپنا رب کہتے تھے۔ پھر پیچھے سے اُن کی بیخکنی کے لئے حملے بھی کئے جاتے تھے۔ اس بے سروسامانی میں مسلمانوں کی بہت سی جانیں بھی ضائع ہوئیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ اُن کے متعلق فرماتا ہے) اور وہ لوگ جو اللہ کے راستے میں (یعنی اپنے ایمان کو بچانے کے لئے) ہجرت کرتے ہیں پھر وہ مارے جاتے ہیں یا (بے سروسامانی کی حالت میں) مر جاتے ہیں تو ضرور اللہ اُن کو (دوسرے عالم میں) اچھی روزی دیگا۔ اور بلاشبہ اللہ بہت اچھا رزق دینے والا ہے۔

(۵۹) لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝

البتہ وہ اللہ اُنھیں ضرور ایسے مرتبے میں داخل کریگا جسے وہ پسند کرینگے اور بلاشبہ اللہ ضرور (ظالموں کے ظلم کا) علم رکھنے والا (اور) بردبار ہے

(۶۰) ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ یہی بات (صحیح) ہے اور جس نے بدلا لیا مثل اس کے جو اُس کو دُکھ دیا گیا ہے پھر اس پر (دوبارہ) سرکشی کی گئی تو اللہ (اس دنیا میں بھی) اس کی ضرور مدد کریگا۔ بلاشبہ اللہ درگزر کرنیوالا بخشنے والا ہے۔

(۶۱) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ (یہ مدد) اسلئے ہے کہ اللہ رات کو

دن میں لے آتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے (اور یوں دکھاتا ہے کہ قوموں کا عروج و زوال میرے ہی ہاتھ میں ہے) اور یہ (بھی دکھاتا ہے) کہ اللہ (مظلوم کی فریاد کو) سننے والا (اور ظالم کی شرارت کو) دیکھنے والا ہے۔

(۶۲) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝ یہ (تصرفات) اسلئے (ہوتے ہیں) کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ کہ جن کو لوگ اُس (خدا) کے سوائے پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور یہ کہ اللہ جو ہے تو وہی عالی مرتبہ بزرگوار ہے (کوئی اس پر غلبہ نہیں پا سکتا اور کوئی اُس کی مرضی کو توڑ نہیں سکتا)

(۶۳) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ (قرآن مجید کی عام عادت ہے کہ اپنے دلائل قدرتی اشیاء سے ہی لیتا ہے۔ ملاحدہ اس حقیقت کے منکر ہیں۔ وہ قدرتی دلائل کو قابل شکست سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہاں ثمرۂ اعمال کو دکھلانے کے لئے قدرتی مثال بیان کرتا ہے) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا پھر زمین سبز ہی سبز ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ اللہ باریک بین خبر والا ہے۔

(۶۴) لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ (جنس) زمین میں ہے اسی کے لئے ہے (وہ ہر چیز میں مناسب تغیر کرتا رہتا ہے) اور بلاشبہ اللہ جو ہے تو وہی بے پروا تعریف والا ہے۔

رکوع نہم (۶۵) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (دنیا کی

تمام اقوام میں رسول و نبی آئے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے اوپر ثابت کیا ہے کہ ان کے مقابل اور روایات اصل دین میں کوئی حجت نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالےٰ قرآن مجید کو ہی محکم بنا رہا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ علم والا حکمت والا ہے۔ آگے صرف قدرتی دلائل سے ہی اصل توحید الٰہی اور انسانی حریت و مساوات کو قرآن مجید اصل قرار دیتا ہے۔ مسلمانوں نے اسلام میں ملک عرب کی خصوصیات کو گھسیڑ دیا ہے تاکہ دین اسلام کو ایک الگ فرقہ بنایا جائے اس سے اسلام دنیا کے لئے ایک ایسا طریق بن جاتا ہے جیسے کہ دوسرے قومی مذاہب اس رکوع میں خدا تعالےٰ کی اطاعت کی ضرورت دکھا کر ثابت کیا ہے کہ رسمی طریقے کسی دین کی عظمت کا باعث نہیں ہیں۔ اصل مقصود خدا تعالےٰ کی طرف بلانا اور معقول ہدایت پر چلنا ہے۔ پہلے اللہ تعالےٰ کا غنی و حمید یعنی کافی و کامل ہونا دکھلانے کے لئے فرمایا) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے اور (خاصکر) کشتیوں کو جو سمندر میں خدا کے حکم سے جاری ہوتی ہیں کام میں لگا دیا ہے اور (ایتھریں) سما کو زمین پر گرنے سے تھاما ہوا ہے۔ ہاں وہ اس کے اذن سے زمین پر گر سکتا ہے (اللہ تعالےٰ فرماتا ہے بلاشبہ اللہ آسمانوں اور زمین کو بے موقع ہو جانے سے روکے ہوئے ہے اور اگر وہ بے موقع ہو جائیں تو خدا کے سوا کوئی انھیں سنبھال نہیں سکتا۔ بلاشبہ خدا حلم والا بخشش والا ہے۔ ایتھر کے سبب سے کشش کا ظہور ہوتا ہے۔ اگر ایتھر میں خلل واقع ہو جائے تو تمام ستاروں کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ خدا ایسا کر سکتا ہے لیکن اس کی رافت و رحمت اُسے ایسا کرنے سے روک رہی ہے) بلاشبہ اللہ لوگوں کے ساتھ رافت والا رحم والا ہے۔

(۶۶) وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝ اور وہی خدا تو ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارتا ہے۔ پھر تمہیں (اس موت کے بعد) زندگی بخشتا ہے۔ بلاشبہ انسان بڑا ہی ناشکر گزار ہے (خدا کی رافت و رحمت کے مقابلے میں انسان کی ناشکر گزاری دکھائی گئی ہے)

(۶۷) لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ۝

(انسان کے لئے اصل چیز خدا کی طرف بلانا اور معقول ہدایت پر چلنا ہی ہے۔ عبادت کے طریقوں کو اصل ٹھہرانا سرتاپا غلط ہے۔ چنانچہ فرمایا) ہم نے ہر امت کے لئے ایک نہ ایک عبادت کا طریقہ کہ وہ اسپر چلنے والے ہیں (جائز) بنا دیا ہے سو وہ تیرے ساتھ اصل حقیقت میں جھگڑا نہ کریں اور (وہ اصل حقیقت یہ ہے کہ) تو اپنے رب کی طرف بلا۔ بلاشبہ تو مستقیم ہدایت پر ہے

(۶۸) وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ اور اگر یہ لوگ تیرے ساتھ (اس بات میں) جھگڑا کریں تو تو کہدے کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔

(۶۹) اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝

اللہ تمہارے درمیان پیشی کے دن ان باتوں میں فیصلہ کرتا ہے جن میں تم (فضول) اختلاف کرتے تھے۔

(۷۰) أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ (تمہیں اصل حقیقت کا علم نہیں خدا سب کچھ جانتا ہے) کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہی جانتا ہے جو آسمان اور زمین میں ہے۔ (اس کے آگے سب کچھ عیاں ہے) بلاشبہ یہ (تمام مخلوقات) صحیفۂ فطرت میں موجود ہے۔ بلاشبہ یہ بات اللہ پر آسان ہے (اس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی)

(۷۱) وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا

وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ اور یہ لوگ (ایسے خدا کو چھوڑ کر) اس کے سوائے ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے ساتھ خدا نے (اپنی وحی میں) کوئی دلیل نہیں اُتاری اور جس کا ان کو کوئی علم نہیں (یعنی ان کے پاس کوئی عقلی و فطری دلیل بھی موجود نہیں) اور (ظاہر ہے کہ) ایسے ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

(۷۲) وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمُ ۭ اَلنَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ اور جب اُن پر ہماری روشن آیات (جو ہم نے قرآن میں نازل کی ہیں) پڑھی جاتی ہیں تو تو کافروں کے چہروں میں ناراضگی کو دیکھتا ہے قریب ہوتے ہیں کہ وہ ان لوگوں پر حملہ کریں جو اُن پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں (آجکل مسلمانوں کا بھی یہی حال ہو رہا ہے) تو کہہ پھر کیا میں تم کو تمہارے اس (غضب) سے زیادہ بُری چیز کی اطلاع دوں۔ وہ آگ ہے۔ جسکا وعدہ اللہ نے ناقدردان لوگوں کے ساتھ کیا ہوا ہے اور وہ (آگ) بُری جائے بازگشت ہے۔

رکوع دہم (۷۳) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ (ان تمام سورتوں میں خاص طور پر تمام مخلوقات کی خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے کمزوری دکھلائی گئی ہے۔ بندے خدا تعالیٰ

کے نہ معشوق ہو سکتے ہیں نہ بنتے۔ بندہ ہمیشہ بندہ ہی رہتا ہے۔ اسے ہر وقت خدا تعالیٰ سے فیض حاصل کرنے کی ضرورت رہتی ہے۔ جب بندہ کبھی معبود نہیں بن سکتا اور نہ خدا کے ساتھ کسی بات میں بھی مثلہٗ معاً ہو سکتا ہے تو بندے کو کسی وقت خدا کے ساتھ ملانا اور شرک کی بلا میں مبتلا ہو جانا نہایت ہی بُرا ہے۔ اسی سورت میں بیان کیا گیا ہے کہ مشرک کا یہ حال ہے کہ گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ اس سورت کے اس رکوع میں بھی یہی ذکر ہے جیسا کہ فرمایا) اے آدمیو! (اب تمہارے لئے) ایک مثال بیان کیجاتی ہے سو تم اسے کان دھر کر سنو۔ بلاشبہ وہ لوگ جن کو تم اللہ کے سوائے پکارتے ہو وہ ہرگز ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اور اگرچہ اُس کے پیدا کرنے کے لئے سب اکٹھے ہو جائیں۔ اور اگر اُن سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو وہ اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ ان کے طالب بھی ضعیف ہیں اور ان کے مطلوب بھی ضعیف ہیں (لوگ غیر اللہ کو مطلوب بنا رہے ہیں اور آپ ان کے طالب بن رہے ہیں۔ دونوں ہی قدرت میں ضعیف اور عقل میں کمزور ہیں۔ مقدم مرضی صرف ایک ہے جس کو توڑنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ تمام مخلوقات ضعفا اور فقرا کی صف میں داخل ہے)

(۴) مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝

(اصل قوی و عزیز ایک خدا ہے۔ افسوس) ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جو اُس کی قدر کرنے کا حق تھا۔ بلاشبہ اللہ بالضرور قوی و عزیز ہے۔

(۵) اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ اللہ (خود ہی) فرشتوں سے اور انسانوں سے رسول چنتا ہے (انھیں اپنے ساتھ اپنے خاصوں میں شریک نہیں بناتا) بلاشبہ اللہ (خود ہی) سننے والا دیکھنے والا ہے۔

(۶) یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ○ خود ان (رسولوں) کے جو کچھ آگے (آنیوالا) ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے (جسے وہ بھلا چکے ہیں) وہ (خدا) ہی جانتا ہے اور تمام نتائج اللہ کی طرف ہی موڑے جاتے ہیں (نتیجہ ان رسولوں کے ہاتھ میں نہیں ہوتا)

(۷) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (جب بات یہ ہے تو) اے (خدا کے) ماننے والو خدا کے آگے جھک جاؤ اور (ذلیل ہو کر) سجدے میں گر جاؤ اور اپنے رب کے پجاری بن جاؤ (اسی کی مرضی کو مقدم جانو اور اس کی رضا کے ساتھ کسی کی رضا کو اور اس کے غضب کے ساتھ کسی کے غضب کو مت ملاؤ) اور (مخلوقات کے ساتھ) خیر کماؤ تاکہ تم فلاح پاؤ (بلاشبہ خدا کی عبادت اور مخلوقات کی حریت و مساوات ہی اصل چیزیں ہیں)

(۸) وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ○ اور اللہ کے معاملے میں ایسی کوشش کرو جو اُس خدا کے لئے (تمہاری طاقت کے مطابق) کوشش کرنے کا (تم پر) حق ہے۔ اُسی نے تم کو (اپنی توحید کے پھیلانے کے لئے) چن لیا ہے اور اس خدا نے تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں ڈالی (اور کسی تکلیف دہ اور فضول طرز عمل کو لازم نہیں ٹھہرایا۔ یہی خدائی دین ہے۔ یہ رسول

بھی اسی کا پیرو ہے۔ یہی طریق ہمیشہ سے جاری ہے۔ ابراہیمؑ جو تمہارا باپ ہے اس کا بھی یہی طریق تھا۔ وہ تمام راستبازوں کے لئے باپ کی طرح مہربان تھا۔ وہ دین میں تنگیاں ڈالنے سے بیزار تھا۔ سو تم) اپنے باپ ابراہیم کے طریق پر (چلو اور دین میں تنگی نہ ڈالو) اس (ابراہیم) نے تمہارا نام پہلے (یعنی اپنے وقت میں بھی) اور اس (رسول کے) زمانے میں بھی مسلم رکھا تھا تاکہ (تمہارا دین کسی انسان کی طرف منسوب نہ ہو اور تم ابراہیمی یا محمدی نہ بنو بلکہ خدا کے مسلم بنو۔ زمین و آسمان والے سب خدا کے ہی مسلم ہیں ہے۔ نبی تو خدا کے دین کی گواہی دینے والے ہیں جیسا کہ تم بھی آگے گواہی دو گے۔ پس اس دین کا تعلق صرف خدا کے ساتھ ہے۔ اس نبی کا کام یہ ہے) تاکہ یہ رسول تم پر گواہی دے اور تم لوگوں پر (اسی طرح) گواہ بنو (اس دین کا تعلق خدا کے ساتھ ہے) سو تم نماز کو قائم کرو اور (غربا کی اصلاح کے لئے) زکوٰۃ دو اور اللہ کو مضبوط کر کے پکڑو۔ وہی تمہارا مولیٰ ہے۔ سو وہ خوب مولیٰ ہے اور خوب مددگار ہے (اے خدا ہمارا ولی بن اور ہماری مدد فرما۔ آمین)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُورۃ المومنون

مضمون اور نظم و ربط

سورہ سابقہ میں ذکر ہے کہ حج میں ملک عرب کے لوگ پیدل اور اونٹنیوں پر چڑھکر آیا کرتے تھے اور مکے میں ملک کے انتظام اور حقوق طلبی کے لئے مشورے کیا کرتے تھے خدا نے دوسری قوموں کے لئے بھی منسک یعنی اصلاح کی جگہیں بنائی تھیں۔ ایسے اجتماعوں سے ملک کی اصلاح اور ترقی کے لئے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس سورۃ میں فرمایا ہے کہ مومنوں کی فلاح و نجات کے اصل اسباب یہ ہیں کہ وہ اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں۔ وہ بیہودہ اور بے فائدہ باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ وہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ وہ شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہ اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت کرتے ہیں۔ یہ سب کام نماز میں داخل ہیں۔ جنات الفردوس کے ملنے کے یہی اسباب ہیں۔

پھر رکوع چہارم میں مومنوں کی صفت میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کے خوف سے لرزتے ہیں اور اپنے رب کے دلائل پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ وہ عاجزوں کی مدد کے لئے دیتے ہیں جو دیتے ہیں۔ اور اُن کے دل اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ ہم نے اپنے خدا کے آگے پیش ہونا ہے یہ لوگ اصل خیرات کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور ان میں ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر کوششیں کرتے ہیں۔ ان آیات میں کسی ملک کے حج کی کوئی خصوصیت نہیں دکھلائی گئی۔

پہلی سورتوں میں انبیاء کو بندوں کی صف میں ہی شامل کیا گیا ہے۔ اس سورۃ میں دکھایا ہے کہ نبی مومنوں کی صف میں ہی داخل ہے۔ تمام نبی مومنوں میں ہی شامل ہیں ۱۱/۱۶ ، ۳/۸۰۳ وہ خدا تعالےٰ کی صف میں ہرگز ہرگز نہیں بٹھائے جا سکتے اور کسی بات میں بھی خدا کے ساتھ مثلہ معہ نہیں بنائے جا سکتے۔

جہنمی جہنم میں اپنی گمراہی کا اقرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس جہنم سے نکال دے۔ پھر اگر ہم ایسے کام کرینگے تو بلاشبہ ہم ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بلاشبہ میرے بندوں میں سے ایک جماعت تھی جو کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے سو تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ سو تم نے اُن کو ٹھٹھے میں اُڑایا۔ یہاں تک کہ وہ تم کو میری یاد کے بھلا دینے کا موجب بن گئے اور تم اُن سے ٹھٹھا کرتے تھے الخ ۱۰۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکوں سے توحید الٰہی کا ذکر سُنکر مشرک برانگیختہ ہو جاتے ہیں اور اُن کی ضد کے سبب خدا کو بھی بھلا دیتے ہیں۔ یہی حال رسل و انبیاء کے ساتھ ٹھٹھا کرنے کا بھی ہے۔

گزشتہ سورۃ میں انبیاء کی ان باتوں کی جن میں دخل شیطانی ہوتا ہے تردید کر کے قرآن مجید کا محکم ہونا دکھلایا گیا ہے۔ اس سورت میں جہنمیوں کو کہا گیا ہے کہ میری آیتیں تم پر پڑھی جاتی تھیں سو تم تکبر کر کے اپنی ایڑیوں پر مڑ جاتے تھے۔ تم قرآن کے مقابلے میں کہانیاں سناتے تھے اور قرآن کو چھوڑ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں حق ہے۔ یہ قرآن اُس حق کا منشا ہونے کے سبب سے حق ہے۔ اگر حق تعالیٰ لوگوں کی خواہشوں پر چلتا تو آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے سب بگڑ جاتے۔ یہ قرآن خدا کا بھیجا ہوا ہی ذکر ہے۔ لوگ اسی سے ہی مُنہ موڑ رہے ہیں۔ سورۂ حج میں شرک کی خوب تردید کی گئی ہے اور فرمایا ہے کہ لوگ جن کو خدا کے سوائے پکارتے ہیں وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اور اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ طالب و مطلوب سب ضعیف ہیں اس سورت میں مشرکین سے پوچھا گیا ہے کہ اگر تمہیں علم ہے تو بتاؤ کہ زمین اور جو اس میں ہے کس کا ہے۔ تو مشرکوں کو بھی کہنا پڑتا ہے کہ یہ اللہ کامل مطلق کے لئے ہی ہے۔ پھر اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ ساتوں اقلیم آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے تو مشرکوں کو ماننا پڑتا ہے کہ یہ ربوبیت بھی خدا کا ہی خاصہ ہے پھر سوال کیا جاتا ہے کہ اگر تمہیں علم ہے تو بتاؤ کہ وہ کون ہے جسکے ہاتھ میں ہر شے کا اختیار و تصرف ہے اور وہ خود ہی پناہ دیتا ہے اور اُس کے مقابلے میں کسی کو

پناہ نہیں دیجا سکتی۔ تو مشرکوں کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ اختیار خدا کا ہی ہے۔ پھر افسوس ہے کہ مشرک کس دھوکے میں پڑجاتے ہیں۔ خدا نے نہ کوئی بیٹا پکڑا ہے اور نہ اُس کے ساتھ کوئی الٰہ ہی ہوسکتا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کی مرضی ضرور ہی واقع ہو اور اس کے ارادہ کو کوئی ٹال نہ سکے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر مقدم مرضی والا اپنی پیدائش کو لیکر ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا اور ایک دوسرے کو مٹا دیتا۔ اللہ تعالیٰ اُن کے بیانوں سے پاک ہے۔ اُس کے آگے پنہاں و آشکارا یکساں ہے۔ وہ اُن کے شریک بنانے سے بہت بلند ہے۔

سورہ حج میں فرمایا ہے کہ ہمنے ہر اُمت کے لئے ایک نہ ایک عبادت کا طریقہ کردہ اسپر چلنے والے ہیں جائز بنا دیا ہے سو لوگ تیرے ساتھ اصل حقیقت میں جھگڑا نہ کریں۔ وہ اصل حقیقت یہ ہے کہ تو اپنے رب کی طرف بُلا۔ بلاشبہ تو پکی ہدایت پر ہے۔ سورہ مومنون میں تمام رسولوں کو اکٹھا ہی فرمایا ہے کہ پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور صلاحیت والے عمل کرو۔ میں تمہارے عملوں کو دیکھنے والا ہوں۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ تمہاری اُمتیں ایک ہی اُمت ہیں اور میں تم سب کا رب ہوں سو تم میرا ہی خوف رکھو۔ ہر اُمت نے خواہ مخواہ کے فرق ڈال لئے ہیں اور اپنے اپنے ایسے خیالات پر ہی پھول رہے ہیں جنکی کوئی حقیقت نہیں۔ آگے اصل نیکیاں سب کے لئے یکساں ہی فرمائی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نیکی کے کام میں تفرقہ ڈالنے کو پسند نہیں کرتا اور سب اُمتوں کو اپنی عبادت کے لئے اکٹھا ہی بلاتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ سب کے ساتھ صلوات اور دیگر عبادات میں اکٹھے ہوجائیں اور کسی طرز عمل یا رسم و رواج کے لئے آپس میں کوئی فرق نہ ڈالیں۔ سب ملکر نیکی بجالائیں۔

سورہ حج کے اخیر میں فرمایا ہے کہ

"اللہ کو مضبوط کرکے پکڑو۔ وہی تمہارا سرپرست ہے۔ سو وہ خوب سرپرست اور خوب مددگار ہے"۔

اس سورت کے اخیر میں فرمایا ہے کہ "اللہ جو سچا بادشاہ ہے سب سے اعلیٰ ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عرش کریم کا وہی مالک ہے"۔ اور اُس نعم المولیٰ اور نعم النصیر سے بخشش اور رحم کی دعا سکھائی گئی ہے۔ خیر الراحمین وہی ہے +

ترجمہ وتشریح

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمان اور رحیم ہے

(۱) قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ (اللہ پر) ایمان رکھنے والوں نے (ہمیشہ) فلاح پائی ہے۔

(۲) الَّذِیۡنَ هُمۡ فِیۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ (وہ لوگ وہ ہیں) جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں (نماز ضرور ایسی ہونی چاہیے جس میں کچھ نہ کچھ خشوع پیدا ہو۔ منافقوں کی طرح ذکر قلیل نہ چاہیے ۔ بلاشبہ نماز بیحیائی اور نامعقول باتوں سے روکنے والی ہے۔ ایسی نماز کے ادا کرنے کی کوشش ضروری ہے۔ اگر نماز سے خشوع کا فائدہ حاصل نہ ہو تو نماز اپنے فائدے سے خالی رہی۔ تو ایسی نماز لغو ہوئی اسلئے آگے فرمایا)

(۳) وَالَّذِیۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۙ اور وہ (لوگ) جو لغو (یعنی بیفائدہ بات) سے منہ موڑنے والے ہیں (جب کوئی بات اپنے مقصود سے خالی ہو جائے تو لغو بن جاتی ہے۔ بُری رسوم سے بچنا تو ضروری ہے ۔ اُن کا نتیجہ ہمیشہ بُرا نکلتا ہے۔ لیکن فضول اور بے فائدہ رسوم سے بھی بچنا لازم ہے۔ جن کاموں میں خلق خدا کا بھلا نہ ہو بلکہ اُن کے ذریعے سے لوگ مفید کاموں سے رُک جائیں اور وقت کو ضائع کریں اُن سے ہمیشہ محترز رہنا چاہیے)

(۴) وَالَّذِیۡنَ هُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ۙ (باجماعت نماز شوریٰ کا کام بھی دیتی ہے اور شوریٰ کی تکمیل کے لئے صدقات وزکوٰۃ کی ضرورت ہے) اور وہ لوگ جو زکوٰۃ کے (ادا) کرنیوالے ہیں۔

(۵) وَالَّذِیۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ (اکثر لوگ ایک دوسرے کی امداد شہوانی خیالات سے کرتے ہیں اسلئے فرمایا) اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت

کرنیوالے ہیں۔

(۶) اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ

مگر اپنی (آزاد) عورتوں سے یا (اگر کسی آزاد عورت سے نکاح کرنے کی توفیق نہ ہو تو) اپنی (منکوحہ) لونڈیوں سے (ملاپ کریں) تو بلاشبہ اس میں اُن پر کوئی ملامت نہیں (اسلام نے آئندہ غلامی کو جڑ سے اُکھاڑ دیا ۲۶/۵ موجودہ غلاموں کی آزادی کو اعلیٰ درجے کی نیکی فرمایا ۳۰/۱۵ بیت المال یعنی سرکاری خزانے سے اُن کے چھڑانے کا انتظام کیا ۱۰/۱۴ کتابت کے ذریعے سے اُن کو چھوڑنے کا حکم دیا ۱۰/۱۴ اگر پھر بھی کوئی لونڈی غلام باقی رہ جائے تو اُن کو یونہی گھر میں ڈال لینا قطعاً حرام ہے اُن کا نکاح کرایا جائے ۴/۱۲ و ۵/۱ جسطرح مالکہ کے لئے اسکا غلام بیٹے کے حکم میں ہے۔ مالکہ اس کے سامنے ہر طرح کی زینت لگا کر بیٹھ سکتی ہے اسی طرح مالک کے لئے اپنی لونڈی بیٹی کے حکم میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرمایا تمہارے لونڈی غلام پردے کے تین وقتوں میں تمہارے پاس نہ آئیں ۱۸/۱۴ مالک و مالکہ کے لئے اپنے لونڈی غلاموں کا نکاح دوسرے لوگوں سے کرنے کا حکم ہے ۱۰/۱۰ ان لونڈی غلاموں کا مومن ہونا ضروری ہے۔ اگر ان کا تعلق کسی غیر مذہب سے ہو تو مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ انھیں جبراً مومن بنالے۔ قرآن مجید کی آیات میں اکثر جگہ بظاہر مردوں کو ہی حکم ہوتے ہیں۔ عورتیں اُن میں ساتھ ہی داخل ہوتی ہیں۔ یہی حال ان آیات کا بھی ہے۔ اسی لئے اس آیت میں ازواجہم کا لفظ لایا گیا ہے تاکہ سمجھا جائے کہ مردوں کے لئے اس کے معنی آزاد بیویوں کے ہیں اور عورتوں کے لئے اس کے معنی آزاد مردوں کے ہیں۔ یہی حال ماملکت ایمانھم کا بھی ہے۔ ان میں بھی لونڈی، غلام دونوں داخل ہیں۔ عورت کے لئے جو حال اپنے غلاموں کا ہے مرد کے لئے وہی حال اپنی لونڈیوں کا ہے۔ یہ بحث بیان للناس میں کئی جگہ کی گئی ہے)

(۷) فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ (آگے فرمایا)

پھر جو کوئی ان (منکوحات) کے سوائے طلب کرے تو یہ لوگ جو ہیں

تو یہی حد سے نکلنے والے ہیں (یہ انسانی حدود سے نکلکر انعام سے بھی بدتر ہو گئے بعض لوگ خود تو متعہ کر لیتے ہیں لیکن اپنی بیویوں کو متعہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے یہ عجیب انصاف ہے۔ متعہ مرد و عورت دونوں کے لئے حرام ہے)

(۸) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ (نکاح میں عورت مرد کی امانت کا خیال رکھتی ہے اور مرد عورت کی امانت کا خیال رکھتا ہے اور دونوں اپنے عہدوں کو نباہتے ہیں۔ اسلئے آگے عام طور پر امانتوں اور عہدوں کا ذکر فرمایا) اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت کرنیوالے ہیں (ان میں فرق نہیں آنے دیتے۔ اگر دنیا میں امانتوں اور عہدوں کی رعایت کی جائے تو دنیا ایک چھوٹا سا بہشت بن سکتا ہے۔ دنیا میں اعتبار کے پیدا ہونے کا یہ نہایت ہی زبردست ذریعہ ہے)

(۹) وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ (تمام مفید کام جو خدا تعالےٰ کی رضا مندی کو سامنے رکھکر کئے جاتے ہیں صلوات میں داخل ہیں جیسا کہ پہلے کئی جگہ بیان کیا جا چکا ہے۔ علاوہ بریں آیت نمبر ۲ میں صلوٰۃ کا لفظ واحد ہے اس آیت میں صلوات کا لفظ جمع ہے۔ یہود و نصاریٰ اور دیگر لوگ شروع سے صلوٰۃ ادا کرتے آئے ہیں۔ قرآن مجید نے اُن کی نمازوں کی غلطیاں کھول کر بیان کر دی ہیں۔ ان غلطیوں کو نکالنے کے بعد اُن کی نمازوں کو نماز ہی کہا گیا ہے اور فرمایا ہے) اور (مومن) وہ لوگ ہیں جو کہ وہ اپنی نمازوں پر حفاظت کرتے ہیں (ایسی نمازیں جو ان غلطیوں سے پاک ہیں جن کی قرآن مجید نے اصلاح کر دی ہے صحیح ہیں ہم سب ان میں ہر نمازی کے ساتھ جماعت میں بحکم قرآن شامل ہو سکتے ہیں)

(۱۰) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ یہ لوگ جو ہیں تو یہی وارث ہونیوالے ہیں۔

(۱۱) الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ کہ جو فردوس کے وارث ہوتے ہیں وہ اس میں مدتوں رہ پڑنے والے

ہیں (جنتی بھی ترقی کرتے جاتے ہیں۔ فردوس کے باغ اُن کے لئے مہمانی ہوتے ہیں ۱۶/۱۵ وہ اس میں دیر تک رہتے ہیں۔ پھر وہ ترقی کرکے اعلیٰ جنتوں میں چلے جاتے ہیں۔ دوسرے مومن جو دارِ آخرت میں پہنچتے ہیں اُن جنتوں کے وارث بنتے ہیں اور پہلے لوگوں کی جگہ فردوس کے باغوں کو حاصل کرتے ہیں۔ جو لوگ جہنم سے پاک صاف ہوکر نکلتے ہیں وہ بھی فردوس کے وارث بنتے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد بھی ترقیات کرتے جائیں گے اور فضل الٰہی اُنھیں اعلیٰ ارتقاؤں پر پہنچاتا جائیگا۔ خدا کے خزانوں میں کبھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ جنت میں جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے وہ ہمارے فہم سے اعلیٰ ہے ۲۱/۱۵ اس دنیا میں جنت ہمارے لئے پرائے دیس کی مانند ہے۔ فردوس پردیس کا ہی مُعرّب ہے)

(۱۲) وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ (روحانی ترقیاں اسی طرح سے ہی حاصل ہوتی ہیں جسطرح انسان مٹی کے خلاصے سے شروع ہوتا ہے اور پیٹ میں نئے نئے اطوار بدلکر انسان بن جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے) اور بالتحقیق ہمنے انسان کو گارے کے خلاصے سے پیدا کیا ہے (مٹی سے نباتات پیدا ہوتے ہیں اُن کے کھانے سے نطفہ پیدا ہوتا ہے)

(۱۳) ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ پھر ہمنے اُسے محفوظ (مضبوط) جگہ میں نطفہ بنایا (یہ محفوظ جگہ مرد کے خصیے ہیں)

(۱۴) ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ پھر ہمنے نطفے (کے ایک حصے) کو علقہ بنایا (علقہ جونک کی طرح کے کیڑے ہیں جو نطفے میں پیدا ہوتے ہیں) پھر ہمنے (کسی خاص) علقے کو مُضغہ (یعنی نرم بوٹی) بنایا۔ پھر ہمنے اس بوٹی (کے ایک حصے) کو ہڈیاں بنایا (جن

سے جسم کو مضبوطی ملتی ہے) پھر ہمنے ان ہڈیوں کو گوشت (و پوست) سے ڈھانپ دیا۔ پھر ہمنے اس (سامان) کو ایک اور (نئی) پیدائش (یعنی انسان) بنایا (جس میں ایسی روح نمودار ہوئی جو سوچنے اور صاحب اختیار بننے کے قابل ہوگئی) سو اللہ ہی بڑی برکت (یعنی خیر و خوبی) والا ہے جو تمام بنانے والوں سے بہت اچھا ہے (اللہ تعالےٰ کو نطفے میں ایسے تغیرات دینے کے سبب احسن الخالقین کہا گیا ہے۔ مسیح علیہ السلام بھی اسی پیدائش میں داخل ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مریم میں رجولیت و انوثیت کی دونو طاقتیں موجود تھیں۔ ان کے نزدیک ان دونوں قوتوں کے ملاپ سے مریم کے اندر ہی اندر حضرت عیسے علیہ السلام بن گئے لیکن اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ مریم کے باہر سے شرمگاہ کے راستے سے ایک چیز ڈالی گئی جس سے حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ وہ قدرتی چیز نطفہ ہی تھی جس میں علقہ موجود تھا)

(۱۵) ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ (پھر اگر تم کسی کے اختیار میں نہیں ہو تو تم موت سے کیوں نہیں بچ رہتے۔ اسلئے فرمایا) پھر بلاشبہ تم اس کے بعد ضرور مرنیوالے ہو

(۱۶) ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ پھر بلاشبہ تم پیشی کے دن پیش ہوتے ہو۔ (تمہاری روح نسمے کے ساتھ نئی زندگی جس کو خلق جدید فرمایا گیا ہے حاصل کرتی ہے۔ جسطرح پیٹ میں نئے نئے طور بدلتے ہیں اسی طرح پیشی کے وقت بھی ایک نیا ارتقا ہوتا ہے)

(۱۷) وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝ (جسطرح اللہ تعالیٰ نے تمہاری زندگی کے لئے سامان بنائے ہیں اور مخلوق کی طرف سے کوئی غفلت و لاپروائی نہیں دکھلائی۔ اسی طرح دوسری پیدائش میں بھی سامان تیار ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) اور بلاشبہ ہمنے تمہارے اوپر سات راستے بنائے ہیں (یہ سات اجتھر ہیں جو ایک دوسرے

کی مطابقت میں واقع ہیں۔ اُن کے ذریعہ سے حرکت و حرارت و نور اور کشش و مدافعت زمین پر اُترتے رہتے ہیں۔ اور تمہارے جسم کے اوپر کے حصے میں بھی سات راستے بنائے ہیں۔ وہ راستے دو آنکھیں۔ دو کان۔ دو نتھنے اور ایک مُنہ ہیں۔ ان کے ذریعہ سے بھی تمہارا قیام ہے) اور ہم (اپنی) خلق سے کبھی غافل نہیں ہوئے۔

(۱۸) وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ اور ہمنے سماء (یعنی بادل) سے اندازے کے ساتھ پانی اُتارا۔ پھر ہمنے اُسے زمین میں ٹھہرایا۔ اور بلاشبہ ہم اس کے لے جانے پر بھی ضرور قادر ہیں (پانی دوبارہ برسنے کے لئے اوپر چڑھ جاتا ہے اور اسطرح زمین کی آبادی اور تروتازگی قائم رہتی ہے۔ اگر خدا اسے روک لے تو ہم قحط میں پھنس جائیں)

(۱۹) فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ سو ہمنے اس کے ساتھ تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغ اُگائے۔ تمہارے لئے اُن (باغوں) میں بہت سے میوے ہوتے ہیں اور تم اُن سے کھاتے بھی ہو (اور خشک کرکے بھی رکھ چھوڑتے ہو تاکہ دوسرے موسموں میں کام آئیں اور دوا کے طور پر بھی استعمال کیا جائے)

(۲۰) وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ اور ایک درخت کو (بنایا) جو سرسبز پہاڑ سے نکلتا ہے وہ کھانے والوں کے لئے روغن اور سالن لئے ہوئے اُگتا ہے۔ (زیتون کا تیل جلانے کے کام میں بھی آتا ہے اور کھانے سے قوت بھی بخشتا ہے اور اس سے کھانے والوں کے لئے نمک وغیرہ ملا کر سالن بھی بنایا جاتا ہے)

(۲۱) وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَ

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَّمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ (آسمانی تاثیرات اور بارش اور پانی اور پھلوں اور سالنوں کا ذکر کرنے کے بعد مویشیوں سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں اب اُن کا ذکر کیا جاتا ہے) اور بلاشبہ تمہارے لئے چارپایوں میں ضرور عبرت (و نصیحت) ہے (ان میں بھی خدا تعالےٰ کے احسان کے بہت سے نمونے پائے جاتے ہیں) ہم تمہیں اس (چارہ) سے جو ان کے پیٹوں میں (پڑتا) ہے (ایک لذیذ چیز یعنی دودھ) پلاتے ہیں اور تمہارے لئے اُن میں بہت سے نفعے ہیں (تم اُن پر سوار ہوتے ہو اور بوجھ لادتے ہو اور پوشاک وغیرہ حاصل کرتے ہو) اور اُن میں سے کھاتے بھی ہو۔

(۲۲) وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝ اور تم اُن پر اور کشتیوں پر سوار کئے جاتے ہو (اور مُلک مُلک کی سیر اور تجارت کرتے ہو اور اعلیٰ ترقیات پر پہنچتے ہو۔ اسی سے اپنی روح کے ارتقا کا بھی سبق سیکھو)

رکوع دوم

(۲۳) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ (اب ایسے نمونے پیش کئے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کس طرح نیکوں کو غلبہ دیتا آیا ہے اور اعلیٰ کمالات پر پہنچاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے) اور بالتحقیق ہم نے نوح کو اُس کی قوم کی طرف بھیجا۔ سو اُس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو (اور اُسی کے حکم کو مانو) تمہارے لئے اُس کے سوائے کوئی معبود نہیں (مقدم مرضی اسی کی ہے۔ کوئی اس کی مرضی کو نہیں ٹال سکتا اور اُس کی مرضی میں کوئی روکاوٹ نہیں پیدا کر سکتا۔ یہی توحید تمہاری ترقی کا باعث ہے) پھر کیا تم اپنا بچاؤ نہیں کرتے (اور خدا سے نہیں ڈرتے)

(۲۴) فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ

مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً ۖ مَّا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۝ سو ان سرداروں نے جنہوں نے اُس کی قوم سے کفر کیا تھا کہا یہ صرف تمہاری مانند ہی ایک بشر ہے۔ اسکا ارادہ ہے کہ تم پر بڑائی حاصل کرے اور اگر اللہ چاہتا تو ضرور فرشتے اُتارتا۔ ہمنے ایسی بات اپنے پہلے باپ دادوں میں نہیں سنی (حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے آدمؑ و ادریسؑ وغیرہ کئی رسول ہوئے جو خدا کی طرف سے پیغام لاتے تھے لیکن اُن کے وعظ سے لوگ لاپرواہی کرتے تھے۔ اور اپنے باپ دادا کی تقلید پر مصر تھے۔ بیشک حضرت نوح بشر ہی تھے۔ وہ خدا کا پیغام لیکر آئے تھے۔ کافر کہتے ہیں کہ اسکا پیغام جھوٹ ہے یہ تم پر بڑا بننا اور حکومت جتانا چاہتا ہے۔ نبی اپنا حکم نہیں چلاتے تھے۔ وہ خدا کی حکومت کو پیش کرتے تھے۔ تمام رسول خدا کے فرمائے ہوئے نیک نمونے پر چلکر ترقی پاتے تھے۔ فرشتے دنیا میں سامنے نہیں آسکتے وہ اسوقت نازل ہوتے ہیں جبکہ کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے)

(۲۵) إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ۝

(اُن کی قوم نے یہ بھی کہا) یہ شخص صرف ایک ایسا آدمی ہے جس کو جنون ہے سو تم اس کے ساتھ تھوڑی دیر تک انتظار کرو (یہ اسی جنون میں ہی برباد ہو جائیگا اور کامیابی کا مُنہ نہیں دیکھیگا۔ نوح علیہ السلام کی راستی کا اُن کے دل میں یقین تھا مگر وہ شرارت کے ساتھ ستاتے اور جھٹلاتے تھے)

(۲۶) قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝ اس (نوح) نے (اپنے پروردگار کو) کہا اے میرے پروردگار میری مدد کر اس سے کہ اُنھوں نے مجھے جھٹلایا (اور تیرے سچے حکموں کا جنہیں میں تیری طرف سے لایا ہوں انکار کیا)

(۲۷) فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا

فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○ سو ہمنے اُسکی طرف وحی کی کہ تو کشتی کو ہماری حفاظت اور ہماری وحی کے ساتھ بنا۔ سو جب ہمارا حکم آیا اور سطح زمین نے جوش مارا (اور غضب الٰہی کا تنور بھڑک اُٹھا اور زمین پھوٹ کر چشمے چشمے بن گئی اور ممکن ہے کہ کسی روٹیاں پکانے کے تنور سے ہی پہلے پہل چشمہ پھوٹ نکلا ہو) تو (ہمنے کہا کہ) اس کشتی میں ہر ایک (ضروری) چیز سے دو جوڑے داخل کر لے اور اپنے اہل کو بھی (چڑھا لے) مگر ان میں سے جسپر عذاب کا حکم پہلے جاری ہو چکا ہے (تیری خانہ بیوی پہلے مر چکی ہے۔ یہ استثناء اسی قسم کا ہے جیسا کہ فرمایا لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۲۵/۱۶ دوسری جگہ فرمایا اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى ۳۳/۴ ان آیات میں اس موت کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو پہلے واقع ہو چکی ہے۔ یہاں بھی حضرت نوح کے ان اہل کو جن پر پہلے موت واقع ہو چکی ہے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ ہم تیرے باقی اہل کو ضرور بچائیں گے۔ وہ خیالی بیٹا جو پیچھے ہلاک ہوا اُن کا اہل نہیں تھا۔ حضرت نوح کا یہ سوال غلط فہمی سے تھا۔ خدا نے فرما دیا ہے کہ ہمنے نوح کی اولاد کو ہی باقی رکھا جو اولاد نہ تھی اُس کو مٹا دیا ۲۳/۴ سورۃ ہود میں اسکا ذکر تفصیل کے ساتھ آچکا ہے ۱۲/۴ ۔ آگے فرمایا) اور ظالموں کے بارے میں میرے ساتھ بات نہ کرنا بلاشبہ وہ غرق کئے جانیوالے ہیں

(۲۸) فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ پھر جب تو اور جو تیرے ساتھ ہیں کشتی پر ٹھیک طور سے بیٹھ جاؤ تو یہ کہنا کہ سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہم کو ظالم قوم سے نجات دی (یہ تعریف اپنی

نجات پر ہے۔ اُن کی ہلاکت پر تو افسوس ہی ہے)

(۲۹) وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۝

اور (اُترنے کے وقت یہ بھی کہنا) اے میرے پروردگار مجھے برکت والا اُتارنا اُتارا اور تو اچھی طرح سے اُتارنے والا ہے (اس سے سکھایا ہے کہ کشتی پر چڑھتے اور اُترتے وقت مناسب دعائیں کی جائیں۔ یہی حال دیگر سواریوں اور کاموں کا بھی ہے)

(۳۰) اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ۝ بلاشبہ اس (قصے) میں البتہ بہت سے دلائل ہیں اور بلاشبہ ہم ضرور (بندوں کو) آزمائش میں ڈالنے والے ہیں (تاکہ وہ صبر و شکر کر کے ترقی کے منازل طے کریں)

(۳۱) ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۝ (اب حضرت ہود علیہ السلام کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے) پھر ہمنے ان کے بعد ایک اور زمانے کے لوگ پیدا کئے۔

(۳۲) فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ پھر ہمنے ان میں انہی میں سے ایک رسول یہ کہتے ہوئے بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لئے اس کے سوائے کوئی اور معبود نہیں ہے۔ پھر کیا تم (خدا سے) نہیں ڈرتے (اور اپنے بچاؤ کے کام نہیں کرتے)

رکوع سوم (۳۳) وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝

(جب حضرت ہود علیہ السلام نے کہا کہ میں بھی تم میں سے ہوں ہم سب کو چاہئے کہ خدا

کی عبادت کریں اور اس کے سوا کسی کو معبود نہ جانیں۔ ہم کو خدا کا ہی خوف رکھنا چاہیے اور خدا کے ماتحت ہو کر اپنا بچاؤ ڈھونڈنا چاہیے۔ تو اس موثر وعظ کو سُن کر چاہیے تھا کہ قوم بھی کچھ نرم ہو جاتی اور توحید کے متعلق سوچتی لیکن وہ بھڑک اُٹھے اور جوش دکھانے لگے جیسا کہ ارشاد ہے) اور اُس کی قوم کے سرداروں (یعنی جو مدیوں نے جنہوں نے (توحید الٰہی کی) ناقدری کی اور آخرت (یعنی نتیجے کے روز) کے آنے کو جھٹلایا اور ہمنے اُن کو دنیا کی زندگی میں آسودہ بنایا تھا (چاہیے تھا کہ وہ اس کے لئے شکر گزار ہوتے بجائے اس کے اُنھوں نے) کہا کہ یہ شخص تمہاری مانند ایک بشر ہے۔ انہی چیزوں سے کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور انہی چیزوں سے پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔

(۳۴) وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝

اور اگر تمنے اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت کی تو بلاشبہ جب تو تم بالضرور گھاٹے والے ہو (بلاشبہ حضرت ہودؑ ان کی مثل بشر تھے اور وہی چیزیں کھاتے پیتے تھے جو انسان کھاتے پیتے ہیں۔ لیکن سوال بشریت کا نہ تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام اُنھیں خدا کے حکم پہنچاتے تھے۔ وہ اپنے حکموں کو خدا کے حکموں کی مثل نہیں بناتے تھے۔ وہ خود بھی الٰہی حکموں کے تابع تھے اور مخالفت کی صورت میں آخرت کے عذاب سے ڈرتے تھے۔ اگر وہ اپنی حکومت جتاتے تو بلاشبہ یہ اعتراض صحیح تھا۔ لیکن وہ تو خدا کے آگے حاضر ہونے سے ڈرتے تھے۔ کافر خدا کے فرمان کو بشروں کا اپنا قول سمجھکر اعتراض کیتے تھے)

(۳۵) اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝ (چنانچہ کفار کے اس اعتراض سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے وہ کہتے ہیں) کیا یہ تم کو اس سے ڈراتا ہے کہ جب تم مر جاتے ہو اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاتے ہو تو بلاشبہ تم (اس کثیف مادی عالم سے) نکالے گئے ہوتے ہو۔

(۳۶) هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ۝ جو کچھ یہ تمہیں ڈراتا ہے اس کے لئے دُوری ہے دُوری ہے (یعنی وہ ہماری عقل اور واقعات سے دُور ہے)

(۳۷) إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ

(بات یہ ہے کہ) ہماری اس دنیا کی زندگی کے سوائے یہ (آخرت کا ڈراوا) کچھ نہیں ہم (اسی دنیا میں) مرتے اور جیتے ہیں (جسطرح سے پہلی نباتات گل سڑ جاتی ہے پھر اور نباتات پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ جو خدا کی پیشی کا ڈراوا ہے وہ یقیناً غلط ہے) اور ہم (خدا کے آگے) پیش نہیں ہوتے (اور ہم کو ہمارے عمل جتا کر قائل نہیں کیا جاتا۔ کفار کے نزدیک دنیا کے مشاہدے سے ظاہراً یہی ثابت ہوتا ہے)

(۳۸) إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ۝ (اس مدعی رسالت کی عقل ٹھکانے نہیں) یہ صرف ایسا شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے اور ہم اس کی بات کو ماننے والے نہیں ہیں (توحید الٰہی عقلی اور فطری طور پر ثابت ہے خدا تعالیٰ کی عظمت اسی میں ہے۔ مشرک وہموں اور ظنوں میں پھنسے ہوتے ہیں۔ حق کو آخر کار ضرور غلبہ ملتا ہے۔ حق تعالیٰ اپنی وحی سے اپنے حقانی منشاء کو ظاہر فرماتا ہے۔ رسل وانبیاء خدا کے حکم کے آگے اپنی بات کو چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے عمل سے دکھا دیتے ہیں کہ خدا کی بات ہی مقدم ہے۔ خدا کے حکم کی مخالفت میں کسی بڑے سے بڑے شخص کی بات بھی پر پشہ کے برابر قدر نہیں رکھتی۔ ان ثبوتوں کو دیکھکر بھی کافر خواہ مخواہ جھٹلاتے اور ستاتے ہیں۔ آخر کار رسل وانبیا کو عاجز آکر وہی کہنا پڑتا ہے جسکا ذکر آگے آتا ہے)

(۳۹) قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝ (ہود علیہ السلام نے) کہا اے میرے پروردگار میری مدد فرما اس سبب سے کہ انھوں نے مجھکو (میرے وحی کے پہنچانے میں)

جھوٹا کہا (حالانکہ خدا کے وحی پر عقل و فطرت کی شہادت قائم ہے اور وہ خدا کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے اور خدا کے وعدوں کے مطابق کامیابی پر پہنچاتا ہے)

(۴۰) قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ○ (خدا نے) کہا عنقریب ہی ضرور یہ لوگ نادم ہونگے (جب یہ اُس عذاب کو دیکھیں گے جو اُنھیں دوسرے عالم میں پہنچائیگا)

(۴۱) فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ سو اُن کو (زلزلے کے) کڑاکے نے ٹھیک وعدے کے مطابق پکڑ لیا۔ پس ہمنے اُن کو چورا چورا کر دیا (یہ عذاب اُنھیں کے لئے خاص نہیں ہے ظالموں کا یہی حال ہوتا ہے) سو ظالم قوم کے لئے (خدا کی رحمت سے) دُوری ہے۔

(۴۲) ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ○ پھر ہمنے اُن کے بعد اور زمانوں کے لوگ بھی پیدا کئے (تاکہ وہ پہلوں کے حال سے عبرت پکڑیں۔ یہ عبرت یونس علیہ السلام کی قوم نے تو ضرور پکڑی تھی۔ دوسری قومیں بالعموم انکار کرنے کے بعد ایمان نہیں لاتی رہیں۔ ضد اور تعصب اُنھیں مقابلے پر اُبھارتے رہتے ہیں۔ وہ ظالم ہو کر پکڑے جاتے ہیں)

(۴۳) مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ○ کوئی امت اپنے وقت سے (جب وہ وقت اُن پر آنا رہا ہے) نہ آگے ہو سکتی ہے اور نہ پیچھے جا سکتی ہے۔

(۴۴) ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا ۭ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ پھر (اس کے بعد) ہمنے اپنے رسولوں کو پے در پے

(یکے بعد دیگرے) بھیجا۔ جب کسی اُمت کے پاس اُس کا رسول آتا تھا تو وہ اُس کو (خدا کے وحی کو لانے کے سبب) جھوٹا کہتے تھے۔ سو ہم نے اُن کو (ہلاکت میں) بعض کو بعض کے پیچھے چلایا۔ اور (اُن کی دنیوی عظمت کو مٹا کر) ہمنے اُن کو قصے کہانیاں ہی بنا دیا (وہ متواتر تجربوں کے بعد بھی ایمان نہ لائے) سو بے ایمان قوم کے لئے (خدا کی رحمت سے) دُوری ہے (ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم اور ضد کے ساتھ بار بار کی بے ایمانی ہی قوموں کی ہلاکت کا موجب بنتی رہی ہے۔ خدا تعالےٰ یہ تجربے اور مشاہدے دکھلا کر ہم کو ہوشیار کرتا ہے)

(۴۵) ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ پھر ہمنے موسیٰ اور اُس کے بھائی ہارون کو اپنے حکم اور صاف دلیلیں دیکر بھیجا (یہ وہ دلیلیں تھیں جن کے متعلق سورہ قصص میں آیا ہے فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ہے ان دلائل کی تشریح سورہ اعراف اور دیگر سورتوں میں بھی آچکی ہے)

(۴۶) اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝

(موسیٰ و ہارون علیہما السلام کس کی طرف بھیجے گئے تھے) فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف۔ سو اُنھوں نے تکبر کیا (اور اپنے آپ کو بڑا جانا) اور وہ اونچے آنیوالے (یعنی سرکش) لوگ تھے (بڑے بول کا سرنیچا)

(۴۷) فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝

سو اُنھوں نے کہا کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لائیں اور ان دونوں کی قوم ہمارے غلام ہیں۔

(۴۸) فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ۝ (اُنھوں نے وحی الٰہی کا خیال نہیں کیا جو وہ خدا تعالےٰ کی

طرف سے لیکر آئے تھے) سو انھوں نے اُن دونوں کو جھٹلایا (اور کہا کہ تم باتیں اپنی طرف سے بناتے ہو۔ تمہارا بھیجنے والا کوئی نہیں ہے) سو وہ ہلاک ہونے والے لوگوں سے ہو گئے۔

(۴۹) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ○ (پھر ہم نے فرعون کی ہلاکت کا نمونہ دکھلا کر بنی اسرائیل کو کتاب دی جیسا کہ فرمایا) اور بالتحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تاکہ لوگ ہدایت پائیں (بلاشبہ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں ہدایت اور نور موجود ہے۔ ہاں اس میں سزائی احکام اور نبیوں کے اجتہادات بھی موجود ہیں۔ یہ صفائی صرف قرآن کے حصے میں ہی آئی ہے)

(۵۰) وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ○ (مسیح اور مریم علیہما السلام نے بھی اس صفائی کی داغ بیل ڈالی تھی جیسا کہ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۳ سے ظاہر ہے۔ اور اس آیت میں بھی اشارہ کیا گیا ہے) اور ہم نے مریم کے بیٹے (جس سے دکھلایا ہے کہ جننے والی اور جنا ہوا دونوں خدا نہیں ہو سکتے۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے) اور اُس کی ماں کو (الٰہین نہیں بنایا بلکہ) ایک نشان (یعنی عبرت و نمونہ) بنایا (مریم نے تمام مومنات کے لئے خود اپنا نکاح کرنے کا نمونہ دکھایا اور اُس نمونے سے مسیح جیسا صالح بیٹا پیدا ہوا۔ پس وہ اس نمونے کی دلیل بنا) اور (جب اس نمونے کے دکھلانے کے سبب انھیں ستایا گیا تو انہیں یوسف نجار ناصرت میں جسے نصران بھی کہتے ہیں۔ لے گیا جیسا کہ آگے آتا ہے) اور ہم نے اُن دونوں کو ایک بلند جگہ پر پناہ دی جو آرام اور چشموں کی جگہ تھی (اس جگہ کا نام انجیل میں ناصرت آیا ہے اور منتخب اللغات میں نصران لکھا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ نصران ایک گاؤں ہے جہاں نصاریٰ بستے ہیں۔ نصران سے صفت نسبتی نصرانی بنیگی اور نصرانی کی جمع نصاریٰ ہے۔ ناصرت یا نصران کے ساتھ مسیح علیہ السلام کے باپ کا ہی تعلق تھا۔ اسلئے نصرانی یا نصاریٰ کے الفاظ سے جو قرآن مجید میں آئے

میں مسیح علیہ السلام کے باپ کا صریح پتہ چلتا ہے)

رکوع چہارم

(۵۱) يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ (انسان ترقی و ارتقاء اعمال صالحہ کے مطابق ہی حاصل کرتا ہے۔ خدا ہمارے عملوں کو جاننے والا ہے۔ لیکن جو لوگ طیبات کو بھی چھوڑ دیتے ہیں وہ خدا تعالےٰ کے انعاموں کے شکر گذار نہیں ہیں۔ دین اعمال صالحہ کے بجالانے کا ہی نام ہے۔ تمام اقوام کا یہی دین تھا۔ دنیا کو اسپر اکٹھا ہو جانا چاہیئے۔ جو مال اور اولاد کا فخر کر کے غریبوں کو بُرا جانتے ہیں اور اُن کے عمل صالحہ کی قدر نہیں کرتے وہ بڑے ظالم ہیں۔ امیر و غریب سب بھائی ہیں۔ ان سب پر خدائے واحد کی حکومت ہے۔ اسی کے خوف کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ رسولوں اور دیگر مبلغین کو ارشاد ہے) اے رسولو (اور مبلغو) پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور صلاحیت والے عمل کرو۔ بلاشبہ میں تمہارے کاموں کو خوب جاننے والا ہوں۔

(۵۲) وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝

اور بلاشبہ یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا (ایک ہی) رب ہوں۔ پس تم میرا ہی خوف رکھو۔

(۵۳) فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝ (یہی اصل دین ہے۔ مگر نبیوں کی اُمتوں نے ضد سے اختلاف ڈال لیا ہے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ ہر شخص اپنے ہی سلف کی تقلید پر ریجھا ہوا ہے۔ اصل دین سے سب غافل ہو گئے ہیں) سو اُنھوں نے اپنے اصل مقصود کو آپس میں قطع کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہے۔ ہر جماعت اُس پر جو اُن کے پاس ہے پھول رہے ہیں۔

(۵۴) فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ سو تو اُنھیں ایک وقت

(یعنی موت یا عذاب کے آنے) تک غفلت میں چھوڑ دے۔

(۵۵) اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ ۝ کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ جو ہم انہیں مال اور اولاد سے مدد دیتے ہیں۔

(۵۶) نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۝ ہم اُن کے لئے خیرات میں جلدی کر رہے ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ اُن کو شعور نہیں۔ (مال اور اولاد وہی مفید ہے جس سے خیر کا کام لیا جائے۔ لیکن یہ لوگ مال اور اولاد کے تکبر سے غریبوں کو حقیر جانتے ہیں اور اُنھیں غلام بنانے کی کوشش کرتے ہیں)

(۵۷) اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ (اصل نیکیاں یہ ہیں جن سے انسان کو ارتقا حاصل ہوتا ہے) بلاشبہ وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے لرزتے ہیں۔

(۵۸) وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ۝ اور وہ لوگ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔

(۵۹) وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ۝ اور وہ لوگ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو نہیں ملاتے (اور کسی کو اُس کے ساتھ مثلاً معاً نہیں ٹھہراتے۔ وہ خدا کے آیات یعنی حکموں کو ہی مانتے ہیں۔ اصل مطاع صرف خدا تعالیٰ ہی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے)

(۶۰) وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ اور وہ لوگ جو (غریبوں کی مدد کے لئے) دیتے ہیں جو دیتے ہیں (خدا کسی کو اُس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا) اور اُن

کے دل اِس بات سے لرزتے ہیں کہ ہم اپنے رب کی طرف پیش ہونے والے ہیں۔

(۶۱) اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝

یہی لوگ تمام خیر کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی لوگ اُن کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے والے ہیں۔

(۶۲) وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اور ہم کسی نفس کو (خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی) اُس کی وسعت سے بڑھکر تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس ایک ایسی لکھت ہے جو ان کے اعمال کو ٹھیک ٹھیک بتلاتی ہے (انسان کی روح اور صحیفہ فطرت پر سب کچھ لکھا جاتا ہے اور سب کو اُسی کے مطابق پھل ملتا ہے) اور اُن پر ظلم نہیں کیا جاتا۔

(۶۳) بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝ نہیں نہیں بلکہ ان لوگوں کے دل ان (خیرات کے کاموں) سے غفلت میں ہیں اور ان کے لئے ان کے سوائے (از قسم شرک و توہمات کے) اور عمل ہیں جنکو یہ کرنیوالے ہیں۔

(۶۴) حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ

(یہ عمل یہ لوگ اُسی وقت تک کر سکتے تھے) یہانتک کہ جب ہمنے ان کے نازپروردہ لوگوں کو عذاب کے ساتھ پکڑا جب تو یہ (بیلوں کی طرح) چلاتے تھے (اور شور مچاتے تھے)

(۶۵) لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ (ایسے وقت میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے

حکم ہوتا ہے) آج (جبکہ تمنے تیجے کو پالیا ہے) مت چلاؤ۔ بلاشبہ تم کو ہماری طرف سے مدد نہیں دیجاتی (تم پر تمہارے علاج کے مطابق ضرور عذاب کیا جاتا ہے)

(۶۶) قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝ بالتحقیق میری آیتوں کی تم پر تلاوت کی جاتی تھی سو تم اپنی ایڑیوں پر مڑتے تھے (اور غیروں کی باتوں کو ترجیح دیتے تھے)

(۶۷) مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝ تم (قرآن سے) تکبر کرنیوالے تھے (اور غیروں کو بڑا بناتے تھے) اس (قرآن) کو کہانیاں کہکر چھوڑتے تھے (اسی لئے رسول کریم شکایت کرتے ہیں یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ ۱۹)

(۶۸) اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

کیا (یہ لوگ اس قرآن کو اپنی خود ساختہ کہانیوں کی مانند قرار دیتے ہیں) پھر یہ (لوگ) اس قول (یعنی قرآن) پر تدبر نہیں کرتے (اور اس کی حقیقت کو نہیں سمجھتے یہ قرآن اپنے فرمانے کے مطابق ضرور پھل لائیگا۔ حق والے کامیاب ہونگے۔ باطل پرست مٹ جائیں گے۔ اس قرآن کا حق ہونا عقل و فطرت سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے یہ لوگ اس قرآن کو آبائی تقلید کے مخالف دیکھکر انکار کرتے ہیں اسلئے فرمایا) یا کیا ان کے پاس وہ (حق) آیا ہے جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آیا (اگر بات یہ ہے تو انھیں حق کی قدر کرنی چاہیے تھی۔ حق کو باپ دادے کی تقلید کی خاطر جھٹلانا کیسے صحیح ہوسکتا ہے)

(۶۹) اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ (یہ رسول قوم قریش سے ہے اس نے اپنی عمر کا بڑا حصہ ان میں گذارا ہے۔ یہ لوگ اس کی حقیقت سے واقف ہیں اس رسول نے کبھی اپنے آپ کو اپنی حد سے نہیں بڑھایا۔ یہ ہمیشہ بندہ ہی بنا رہا ہے یہ قرآن کے آگے اپنی بات کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا۔ اس کے صادق اور امین ہوتے

کافر قریش بھی اقرار کرتے تھے اسلئے فرمایا) یا کیا ان لوگوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا اسلئے کہ یہ اس سے ناواقف ہیں (گویا سمجھتے ہیں کہ یہ کسی اور جگہ سے آیا ہوا ہے۔ اس نے تو اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ اپنی قوم میں گذارا ہے)

(۷۰) اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ (یا اخلاق شخص پاگل نہیں ہوا کرتا اسلئے فرمایا) یا کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ جنون ہے (اور اسپر کسی شخص نے جادو کر دیا ہے) نہیں نہیں بلکہ یہ (رسول) اُن کے پاس حق لیکر آیا ہے اور اُن کے اکثر لوگ حق سے بیزار ہیں۔ (اور اُسے بُرا جانتے ہیں)

(۷۱) وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

(حق۔ حق تعالیٰ کا منشا ہے۔ حق بشروں کی خواہش نفسانی کا پیرو نہیں ہے۔ اسلئے فرمایا) اور اگر حق ان لوگوں کی خواہش نفسانی کے پیچھے چلتا (اور آسمانوں اور زمین کو ان کی نفسانی خواہشوں کے مطابق بناتا) تو تمام آسمان اور جنس زمین اور جو کچھ اُن میں ہے سب بگڑ جاتے۔ نہیں نہیں بلکہ ہم ان کے پاس ان کی یاد دہانی کو لائے ہیں (اور انہیں ان کی غفلتوں سے نکالتے ہیں) سو یہ لوگ اپنی یاد دہانی (یعنی قرآن) سے مُنہ موڑنے والے ہیں۔

(۷۲) اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۚ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝

(پھر کیا ان پر تیرے خرچ یا نعت یا مدح گوئی کا بار پڑ گیا ہے؟ تو تو ان سے کسی قسم کا اجر نہیں مانگتا۔ چنانچہ ارشاد ہے) یا کیا تو ان سے کوئی خرچ (اور صلہ) مانگتا ہے۔ سو تیرے رب کا دیا ہوا اجر بہتر ہے اور وہی بہتر روزی دینے والا ہے

(۷۳) وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (دین تو خدا کا ہے تو اُس صراط مستقیم

کی طرف بلاتا ہے جیسا کہ فرمایا) اور بلاشبہ تو ضرور اُن کو سیدھے (اور پکے) راستے کی طرف بلاتا ہے (حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اُسی کی عبادت کرو۔ یہی صراط مستقیم ہے ۲۵/۱۲ و ۱۶/۵ و ۳/۱۳)

(۷۴) وَاِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ○

اور بلاشبہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس راستے (یعنی صراط مستقیم) سے ضرور کُٹے (اور اوندھے) چل رہے ہیں۔

(۷۵) وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ○ (اس صراطِ مستقیم کی مخالفت سے یہ لوگ مصیبتوں میں پھنس جاتے ہیں۔ اگر انھیں آسودگی دیجائے تو یہ اور بھی گمراہی میں ڈوب جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا) اور اگر ہم اُن پر رحم کرتے اور اُس تکلیف کو جو اُن کے ساتھ ہے کھول دیتے تو وہ اندھا دُھند ہو کر اپنی سرکشی میں ڈوب جاتے۔

(۷۶) وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا یَتَضَرَّعُوْنَ ○ (اور سخت عذاب بھی اُنھیں فائدہ نہیں دیتا رہا جیسا کہ فرمایا) اور بلاشبہ ہمنے اُن کو عذاب کے ساتھ پکڑا (اور انہیں اپنی اصلاح کا موقع دیا) سو یہ لوگ اپنے رب کے آگے عاجز نہ ہوئے اور (اب بھی) نہیں گڑگڑاتے

(۷۷) حَتّٰۤی اِذَا فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِیْدٍ اِذَا هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ○ (آخر ہوتے ہوتے ایسے عذاب کے ساتھ پکڑے جاتے ہیں جو اُنھیں دوسرے عالم کی طرف لے جاتا ہے اور وہاں اُنکی سب آسیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد کیا) یہانتک کہ جب ہم اُن پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیتے ہیں تو جب تو وہ اُس میں مایوس ہو جاتے ہیں

رکوع پنجم (۷۸) وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ

الْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ (اوپر ذکر آیا ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ صراط مستقیم سے پرے جا رہے ہیں۔ وہ ہلکے اور سخت عذاب سے بھی فائدہ نہیں اُٹھاتے اسلئے آخر کار آخرت کی اصلاح کی خاطر اس دنیا سے لے جائے جاتے ہیں۔ اُن کا خدا تعالےٰ کی صفات اور قدرتوں پر ایمان نہیں خدا تعالےٰ اُنھیں کان اور آنکھیں اور دل بخشتا ہے۔ غور کرنیوالا اُن سے بخوبی کام لے سکتا ہے لیکن یہ ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتے اور عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) اور وہی (خدا) تو ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ تم کم ہی شکر کرتے ہو۔

(۹) وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

(خدا تعالیٰ ہمیں زمین میں پھیلاتا ہے اور اس میں ہمارے تعلقات بناتا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کو فائدہ پہنچائیں۔ اُس نے ہمیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے خلیفہ کو اپنے مالک کے آگے جواب دینا ضروری ہوتا ہے۔ اسلئے ہمارا حشر اسی کی طرف ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا) اور وہی (خدا) تو ہے جسنے تمہیں زمین میں پھیلایا (اور تمہیں اس کی خلافت بخشی) اور تم (اپنے منشا کے خلاف) اُسی کی طرف ہی ہانکے جاتے ہو۔

(۱۰) وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (زندگی اور موت اسی کے اختیار میں ہے۔ رات دن کا اختلاف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ رات کو سردی اور اندھیرا ہوتا ہے۔ دن کو گرمی اور روشنی کام کرتی ہے۔ اس اختلاف سے رنگا رنگ چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح تم بھی نئی صورت میں ظہور کرتے ہو چنانچہ ارشاد ہے) اور وہی تو ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور رات اور دن کا اختلاف اسی کے لئے ہے۔ پھر کیا تم عقل نہیں کرتے (ایسے خدا کے آگے پیش ہونا خوشی کا موجب اور ترقی کا باعث ہے۔ اس ایمان سے انسان نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جب انسان نے

عقل کا درجہ پالیا تو کیا اسوقت ہی یہ نیست ہو سکتا ہے۔ عقل و حکمت کی ترقیات تو ہمیشہ جاری رہتی ہیں)

(۸۱) بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ○ نہیں نہیں (انھوں نے آخرت کی قدر نہیں کی) بلکہ اس کی مثل کہا جیسا کہ پہلوں نے کہا تھا (پہلوں کی تقلید اور سلف کی ناجائز پیروی فضول ہے)

(۸۲) قَالُوْٓا ءَ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ○

انھوں نے (یہ) کہا کیا جب ہم مرجاتے ہیں اور مٹی اور ہڈیاں بن جاتے ہیں تو کیا بلاشبہ ہم (اسوقت) ضرور پیش ہوتے ہیں۔

(۸۳) لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ بالتحقیق یہ وعدہ ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو بھی پہلے دیا گیا تھا (اگر وہ زندہ ہیں تو انھیں لاکر دکھاؤ) یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں (افسوس ہے کہ لوگ تقلید کی خاطر ان ماں باپ کی جو پہلے گذر چکے ہیں پیروی کرتے ہیں اور حقانی بات کو پہلوں کی کہانیاں بتاتے ہیں

(۸۴) قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

(غیر اللہ کی پوجا اور تقلید محض فضول ہے۔ پوجا کے لائق کامل مطلق خدا ہی ہے جیسا کہ ارشاد ہے) تو کہہ اگر تمہیں علم ہے تو بتلاؤ کہ زمین اور جو اس میں ہے کس کے لئے ہے۔

(۸۵) سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ ابھی کہیں گے کہ اللہ ہی کے لئے ہے۔ تو کہہ پھر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟

(۸۶) قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○

تو کہہ ساتوں آسمان اور عظمت والے عرش کا رب کون ہے (اسباب کے سرے جو زمین و آسمان کی کنجیاں ہیں عرش عظیم ہیں۔ وہ خدا کے قابو میں ہیں۔ ایسی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش عظیم کی پرورش کرنے والا خدا ہی ہے۔ عرش خدا کو نہیں اٹھاتا بلکہ خدا سے پرورش پاتا ہے)

(۸۷) سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ ابھی یہ لوگ کہیں گے کہ (یہ ربوبیت و تربیت بھی) اللہ کے لئے ہے تو انھیں کہہ کہ پھر تم کیوں خوف خدا نہیں کرتے

(۸۸) قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ تو کہہ اگر تمہیں علم ہے تو بتاؤ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر شے کا اختیار (و تصرف) ہے اور وہ خود ہی (اپنی مرضی سے) پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے پر کسی کو پناہ نہیں دی جاتی (صرف اسی کا فیصلہ ہی حق ہے۔ ایسے خدا ملک الحق کے دربار میں کسی شفاعت کی گنجائش نہیں)

(۸۹) سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ ۝ ابھی یہ لوگ کہیں گے کہ یہ (اختیار) اللہ کے لئے ہے تو انھیں کہہ پھر تم کسطرح دھوکے میں ڈالے جاتے ہو (ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر بھی خدا کو مانتے ہیں باوجود اس کے اس کے ساتھ شریک بناتے ہیں)

(۹۰) بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ (وہ ضد اور شرارت کی وجہ سے دھوکے میں پڑتے ہیں۔ خدا تعالیٰ خود کسی کو دھوکے میں نہیں ڈالتا جیسا کہ ارشاد ہے) بلکہ ہم ان کے پاس حق کو لائے ہیں اور بلاشبہ یہ لوگ (شرک کی تائید کرنے میں) ضرور جھوٹے ہیں۔

(۹۱) مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلٰهٍ ۚ إِذًا لَذَهَبَ

كُلُّ إِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ خدا نے کوئی بیٹا نہیں پکڑا اور اُس کے ساتھ (کبھی) کوئی معبود نہیں ہوا (اگر ایسا ہوتا تو) جب تو ہر معبود اپنی مخلوق کے ساتھ نکلتا اور اُن کا بعض بعض پر چڑھائی کرتا (الٰہ اس کو کہتے ہیں جس کی مرضی سب پر مقدم ہو۔ مقدم مرضی والا ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اگر زیادہ ہونگے تو ضرور ان میں جنگ ہوگی تاکہ ثابت ہو کہ صرف ایک کی مرضی ہی مقدم ہے۔ یہ محال ہے کہ دو مقدم مرضی والے ہوں) اللہ ان کے بیانوں سے پاک ہے۔

(۹۲) عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وہ پنہاں و آشکارا کا (یکساں) جاننے والا ہے سو وہ اُن کے شریک بنانے سے بہت اونچا ہے

رکوع ششم (۹۳) قُلْ رَّبِّ إِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۝ اور مشرکوں کے وعید کا ذکر ہے اسلئے یہاں فرمایا) تو کہہ اے میرے پروردگار اگر تو مجھے وہ (سزا) دکھلائے جسکا اُن کو وعید دیا جاتا ہے۔

(۹۴) رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ تو اے میرے رب مجھکو ظالم قوم میں شامل مت کرنا (اور ظالموں کے ساتھ مجھے بھی تباہ نہ کر دینا۔ ظالموں کی ہمراہی اس دنیا میں اکثر ڈبو دینے کا موجب بن جاتی ہے اگرچہ وہ شخص آخرت میں بچ ہی جائے)

(۹۵) وَإِنَّا عَلٰى أَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝ (آگے وعدہ کیا ہے اور فرمایا ہے) اور بلاشبہ ہم اس بات پر ضرور قادر ہیں کہ تجھے وہ دکھلائیں جو ہم ان کو وعید دیتے ہیں (یہ اے رسول کریم نے اپنی کامیابی کو خدائی وعدوں کے مطابق اپنی زندگی میں ہی دیکھ لیا)

(۹۶) اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ۝

(اس کامیابی کے حاصل کرنے کے لئے یہ علاج بتلایا کہ) تو بدی کو نیکی کے ساتھ دفع کر (یعنی تجھے کوئی ستائے تو تو اپنے لئے کسی صورت میں بھی بدلہ نہ لینا۔ تیرے دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں) ہم خوب جانتے ہیں جو یہ بیان کرتے ہیں۔

(۹۷) وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۝ (آگے لڑانے اور بھڑکانے والوں کی باتوں سے پناہ مانگنا سکھایا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے) اور تو کہہ اے میرے پروردگار میں شیطانوں کے بھڑکانے (اور عیب جوئیوں) سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(۹۸) وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ۝ اور اے پروردگار میں اس سے بھی تیری پناہ میں آتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں (اور مجھے آکر ستائیں)

(۹۹) حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝

(وہ شرارتیں کرتے رہتے ہیں) یہانتک کہ جب ان میں سے کسی ایک کو موت آتی ہے (اور ظاہر ہے کہ انسان مر کر اکیلا اکیلا ہی پیش ہوتا ہے) تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے (دنیا کی طرف) موڑ دو (جمع متکلم کے صیغے جلال کے طور پر اللہ تعالیٰ کے لئے لائے جاتے ہیں لیکن غائب اور مخاطب میں واحد کے صیغے ہی آتے ہیں۔ اس جگہ وہ شیطان رب کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرتا ہے۔ وہ اس سے خدا تعالیٰ کی بزرگی نہیں دکھاتا بلکہ اس بات کو اپنے شرک کی حالت کی وجہ سے کہتا ہے اور موڑ دے کی جگہ موڑ دو کا لفظ استعمال کرتا ہے)

(۱۰۰) لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ ؕ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ (وہ دنیا کی طرف موڑ دینے

کی دعا کرتا ہے اور کہتا ہے) تاکہ میں ان چیزوں میں جو میں چھوڑ آیا ہوں صلاحیت والے عمل کروں (اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت اسکا وہ مال و دولت جسے وہ پیچھے چھوڑ آیا ہے دنیا میں موجود ہوتا ہے اور لوگ دنیا میں بستے ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) ہرگز نہیں (پیچھے کو موڑنے کا قاعدہ غلط ہے۔ علاوہ بریں اسکا وعدہ جھوٹا ہے۔ یہ اس کی ایک زبانی بات ہے۔ اگر اسے اسی حالت میں دنیا میں پھر بھیجا جائے تو پھر بھی یہ اپنی عادت کے مطابق اپنی ہوا و ہوس پر ہی چلیگا) بلاشبہ یہ ایک (زبانی) بات ہے جسکا وہ کہنے والا ہے۔ اور (دہشت کے سبب یہ کچھ دیر بیہوشی میں پڑا رہتا ہے اور ہوش کی حالت والا عذاب نہیں پاتا) اُن کے آگے پیشی کے دن کی طرف بھی ایک پردہ ہوتا ہے (عذاب و حساب کی سختی کا ہوش میں ہی پتہ لگتا ہے)

(۱۰۱) فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ۝ سو جب بگل میں پھونکا جاتا ہے (اور ہوش میں لاکر دوسرے عالم کے ساتھ اُن کا تعلق پیدا کیا جاتا ہے) تو اُس دن تو اُن کے درمیان انساب (یعنی نسلی شرافت کے امتیازات بھی) نہیں ہوتے اور نہ وہ ایک دوسرے سے کچھ مانگ ہی لیتے ہیں (وہ نفسی نفسی کرنے کا ہی وقت ہوتا ہے)

(۱۰۲) فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

پھر (ایسے وقت میں) جس کی ترازوئیں بھاری ہوئیں تو وہ لوگ جو ہیں تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔

(۱۰۳) وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ۝ اور جس کی ترازوئیں ہلکی ہوئیں تو وہ لوگ وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو نقصان پہنچایا۔ وہ

جہنم میں رد پڑنے والے ہیں۔

(۱۰۴) تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ○ آگ اُنکے مونہوں کو جھلس دیتی ہے اور وہ اُس (آگ) میں بُرے مُنہ بنائے ہوتے ہیں۔

(۱۰۵) اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ○

(اُنھیں کہا جاتا ہے کہ) کیا میری آیتوں کی تم پر تلاوت نہیں کی جاتی تھی سو تم اُن کو جھٹلاتے تھے۔

(۱۰۶) قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ○

(اس کے جواب میں لوگ ہمیشہ یہی) کہتے آئے ہیں اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی (یعنی بدعادتیں) غالب ہوگئی اور ہم گمراہی میں پڑنیوالے لوگ تھے۔

(۱۰۷) رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ○ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس (آگ) سے نکال دے۔ پھر اگر ہمنے ایسا کام کیا تو بلاشبہ ہم ظالم ہیں۔

(۱۰۸) قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ○ (اللہ تعالےٰ اُنھیں فرماتا ہے) کہ تم اس آگ میں ذلیل ہوکر پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔

(۱۰۹) اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ○ خدا تعالےٰ نے اُنھیں یہ بھی فرمایا کہ بلاشبہ بات یہ ہے کہ میرے بندوں میں سے ایک فریق یہ کہتے تھے کہ اے ہمارے رب ہم (تجھپر) ایمان لائے سو تو ہمارے لئے بخشش کر

اور ہم پر رحم کر اور تو بہت خوب رحم کرنیوالا ہے۔

(۱۱۰) فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝ پس تمنے انکو مخول میں اُڑایا یہاں تک کہ اُنھوں نے (یعنی ان کی دشمنی نے) تم کو میری یاد بھلادی اور تم اُن پر ہنستے تھے (اور ٹھٹھا کرتے تھے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر موحد کے ساتھ دشمنی و ٹھٹھا کرنا خدا کی توحید سے روکنے کا موجب بن سکتا ہے)

(۱۱۱) اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

(خدا تعالےٰ ان جہنمیوں کو یہ بھی کہتا ہے کہ) بلاشبہ میں نے ان (موحدوں) کو آج ان کے صبر کی وجہ سے جزا دی ہے۔ بات یہ ہے کہ وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں (اور تم دنیا کی زندگی پر ہی ریجھے رہے)

(۱۱۲) قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ۝ (خدا نے) فرمایا کہ تم زمین میں سالوں کی گنتی کے مطابق کس قدر رہے۔

(۱۱۳) قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ۝

(آخرت کے عذاب کی شدت کو دیکھکر) اُنھوں نے کہا کہ ہمنے ایک دن یا دن کا کوئی حصہ دیر کی ہے (اے خدا تو سب کچھ جانتا ہے۔ ہم وقت کی قدر نہیں کرتے تھے اور اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے تھے۔ جو لوگ لمحے لمحے کو گنتے رہتے ہیں اور اس سے کام لیتے ہیں اے خدا تو ان سے پوچھ لے۔ چنانچہ کافر کہتے ہیں) سو تو گننے والوں سے پوچھ لے۔

(۱۱۴) قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

(خدا نے) فرمایا تم (اس عذاب کی شدت کے مقابلے میں) صرف تھوڑا سا

رہ رہے ہو۔ چاہیے تھا کہ تم کو (دنیا میں) اسکا علم ہوتا کہ دنیا کی زندگی قلیل ہے)

(۱۱۵) اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝

کیا (تمنے جزا و سزا کا جو عدل و رحمت الٰہی کو دکھاتی ہے خیال نہیں کیا) پھر تم نے گمان کر لیا کہ ہمنے تم کو عبث ہی پیدا کر دیا ہے (جسکا کوئی نتیجہ نہ نکلے) اور (تمنے یہ بھی سمجھا) یہ کہ تم ہماری طرف (جزا کے لئے) موڑے نہیں جاتے۔

(۱۱۶) فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝

سو اللہ جو سچا بادشاہ ہے (تمہارے ایسے خیالوں سے) بہت بلند ہے (وہ تمہیں ضرور اپنی پیشی کے لئے بلاتا ہے اُس کے آگے کسی کی سفارش نہیں چل سکتی) اس کے سوا کوئی لائق عبادت کے نہیں ہے وہی کرامت والے عرش کا تربیت کرنیوالا (اور مخلوقات میں عدل و کرامت کا پھیلانے والا) ہے۔

(۱۱۷) وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے تو اُس کے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں۔ سو اسکا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ بلاشبہ بات یہ ہے کہ ناقدردان لوگ فلاح نہیں پاتے۔

(۱۱۸) وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اور تو (اے پیغمبر اپنے لئے یہ دعا) مانگا کر اے میرے رب بخشش کر اور رحم کر اور تو خوب رحم کرنیوالا ہے (اے خدا ہم عاجز بھی تجھ سے یہی دعا مانگتے ہیں کہ تو ہمارے گناہوں کو بخشدے اور ہمپر رحم کر کیونکہ تجھ سے بہتر رحم کرنیوالا کوئی نہیں ہے۔ آمین)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُورَةُ النُّور

مضمون اور نظم و ربط

سورت سابقہ میں فرمایا ہے کہ مومنوں نے فلاح پائی اور جن کاموں سے مومنوں کو فلاح ملتی رہی ہے اُن پر عملدرآمد کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اُن اعمال میں سے اس عمل کا ذکر بھی کیا گیا ہے کہ مومن زنا سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اس سورت میں زنا اور بیحیائی سے بچنے پر خاص زور دیا گیا ہے۔ یہ مومنوں کی اندرونی اصلاح ہے۔ کوئی قوم اپنی اندرونی اصلاح کے بغیر نہ قوت پا سکتی ہے اور نہ دنیا کے لئے نمونہ بن سکتی ہے اور نہ دوسرے لوگوں کو اصلاح پر لا سکتی ہے۔ اندرونی اصلاح کے بغیر کوئی قوم نور یعنی ہدایت کا کام نہیں دے سکتی۔

زنا اور بیحیائی سے لوگوں میں فساد پھیلتا ہے۔ مرد و عورت میں بے اعتباری پیدا ہو جاتی ہے۔ اغوا کرنے والوں کے ساتھ دشمنی کی جڑ لگ جاتی ہے۔ قوموں کی غیرت اُن کی قوت کا باعث ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کی حفاظت پر آمادہ رہتے ہیں۔ اس میں طعن و تشنیع کے مواقع کم پیدا ہوتے ہیں۔ قوم کی پاکیزگی اُن کے اعتبار کی ضمانت بنتی ہے۔ الغرض اندرونی اصلاح ہی بنیادی اصلاح ہے۔

کافروں اور منافقوں میں بیحیائی کا بڑا زور شور تھا۔ وہ راہ چلتی عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے اور اس کو ایک مشغلہ سمجھتے تھے۔ اور خوش ہوتے تھے۔ وہ عورتوں پر خواہ مخواہ اتہام لگا دیا کرتے تھے۔ تاکہ اس سبب سے اُن کے خاندانوں اور اُن کے خاوندوں کو بے چین اور بدنام کر دیں۔ اس سورت میں اس کے متعلق اصلاحیں کی گئی ہیں اور خلاف ورزی کرنیوالوں کی سزاؤں کا بیان ہے۔ اس کے لئے حکومت کی ضرورت ہے اور اللہ تعالےٰ نے مومنوں کے متعلق فرمایا ہے کہ میں تم کو پہلے نبیوں کی قوموں کی طرح خلیفہ بناؤنگا۔ ہمارے پہلے خلیفہ رسول کریم تھے۔ اس لئے اس سورت کے اخیر میں اُس اطاعت کا ذکر ہے جو خلافت کے لئے لازم ہے۔ خدا

تعالےٰ اپنے قرآن مجید میں دینیات و اعتقادات کا حکم دیتا ہے۔ اور جب خلافت حاصل ہوئی تو مدنی دورتوں میں ہی رسول کریم کی اطاعت کا جو ہمارے پہلے خلیفہ تھے حکم دیا گیا ہے۔ یہ اطاعت خلافت کی ہے۔ اگر مسلمانوں کا اپنا کوئی خلیفہ نہ ہو تو جس حکومت کے ماتحت اُنھوں نے رہنے کا عہد کیا ہے اور اپنے عمل سے اُس عہد کو دکھلاتے ہیں وہی اُن کے لئے خلیفے کا کام دیتا ہے۔ اپنے بادشاہ کی ناجائز مخالفت کرنا اور بدامنی پھیلانا سراپا حرام ہے۔ سرکاری قوانین کے ماتحت اپنی کمیٹیاں بنانا اور اُن معاملات کا فیصلہ کرنا جن کی سرکاری قانون نے اجازت دی ہوئی ہے جائز ہے۔ اگر وہ گورنمنٹ جبر مذہبی پر اُتر آئے تو وہاں سے ہجرت کی جاسکتی ہے۔ اپنے ایمان اور توحید کو بچانا سب سے بڑھکر ضروری ہے۔

پہلی سورت میں فرمایا ہے کہ مومن اپنی امانتوں اور عہدوں کی حفاظت کرتے ہیں اس سورت میں حکم دیا ہے کہ افک یعنی جھوٹی تہمت لگانا اور بدامنی پھیلانا مومنوں کا کام نہیں جیسا کہ واقعہ افک سے جسکا اس سورت میں بیان ہے ظاہر ہوتا ہے۔

پہلی سورت میں دوسروں کی مسلمان لونڈیوں سے نکاح کی اجازت کا ذکر ہے۔ اس سورت میں فرمایا ہے کہ مالکہ اپنے غلام کے سامنے زیور پہن کر بیٹھ سکتی ہے مطلب یہ کہ غلام اپنی مالکہ کے لئے محرموں میں داخل ہے اور حکم کیا ہے کہ لونڈیاں اپنے مالکوں کے پاس پردے کے تین وقتوں میں نہ آئیں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لونڈیاں مالکوں کی بیٹیوں کی طرح ہوتی ہیں۔ مالکوں کو حکم ہے کہ اپنے لونڈی غلاموں کا دوسروں کے ساتھ نکاح کرادیں۔ خود اُنھیں زنا پر مجبور نہ کریں۔ اگر نکاح نہ ملے تو لونڈی غلاموں کو عفت اختیار کرنی چاہیئے۔ اُن کا اپنے مالک اور مالکہ سے ناجائز تعلق پیدا کرنا قطعاً حرام ہے۔ اگر لونڈیاں اپنے مالکوں کے ساتھ مل سکتی ہیں تو وہ شخص جو لونڈی کے ساتھ نکاح کریگا اُسے اس لونڈی کے مالک کی طرف سے ہمیشہ بدکاری کا احتمال رہیگا۔ اور سمجھے گا کہ شاید وہ بھی اس سے فائدہ اُٹھاتا ہو۔ اس سے اولاد کی تعیین اور وراثت کے تقرر میں شبہات پیدا ہونگے۔ مالکوں کو حکم ہے کہ اگر لونڈی غلام قسطیں ادا کرکے آزاد ہونا چاہیں تو اُن کے ساتھ ایسا عہد کرلو اور یوں اُنھیں آزاد کردو۔ غلامی کی لعنت کو آئندہ کے لئے صرف قرآن مجید نے ہی اُٹھادیا ہے۔ سورت مومنوں میں مومنوں کو

نماز میں عاجزی کرنے کا حکم ہے۔ اس سورت میں دکھلایا ہے کہ جانور اور درخت وغیرہ بھی اپنی نماز اور تسبیح سے غافل نہیں ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ سورت مومنون کے حکموں کی اس سورت میں تائید کی گئی ہے اور اسی سبب سے اس سورت کا نام نور ہے نور کا کام ہے کہ مخفی شے کو ظاہر کرے جو چیزیں اسکان میں مخفی تھیں خدا انہیں خارجی وجود دیتا ہے اور مخلوقات کو ایکدوسرے پر ظاہر کرتا ہے۔ پھر نور کا کام رہنمائی کرنا اور ہدایت دینا ہے۔ اللہ تعالےٰ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو مناسب پیدائش دیکر اس پیدائش کے مطابق اُن کی رہنمائی کرتا ہے۔ خدا تعالےٰ ہادی ہونے کے سبب سے نور ہے اور نور کے نور سے مراد اس ہادی کا ہدایت دینا ہے خدا تعالےٰ انسان کو بھی فطری طور پر ہدایت دیتا ہے۔ خدا کے ہدایت دینے کی مثال یوں سمجھو کہ انسان کے اندر روح کا چراغ موجود ہے۔ جس کو اس کے تقوے اور فجور کا الہام کیا گیا ہے۔ طاق جس میں چراغ رکھا جاتا ہے وہ چراغ کی روشنی کو سمیٹ کر اُس کو زیادہ روشن بناتا ہے۔ ہمارا جسم جو احسن تقویم میں پیدا کیا گیا ہے روح کے لئے بمنزلہ طاق کے ہے جو چراغ کے نور کو ترقی دینے کا موجب ہے۔ اور جسطرح چراغ پر ایسے شیشے کی چمنی لگائی جائے جو روشن ستارے کی طرح چمکتی ہو تاکہ چراغ کے نور میں اور اضافہ کردے اسی طرح ہمارے روح پر دماغ کی چمنی لگائی گئی ہے اس سے نور میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ چراغ کو زیتون کے تیل سے مدد ملتی ہے اگر زیتون پہاڑ کی چوٹی پر ہو اور ہر وقت۔ درج اور ستاروں کے نور کو جذب کرے تو وہ زیتون ان زیتونوں سے جو پہاڑ کے غربی یا شرقی پہلو پر موجود ہوں زیادہ صاف تیل دیتا ہے۔ ہمارے روح کو جس زیتون کے درخت سے تیل ملتا ہے وہ نیچر کا زیتون ہے۔ نیچر نہ شرقی ہے نہ غربی۔ ہمکا تعلق ہر جگہ یکساں ہے۔ ؎

زباں کز بہر حق خواہی چہ عبرانی چہ سریانی
مکاں کز بہر حق جوئی بہ جابلقا چہ جابلسا

نیچر کا تیل یعنی ہدایت ہر جگہ سے مل جاتی ہے اور یہ تیل ایسا روشن ہوتا ہے کہ کسی محنت و تعلیم کے بغیر ہی روشنی دینے کے لئے کفایت کرتا ہے اور قریب ہوتا ہے کہ آگ لگنے کے بغیر ہی روشن ہو جائے۔ اس چراغ کو نور پر نور حاصل ہوتا جاتا ہے

خود خدا ہی اپنی ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ وحی کی ہدایت علاوہ بران ہے۔ یہ ہدایت گھروں میں ہی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے کسی سفر کی ضرورت نہیں گھروں کو ادنےٰ حالت سے اعلیٰ حالت پر پہنچانا چاہیئے اور بال بچوں کو خدا کی یاد میں لگانا اور غریبوں کی مدد کے لئے ایک دوسرے سے کچھ لے کر جمع کرنا ضروری ہے اسی طرح کفر کے اندھیروں کی بھی مثال دی گئی ہے اور اُن کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ ظلمٰتٌ بعضھا فوق بعض ہیں۔ مشرکوں کی کوششوں کو سراب کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ نے چاہا تو ترجمہ و تشریح میں اسکا کچھ ذکر آئیگا

ترجمہ و تشریح

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ شروع ساتھ نام اللہ کے جو (اپنی ذات میں کامل مطلق ہے اور مخلوقات کے ساتھ اُسکا تعلق) رحمٰن و رحیم ہونے کا ہے۔

(۱) سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰھَا وَفَرَضْنٰھَا وَاَنْزَلْنَا فِیْھَآ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ○ یہ ایک (عالیشان) سورت ہے (باقی قرآن کی طرح) ہم نے اسے اُتارا ہے اور اس کو ہمنے دستور العمل بنایا ہے (جسطرح باقی قرآن مجید بھی سارے کا سارا دستور العمل اور فرض بنایا گیا ہے ۱۲ و ۲۰) اور ہم نے اس میں واضح (اور کھلی کھلی) آیتیں نازل کیں (جیسے کہ باقی قرآن میں بھی روشن آیات پائی جاتی ہیں وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ وَمَا یَکْفُرُ بِھَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ○ ۱۲ وغیرہ) تاکہ تم نصیحت پکڑو (اللہ تعالےٰ نے تمام قرآن مجید کو فرض یعنی دستور العمل بنایا اور اس سورت کو خاصکر فرض قرار دیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سورت کے حکموں پر اہل اسلام کو خصوصیت کے ساتھ توجہ کرنی چاہیئے، برعکس اس کے بڑا افسوس ہے کہ لوگ قرآن مجید کے حکموں پر نہیں چلتے اور خاصکر اس سورت کے حکموں کا خیال نہیں رکھتے۔

(۲) اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ

وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(زنا قوم کی جڑ کو کھوکھلا بنا دینے والی چیز ہے۔ اس سورت کو پہلے زنا کی سزا سے ہی شروع کیا ہے۔ اور آگے ایسے قاعدے بتلائے ہیں کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو زنا قوم سے نکل جاتا ہے)

زنا کرنیوالی عورت اور زنا کرنیوالا مرد جو ہے۔ تو تم ان میں سے ہر ایک کو بدن پر سو ضربیں مارو (جلد کے معنی ہیں جسم پر مارنا اور کوڑے لگانا۔ ان کوڑوں کا فیصلہ مجرم کی طاقت اور قوت کے مطابق حاکم شوریٰ کے ساتھ کریگا۔ اگر حاکم چاہے تو جوتے بھی لگوا سکتا ہے۔ مقصود اس سے زانیوں کو ایذا دینا اور خلقت میں رسوا کرنا ہے) اور تم کو ان دونوں پر اللہ کے دین کے بجالانے میں نرمی نہ پکڑے (اور رقت نہ آئے) بشرطیکہ تم کو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہو۔ اور چاہئے کہ ان دونوں کے عذاب پر مومنوں کا ایک گروہ حاضر ہو (تاکہ ان کی خوب رسوائی ہو۔ اور مومنوں سے زناکاری مطلقاً نکل جائے۔

مرد قوت کے سبب عورت سے زیادہ چوری کرنیوالا ہوتا ہے۔ اسلئے چوری میں مرد کو پہلے لایا گیا ہے چنانچہ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ میں سارق سارقہ سے پہلے آیا ہے۔ عورتیں جاہلیت میں بناؤ سنگار کر کے اپنی خوبصورتی کو دکھاتی تھیں اور مردوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرتی تھیں اسلئے اس آیت میں زانیہ کو زانی سے مقدم کیا گیا ہے)

(۳) اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۖ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (مذکورہ بالا سزا مومنوں کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ جو لوگ اس عفت کو پسند کرتے تھے وہ شوق سے مومنوں میں شامل ہوتے تھے لیکن بہت سے لوگ جن کا پیشہ زنا ہوتا ہے یا مشرک ہوتے ہیں انھیں عفیفانہ زندگی گذارنے سے نفرت ہوتی ہے۔ وہ زانی مرد اور زانی عورت سے بھی نکاح کر لیتے ہیں۔ مرد اپنی بیوی کو زنا سے نہیں روکتا اور عورت اپنے مرد کے زنا سے ناخوش نہیں ہوتی۔ وہ اسی کو نکاح سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ یک شبہ اور یک ماہا

ؔ سزا حاکم اور شوریٰ کی قرارداد کے مطابق ہونی چاہئے۔ سزا دہندہ کو اپنی طرف سے سزا دینے میں نرمی نہ کرنی چاہئے

یعنی وقتی متعہ کو بھی حلال جانتے ہیں۔ جب تک وہ مومنوں کی جماعت میں شامل نہ ہوں اُن کو مذکورہ بالا سزا نہیں دیجاتی۔ اُن کے لئے ان کے اپنے خیالی نکاح کو ہی نکاح سمجھا جاتا ہے۔ لیکن مومنوں کے لئے ایسا نکاح حرام کر دیا گیا ہے۔ ایسے نکاح سے میاں بیوی میں بااخلاص محبت نہیں پیدا ہوتی اور عورتوں کی حرمت اور نیز وراثت کا پتہ نہیں رہتا اور اولاد کا پتہ نہیں چلتا کہ کس کی ہے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے) زانی مرد نہیں نکاح کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ سے اور زانی عورت جو ہے اس سے نہیں نکاح کرتا مگر زانی یا مشرک (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زانی اور مشرک کے ایسے نکاح کو نکاح سمجھکر وہ سزا نہیں دیجائیگی جو مومنوں کے لئے مقرر ہے) اور یہ (نکاح جس میں لوگ مرد و عورت کو زنا کی اجازت دیتے ہیں) مومنوں پر حرام کیا گیا ہے۔

(۴) وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (مومن خود بھی پاکدامن رہتے ہیں اور اپنی بیویوں کو بھی پاکدامن رکھتے ہیں۔ زنا پیشہ اور مشرک نہ خود پاکدامن رہتے ہیں نہ اپنی بیویوں کو پاکدامن رکھنا چاہتے ہیں۔ اسلئے پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا بہت بڑا ظلم ہے۔ جیسا کہ فرمایا) اور وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں پھر چار (چشم دید) گواہ نہیں لاتے تو تم (اُن خلیفوں کے ذریعہ سے جنکی خلافت کو تمنے مان لیا ہے) اُن (تہمت لگانیوالوں) کو اسّی ضربیں لگاؤ (اور یہ ایسی ضربیں ہونی چاہئیں جن سے مجرموں کی زندگی خطرے میں نہ پڑجائے۔ ان سو اور اسّی ضربوں کے باوجود لوگ زندہ رہتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے) اور تم اُن کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ اور وہ لوگ جو ہیں تو وہی اصل بدکار (اور اصل نافرمان) ہیں۔ (اگر ایک شخص کسی پر زنا کی تہمت لگائے اور چشم دید گواہ بھی لائے تو مجرم کو سو تازیانے لگیں گے۔ مدعی بھی ایک قسم کا گواہ ہی ہوتا ہے۔ سو جب پانچ گواہوں کے سبب سے مجرم کو سو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ تو جب چار گواہ نہ ہوں اور بھی سزا تہمت لگانیوالے کو دیجائے تو اس صورت میں ضرورت ہے کہ تہمت لگانے والے کو اسّی کوڑے لگیں بیس کوڑے اسکے

مدعی ہونے کے سبب سے کم کئے جائیں گے)

(۵) اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ مگر وہ لوگ جنہوں نے اس کے پیچھے توبہ کی اور سُدھر گئے۔ سو بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحم والا ہے (اللہ تعالیٰ کو انسان کی باطنی اصلاح کا پورا علم ہے وہ تو اُسے بخشدیگا لیکن جب تک اُنکی اصلاح حکام پر ثابت نہ ہو جائے وہ اُن کی گواہی کبھی قبول نہیں کرینگے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے پہلی دفعہ جھوٹ بولا لیکن اُنکی گواہی جو بن یامین کے متعلق اُن کے اپنے خیال کے مطابق سچ تھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس میں بھی اُن کو جھوٹا جانا اور کہا۔ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۔ ۱۳/۴ نبی غیب دان نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی یہ عادت نہیں ہے کہ خود ہی ہر صورت بتلا دیا کرے کہ فلاں گواہ سچا ہے اور فلاں جھوٹا۔ جسطرح لوگوں کے لئے فیصلے کرنے کا حکم ہے نبی بھی بالعموم اسی طرح سے ہی فیصلہ کیا کرتا ہے)

(۶) وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ (خدا کے لئے ضروری نہیں کہ نبی کو مدعی اور مدعا علیہ کے اندرونی حالات سے خبردار کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے) اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں اور اُن کے لئے سوائے اپنی جانوں کے (دیگر شہریوں) گواہ نہیں ہوتے (تو ان خاوندوں کو اسّی دُرّے نہ لگائے جائیں۔ اس صورت میں میاں بیوی دونوں کی طرف سے پانچ پانچ شہادتیں ہونی چاہئیں چنانچہ فرمایا) سو ان میں سے ایک کی شہادت چار ایسی شہادتیں ہوں کہ اللہ کی قسم (یعنی خاوند) ضرور سچوں سے ہے۔

(۷) وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝

اور پانچویں شہادت ہو یہ کہ اللہ کی لعنت اُس پر (یعنی خاوند پر) ہو اگر وہ جھوٹوں سے ہے (اس شہادت کے بعد خاوند کو اسّی کوڑے نہیں لگیں گے اور وہ تہمت لگانے کی سزا سے بچ جائیگا)

(۸) وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ إِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ اور یہ بات اس عورت سے بھی عذاب کو ہٹا دیتی ہے کہ وہ (عورت) چار ایسی گواہیاں دے کہ اللہ کی قسم بلاشبہ وہ (یعنی اسکا خاوند) ضرور جھوٹوں سے ہے۔

(۹) وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

اور پانچویں یہ ہو کہ اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ (یعنی اس کا خاوند) سچوں سے ہو (ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مدعی بھی گواہ ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ مرد نے اپنی بیوی کے برخلاف ایسی گواہی اسلئے دی ہو کہ وہ بیوی آئندہ کے لئے زنا سے بچ جائے اور امن و اعتبار کے ساتھ گھر میں بسے۔ اگر خاوند کو ایسی صورت میں سزا دیجائے تو اُن کے اتحاد کے لئے یہ ایک رکاوٹ بن جائیگی۔ اسلئے خاوند کو تہمت لگانے کی سزا سے بری کیا گیا ہے۔ اور جب عورت ایسی پانچ شہادتیں دیدی ہے تو اسکا بھی حق ہے کہ وہ زنا کی سزا سے بچائی جائے۔ اگر بیوی ایسی تشہیر سے ڈر کر خاوند کے آگے اندرونی طور پر پچتا جائے تو اُن کا نکاح رہ سکتا ہے جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے۔ اس مقدمے میں فریقین میں سے ضرور ہے کہ ایک جھوٹا ہو۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے کوئی ایسا طریقہ نہیں بتایا جس سے میاں یا بیوی کا جھوٹا ہونا معلوم ہو ہمارے لئے بھی ضروری ہے کہ ثبوتوں کے مطابق فیصلہ کریں۔ اور نبی علیہ السلام کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ بلاشبہ ہمنے تیری طرف یہ کتاب یعنی قرآن اس لئے نازل کیا ہے تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلے کرے جو اللہ نے تجھکو (اس قرآن میں) دکھلا دیا ہے پ ۱۳ نبی کریم بھی گواہیوں اور امتحانوں۔ حکموں اور منصفوں کے مطابق ہی فیصلہ کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ ہمارے رسول کریم یقیناً

غیب دان نہیں تھے۔ وہ نہیں بتا سکتے تھے کہ اس مقدمے میں میاں سچا ہے یا بیوی

(۱۰) وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝

(اگر بیوی خاوند کے آگے خفیہ طور پر زنا سے تائب ہو جائے تو اُن کا نکاح رہ سکتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ توبہ قبول کرنیوالا درست کار ہے (تو تمہارا کیا حال ہوتا۔ اللہ کا فضل تو یہ ہوا کہ خاوند بھی سزا سے بچایا گیا اور بیوی بھی اُسی کی رحمت سے بچ رہی اور توبہ کرنے سے سدھر گئی تو بلاشبہ یہ بات خدا کی حکمت کے مطابق ہے۔

اس آیت سے سورج کی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو زانیہ سمجھکر خود سزا نہیں دے سکتا۔ لازم ہے کہ وہ اس مقدمے کو حاکموں کے آگے ہی پیش کرے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ وَاضْرِبُوْهُنَّ کا حکم بھی اُسی صورت میں ہی ہو جبکہ وہ معاملہ بھی حاکموں کے آگے پیش کیا جائے۔ جیسا کہ سورت نساء کی تفسیر میں اسکا ذکر آچکا ہے ۔

میاں بیوی کے لئے قرآن کی فرمائی ہوئی شہادتیں دینا نہایت ہی معقول ہے اور جبکہ اس حکم کی خلاف ورزی میں سزا کا خوف ہے تو ممکن نہیں کہ میاں بیوی عدالت کے سامنے اس حکم کی خلاف ورزی کر سکیں۔ اگر دنیا میں راستی کی محبت عام ہو جائے تو جھوٹے مقدمات کے لئے کوئی موقعہ نہیں رہ سکتا۔ جھوٹ کے سبب رحمت الٰہی سے دُوری ہو جاتی ہے ؎

راستی موجب رضائے خداست ✦ کس ندیدم کہ گم شُد از رہ راست

اسی لئے اللہ تعالےٰ نے جھوٹوں کو لعنت کے لائق فرمایا ہے ۔ مذکورہ بالا مقدمہ میں مرد نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی تھی۔ اگر اس مقدمہ میں مرد جھوٹا ہے تو اُس کے لئے لعنت کا ہی ذکر آنا مناسب ہے۔ اور اگر عورت جھوٹ بول کر زنا کی سزا سے بچنا چاہتی ہے تو اُس کے لئے لعنت سے بڑھکر غضب کے لفظ کا لانا ہی درست ہے)

رکوع دوم (۱۱) اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ

مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

(کفار مومنین کو ہر طرح کی تکلیف پہنچاتے تھے۔ اُن کی بیویوں کو راہ چلتے چھیڑا کرتے تھے۔ اُن کے متعلق بُری خبریں اُڑایا کرتے تھے ۲۱

مسلمانوں میں سے حوصلے والی عورتیں جنگوں میں بھی شامل ہوتی تھیں۔ وہ فوج کیلئے روٹی پانی کا انتظام کرتی تھیں۔ کسی جنگ میں تین چار عورتیں پانی کی تلاش کرتی ہوئیں راستہ بھول گئیں۔ جنگ کے خاتمے پر اُن کے خاوندوں نے اُن کی تلاش کی۔ بعض نیکدل لوگ اُنھیں لشکر میں پہنچا گئے۔ جب یہ خبر منافقین کو پہنچی تو اُنھوں نے سازش کرکے یہ بہتان باندھا کہ یہ عورتیں بدکار ہیں۔ اور اسی لئے پیچھے رہی ہیں۔ بعض مومن بھی شبہ میں پڑ گئے اور اُنکی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

اوپر کی آیتوں میں خدا تعالےٰ نے دکھلایا ہے کہ نبی اور مومنین میں سے کوئی غیب دان نہیں۔ ان آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے اپنی غیب دانی کا ثبوت دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ عورتیں پاک ہیں۔ خدا تعالےٰ جب چاہتا ہے نمونے کے طور پر کسی بات میں اطلاع دیدیتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے ایسے بہتانوں میں آئندہ کے لئے مومنوں کو شریک ہونے سے روکا ہے اور تاکید فرمائی ہے کہ تخمینی باتیں نہ بنایا کرو اور صریح ثبوت کے بغیر کسی پر الزام مت لگاؤ

ان آیات میں نبیؐ کی بیوی کا اشارہ تک بھی نہیں۔ ان آیتوں میں جس بہتان کا ذکر ہے الحدیث نے خواہ مخواہ اُس کو حضرت عائشہؓ کے ذمے لگایا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن اُسے گم رکھنے کی کوشش نہ کرتا۔ بقول الحدیث رسول کریمؐ نے حضرت عائشہ سے فرمایا تھا کہ اگر تو گناہ میں پڑ گئی ہے تو توبہ کر۔ اہل حدیث کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول مقبول اپنی بیوی کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ایسی صورت میں لوگ یہ شبہ کرسکتے ہیں کہ رسول نے اپنی غرض کے لئے خود ہی یہ آیتیں اُتار لی ہیں۔ لیکن اگر غیر عورتوں کا ذکر ہو تو اُن کی حمایت کرنا اللہ اور رسول دونوں کی طرف سے ایک خوبی ہے۔ الحدیث کے نزدیک رسول مقبول ان آیتوں کے اُترنے تک خود بھی شبہ میں پڑے رہے اور خدا کے حکم کے مطابق یہ کلمے زبان پر نہ لائے کہ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ وغیرہ وغیرہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے یہ طوفان اُٹھایا ہے تمہیں میں سے ایک جماعت ہیں۔ تم اس کو اپنے لئے شر نہ سمجھو۔ بلکہ یہ تمہارے لئے خیر ہے (اس واقعہ کے سبب سے آئندہ کے لئے تمہاری بہت سی اصلاحیں کی جائینگی اور تمہیں بڑا فائدہ پہنچیگا۔ لیکن تہمت لگانے والوں کو اُن کے گناہ کا بُرا نتیجہ ملیگا) ان تہمت لگانے والوں میں سے ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اُس نے گناہ سے کمایا اور اُن میں سے جسنے اسکا بڑا حصہ لیا (اور اس بہتان کا بیڑا اُٹھایا) اُس کے لئے بڑا عذاب ہے۔

(۱۲) لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ○ جب تمنے اس (بہتان) کو سُنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے کیوں اسے اپنے دلوں میں خیر نہیں خیال کیا (اور کیوں اُن عورتوں کو پاکدامن نہیں سمجھا) اور (کیوں نہیں) کہا کہ یہ صریح طوفان ہے۔

(۱۳) لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○ کیوں وہ (بہتان لگانے والے) اس (بہتان) پر (ہر عورت کے متعلق) چار چار گواہ نہیں لائے (سورت نساء ۴/۱۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ عورتیں جو تمہاری بیویوں سے بے حیائی لاویں تو تم ان پر چار گواہ طلب کرو الخ۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ چار گواہ ہر ہر واقعہ کے لئے ہونگے) سو جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہ لوگ اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں (اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو بغیر چار چشمدید گواہوں کے تہمت لگاتے ہیں جھوٹوں کی فہرست میں داخل کرتا ہے)

(۱۴) وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ اور اگر تم پر

دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اُسکی رحمت نہ ہوتی تو تم کو اس (بہتان) میں جسمیں تم پڑ گئے تھے بڑا عذاب پہنچتا (تم غلطی سے اس میں پھنس گئے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے تم کو خبردار کر دیا ہے اور اپنی رحمت سے اس ظلم کے اثر سے بچا دیا ہے۔ آگے کو ایسا نہ کرنا)

(۱۵) اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝ جبکہ تم اس (بہتان) کو اپنی زبانوں پر لاتے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے تھے جسکا تم کو علم نہیں تھا اور اسے آسان (اور ہلکی) بات سمجھتے تھے حالانکہ یہ بات اللہ کے نزدیک بہت بھاری (اور کبیرہ گناہ) ہے۔

(۱۶) وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ اور جبکہ تمنے اُسے سُنا تو تم نے کیوں نہیں کہا کہ ہمارے لئے لائق نہیں ہے کہ ہم اس میں کلام کریں۔ اے خدا تو پاک ہے۔ یہ بڑا بہتان (اور طوفان) ہے (ہم کمزور انسان ہونے کے سبب خواہ مخواہ شبہات میں پڑ جاتے ہیں۔ اے خدا تو پاک ہے تو مومن بندوں کی اُن کے ایمان کے سبب حفاظت کرنیوالا ہے)

(۱۷) يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو تم اس کی مثل پھر کبھی نہ کرنا (مومنوں کا نشان ہے کہ وہ لایعنی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور اُنھیں زبان پر نہیں لایا کرتے)

(۱۸) وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اور اللہ تمہارے لئے (خوبی والی) آیتیں بیان کرتا ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

(۱۹) اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۙ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بلاشبہ وہ لوگ جو اس بات کو دوست رکھتے ہیں کہ مومنوں میں بیحیائی پھیلے۔ اُن کے لئے دُنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

(۲۰) وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ نرمی والا رحم والا نہ ہوتا (تو تمہارا کیا حال ہوتا۔ تم جہالتوں ہی میں پھنسے رہتے اور مخلصی کی کوئی راہ نہ پاتے)

(۲۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ وَمَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰی مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ اے لوگو جو ایمان لائے ہو شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو (توہمات اور ظنیات میں مت پھنسو) اور جو شیطان کے قدموں کی پیروی کرے (اور شبہات اور تقلید کی بنا پر کوئی ایسی بات کہے جسکا اُسے علم نہیں) تو بلاشبہ وہ (شیطان) بیحیائی اور نامعقول بات کا حکم کرتا ہے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (اور تمہیں صحیفۂ فطرت اور قرآن نہ ملا ہوتا یا اللہ اپنے فضل سے تمہاری حمایت نہ کرتا اور تمہارے نیک عملوں کے نتیجے میں تم پر رحمت نہ فرماتا) تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی پاک نہ رہتا۔ ولیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک رکھتا ہے۔ اور اللہ (تمہاری دعاؤں کو) سننے والا اور (تمہاری نیتوں کو)

جاننے والا ہے۔

(۲۲) وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (جن عورتوں پر تہمت لگائی گئی تھی اُن کے خاوند اور ماں باپ اور دیگر رشتہ دار تہمت لگانے والوں کو پہلے کھانا اور کپڑا اور مالی مدد دیا کرتے تھے۔ اب انھوں نے ناراض ہو کر اُن کے وظیفے بند کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسا نہ کریں۔ چنانچہ ارشاد ہے) اور تم میں سے جو فضل اور فراخی والے ہیں وہ قسمیں نہ کھالیں کہ ہم قریبیوں اور مسکینوں اور اُن لوگوں کو جنہوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی ہے (اور اُن کو مدد کی ضرورت ہے) کچھ نہیں دیں گے۔ اور چاہیئے کہ معاف کر دیویں اور (اُن کی شرارتوں کا) خیال نہ کریں۔ کیا تم اس بات کو دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تم کو معاف کر دے (پس تم بھی اُن کو معاف کر دو) اور اللہ بخشنے والا رحم والا ہے (اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو چاہتا ہے کہ خدا مجھے بخشے وہ اپنے قصور واروں کو بھی معاف کر دے۔ لیکن اس میں عدالتی سزاؤں کے معاف کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ کھانا تو قیدیوں کو بھی دیا جانا لازم ہے ۲۹/۱۹)

(۲۳) إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ بلاشبہ وہ لوگ جو پاکدامنوں۔ بھولی بھالیوں۔ ایماندار عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں۔ اُن پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے (اور وہ اللہ کی رحمت سے دُور کیے گئے ہیں) اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے (وہ تہمت کی سزا سے جو خدا نے عدالت کے قاعدے کے مطابق مقرر کی ہے ہرگز نہیں بچیں گے۔ اور عقبیٰ میں بھی بڑے عذاب میں

پہنتے ہیں)

(۲۴) يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ اُس دن جبکہ اُن پر اُن کی زبانیں (جن سے اُنھوں نے تہمت لگائی تھی) اور اُن کے ہاتھ (جن سے اُنھوں نے اس تہمت کو کھڑا کرنے کی عملی کوششیں کی تھیں) اور اُن کے پاؤں (جن سے اُنھوں نے اس تہمت کے لئے ہر قسم کی سعی کی تھی) اُن کے عملوں کی گواہی دیتے ہیں۔

(۲۵) يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ○ اُس دن اللہ اُن کو ان کا ٹھیک ٹھیک بدلہ پورا پورا دیتا ہے اور وہ جان لیتے ہیں کہ اللہ ہی جو ہے تو وہی صریح حق ہے (اُس کے دربار میں کسی کی شفاعت کام نہیں دیتی)

(۲۶) الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ ۖ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ○ خبیث عورتیں (یعنی زانیہ ومشرکہ) خبیث مردوں کے لئے ہی سجتی ہیں۔ اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہی لائق ہیں (کبھی کبھی نبیوں تک کے پلّے میں خائنہ عورتیں بھی پڑ جاتی تھیں۔ لیکن یہ بات شایاں نہ تھی) اور طیّب (یعنی عفت وصلاحیت والی) عورتیں طیّب مردوں کے لئے مناسب ہیں اور طیّب مرد طیّب عورتوں کے لئے شایاں ہیں یہ (لوگ یعنی طیبات وطیبین) اس سے بری ہیں جو لوگ (اُن کے متعلق) کہتے ہیں۔ اُن کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے (ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایماندار مرد اور عورت کے لئے لائق ہے کہ شتے نلطے ایسے لوگوں سے کریں جو با اخلاق اور قابل اعتبار ہوں، اور معاملے کے ٹھیک ہوں قوموں کی بہتری کی بنیاد

نیکی اور راستی پر ہی ہے)

رکوع چہارم (۲۷) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ (اب یہاں ایسے قاعدے جاری کئے جاتے ہیں جو بدکاری اور بدامنی کو دور کرنے والے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) اے لوگو جو (خدا پر) ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوائے دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت نہ پاؤ (اور اُنس نہ دیکھ لو) اور اس گھر والوں پر سلام نہ کر لو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو (اور اس بات کا ہمیشہ دھیان رکھو کہ اس حکم پر عمل کرنے سے بدکاری اور چوری کی تہمت سے بچے رہو گے)

(۲۸) فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ پھر اگر تم اُن (گھروں) میں کسی کو نہ پاؤ (اور تمہارے سلام کرنے پر کوئی آواز نہ آئے) تو تم اُن میں داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اذن نہ دیا جائے (ممکن ہے کہ گھر والا کہیں باہر کھڑا ہو اور دیکھ کر داخل ہونے کا اذن دے۔ بعض دفعہ کوئی بزرگ یا افسر کسی کو بلاتا ہے اور وہ اس کو ملنے کے لئے اس کے گھر جاتا ہے تو جب تک آواز نہ آئے گھر میں داخل نہ ہونا چاہئے اور اگر اپنی ضرورت کے لئے گیا ہے تو مناسب سمجھ کر واپس آسکتا ہے) اور اگر تمہیں کہا جائے کہ مڑ جاؤ تو (بلا تامل) مڑ جاؤ۔ یہ بات تمہارے لئے بڑی سودمند ہے (لیکن تم ایسی بات سنکر ناراض ہو جاتے ہو) اور اللہ تمہارے کاموں کو جاننے والا ہے (وہ تمہارے عملوں کے مطابق تم کو اجر دیگا)

(۲۹) لَّيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ

فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۝

تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اُن گھروں میں داخل ہو جس میں (کسی خاص شخص کی) رہائش نہیں ہے۔ جن میں تمہارا کوئی فائدہ ہو (یہ پبلک مکانات ہیں اور رفاہ عام کے لئے بنائے گئے ہیں مسجدوں میں آدمی نماز کے لئے بلا اجازت جاسکتا ہے۔ پبلک لائبریریوں میں اخبار دیکھنے کے لئے جانے کی اجازت ہے اور پبلک دفاتر میں ہر ایک کو جانے کی اجازت ہونی چاہیے۔ جنگلوں میں جو غیر آباد مکان ہیں اور کھلے پڑے ہیں وہاں بھی آدمی آرام لینے کے لئے جاسکتا ہے۔ بعض لوگ ایسی جگہوں میں بدکاری یا قمار بازی کے لئے یا کوئی شریرانہ منصوبہ لیکر جاتے ہیں لیکن ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ہم ذکر الٰہی کرنے یا آرام لینے کے لئے وہاں گئے تھے اسلئے فرمایا) اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور تم چھپاتے ہو۔

(۳۰) قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ (یہاں بدی سے بچنے کے لئے ایک اور قاعدہ بتلایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے) تو مومنوں کو کہدے کہ وہ اپنی بعض نظروں کو پست کریں (اگر پہلی دفعہ نظر پڑ جائے تو آئندہ کے لئے نظر کو پست کرنا لازم ہے۔ اگر کوئی عورت کسی مقدمے میں گواہ ہو تو اُس کی شناخت کے لئے بھی اُس کو دیکھنا جائز ہے اور اپنی بیوی کی طرف دیکھنا بھی منع نہیں۔ آگے فرمایا) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں (یعنی اُنھیں زنا سے بچائیں اور اپنی بیوی سے بھی بے ضرورت نہ پیٹے رہیں) یہ بات اُن کے لئے زیادہ پاکیزگی کی ہے۔ بلاشبہ اللہ ان کی کاریگریوں سے خبردار ہے (لوگ اوپر سے پرہیزگاری دکھلاتے ہیں اور تنہائی اور خلوت میں جو کارروائیاں کرتے ہیں۔ اللہ کو اُن سب کی خبر ہے)

(۳۱) وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ

بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ
اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ
اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ
اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ
اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ
بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ
جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (آگے فرمایا) اور تو مومن عورتوں
کو کہدے کہ وہ اپنی بعض نظروں کو پست کریں اور اپنی شرمگاہوں
کی حفاظت کریں اور اپنے زینت کے موقعوں کو ظاہر نہ کریں (یعنی
اپنے جسم کو نہ دکھلائیں) مگر جو اُن سے ظاہر ہو (یعنی مُنہ اور ہاتھ اور پاؤں اور
بعض دفعہ ہاتھ کی کلائیوں کو ظاہر کرنا پڑتا ہے۔ اُن کے کھلے رکھنے میں کوئی حرج نہیں) اور
چاہیئے کہ وہ (مومن عورتیں) اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈال لیں (تاکہ
اُن کے سینوں کی زینت پر کسی کی نظر نہ پڑے) اور نہ وہ اپنی زینتوں (یعنی زیوروں اور
رنگین اور ریشمی کپڑوں اور ہونٹوں کی سُرخی وغیرہ) کو ظاہر کریں مگر اپنے خاوندوں کے
لئے یا اپنے باپ دادوں کے لئے یا اپنے خاوندوں کے باپوں کے لئے
یا اپنے بیٹوں کے لئے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لئے یا اپنے بھائیوں
کے لئے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے لئے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے
لئے یا اپنی (قابل اعتبار) عورتوں کے لئے (غیر عورتیں اگر اُن کے بناؤ سنگار کو دیکھینگی
تو وہ دوسرے مردوں کے پاس جاکر ذکر کرینگی۔ پس اُن کے سامنے سیدھی اور سادہ حالت میں
ہی پیش ہونا چاہیئے) یا اپنے لونڈی غلاموں کے لئے (اسلئے کہ وہ بھی مالکہ کے لئے
بمنزلہ اولاد کے ہیں) یا وہ کام کاج کرنیوالے مرد جن کو عورتوں کی حاجت

نہیں ہے (جیسے بوڑھے اور مخنث) یا اُن بچوں کے لئے جو عورتوں کے پردوں کی جگہ پر واقف نہیں ہیں۔ اور وہ (مومن عورتیں) اپنے پاؤں کو زمین پر نہ ماریں تاکہ اُن کی پوشیدہ زینتوں کا کسی (غیر) کو علم نہ ہو جائے (پازیبوں اور گھنگروؤں وغیرہ زیوروں کا پاؤں کے مارنے سے پتہ لگ جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے فدا فدا باتوں سے آگاہ کر دیا ہے۔ اگر نماز کی دو تین چار رکعتوں کا علم بھی ایسا ہی ضروری ہوتا تو خدا تعالےٰ اُسے اپنے قرآن میں ضرور بیان کرتا۔ آگے فرمایا) اور اے مومنو تم سب کے سب اللہ کی طرف توبہ (اور رجوع) کرو تاکہ تم فلاح پاؤ (مومنوں کو چاہیئے کہ سب ایک دوسرے کی عصمت کا خیال رکھیں اور کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے دوسروں کی عصمت کو صدمہ پہنچے۔ ہمیں چاہیئے کہ نیکی کے کاموں کو سب مل جل کر بجالائیں۔ اور کھوٹے ارادوں کو اپنے دل سے بھلا دیں)

(۳۲) وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (ان آیات میں بدی کو روکنے کے لئے یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ بے نکاح مردوں اور عورتوں اور لونڈی غلاموں کا نکاح کرا دو۔ خاوند بیوی کا پردہ ہے اور بیوی خاوند کے لئے بچاؤ ہے۔ جن لوگوں کا نکاح نہیں ہوا اُن سے خطرہ ہے کہ وہ قوم میں بیحیائی کو پھیلائیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہے) اور تم اپنے میں سے مجردوں کا اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے صلاحیت والوں کا (اپنے خرچ اور کوشش سے) نکاح کرا دو (لونڈی غلاموں میں سے صلاحیت والے وہ لوگ ہیں جو نکاح کے قابل ہوں۔ بیمار اور ہیجڑے اور بچے نہ ہوں) اگر وہ فقیر ہونگے تو اللہ اُن کو اپنے فضل سے غنی کر دیگا (اکثر لوگوں کے دلوں میں نکاح کرنے کے بعد محنت مزدوری کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور میاں بیوی ایک دوسرے کی مدد کر کے کاروبار کو چلا لیتے ہیں) اور اللہ فراخی والا علم والا ہے (جب وہ میاں بیوی کا شوق دیکھیگا۔ تو وہ خود بھی اُن کی مدد کریگا)

(۳۳) وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ
اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ
اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ
يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور (اگر صاحبان مقدور ان نکاحوں میں کوشش نہ کریں تو) چاہیئے کہ یہ لوگ جو نکاح کو نہیں پاتے عفت اختیار کریں یہانتک کہ اللہ اُن کو اپنے فضل سے خود غنی کردے (اگر لونڈیاں مالکوں کے لئے حلال ہوتیں اور بغیر نکاح کے ہی اُن کی بیویاں بن جاتیں تو اللہ تعالےٰ انھیں کیوں حکم دیتا کہ اپنی لونڈیوں کے نکاح کرادو۔ یہی حکم صاحب مقدور عورتوں کے لئے بھی ہے کہ وہ بھی اپنے لونڈی غلاموں کا نکاح کرادیں۔ جسطرح دوسرے مجردوں کا نکاح کرانا ضروری ہے وہی حال لونڈی غلاموں کا بھی ہے کہ ان کا بھی نکاح کرادیا جائے۔ اگر لونڈی غلاموں کا نکاح نہ ہو تو ان آیتوں سے ثابت ہے کہ وہ غنی ہونے تک عفت اختیار کریں۔ اگر لونڈیاں اپنے مالکوں کے لئے بغیر نکاح کے حلال ہوتیں تو انھیں نکاح نہ ملنے تک عفیف رہنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ یہ عفت نہیں ہے کہ وہ بغیر نکاح کے ہی مالکوں سے مل بیٹھیں۔ لونڈیوں کے لئے دو باتوں کا ہی حکم ہے یا وہ نکاح کریں یا وہ عفت کے ساتھ رہیں۔ آگے فرمایا) اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو لوگ کتابت طلب کریں (تاکہ انھیں اپنی قیمت کے بالاقساط ادا کرنے کے وعدے پر آزاد کردیا جائے) تو تم انھیں لکھ دو اگر تم ان میں خیر دیکھو (اگر وہ بیمار ہوں اور اپنی بیماری یا تمہارے حسن سلوک کے سبب تم سے جدا ہونا نہ چاہتے ہوں تو اس صورت میں تم اُن کا بار اُٹھاؤ اور اُن کے ساتھ اولاد کی طرح سلوک کرو) اور اُنکو اللہ کے اس مال سے دو جو اُس نے تم کو دیا ہے (یعنی اپنی زکوٰۃ اور صدقات

سے ہی اُنکی قسطیں وصول کرلو) اور اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اور اگر وہ (کسی سے) نکاح کرنا چاہیں (اور بدکاری سے بچاؤ کا ارادہ کریں۔ اگر وہ خود نہ بچیں تو اگرچہ تمہارا اُن پر جبر نہیں ہوگا لیکن تمہاری طرف سے تقاضہ ضرور ہوگا اور زنا بجائے خود حرام ہے اور زنا بالجبر میں دو جرم ہیں۔ ایک زنا اور دوسرا جبر۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مالک کا اپنی لونڈی سے ملنا زنا ہے۔ مومنہ لونڈیاں قرآن کی اس اصلاح کو پسند کرتی تھیں اور وہ نکاح کرنے پر آمادہ تھیں لیکن اُن کے مالک اپنے پرانے رسم و رواج کے مطابق اُنھیں صحت و بیماری وغیرہ کی حالت میں بھی ستاتے تھے اور اُنھیں جبر کے ساتھ بدی کی طرف بلاتے تھے۔ اُنھیں اپنی ملک سمجھکر اپنے مہمانوں کے آگے بھی پیش کردیتے تھے۔ چونکہ وہ اُنھیں گائے بکری کی طرح اپنی ملک سمجھتے تھے اسلئے اُنھیں بازار میں بٹھاکر بھی اُن کے ذریعہ سے دنیا کی زندگی کا سامان یعنی مال و دولت اور دیگر فوائد حاصل کرتے تھے۔ اسلئے اہل اسلام کو تاکید کی گئی کہ اگر وہ نکاح کرنے کا ارادہ کرتی ہیں تو کیا یہ مناسب ہے کہ تم جبر کرکے اُن کے ساتھ زنا کرو یا کراؤ تاکہ تم دنیا کی زندگی کا (عارضی) فائدہ اُٹھاؤ (ایسا کرنے سے تم بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہو۔ ایک تو اُنھیں پاک نکاح سے روکتے ہو۔ دوسرے زنا کرتے اور کراتے ہو۔ پھر جبراً ایسا کرتے ہو۔ پھر اس جبر سے حرام مال کماتے ہو) اور جو اُن (لونڈیوں) کے ساتھ جبر کرے تو بلاشبہ اللہ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد (ان کے لئے) بخشنے والا رحم والا ہے (مالک کو زنا کی آخرت میں تو ضرور سزا ملیگی لیکن جبر زنا کے لئے وہ اس دنیا اور آخرت میں دونوں جگہ پکڑا جائیگا۔ قرآن مجید نے لونڈی غلاموں کے رسم و رواج کو فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً ۲۶/۵ فرماکر آئندہ کے لئے بند کردیا ہے اور موجودہ کے لئے اسی آیت میں کتابت سے آزاد کرنا فرمایا ہے۔ اور جو لونڈیاں مالک کے حُسن سلوک کی وجہ سے جانا نہیں چاہتی تھیں اُن کے متعلق فرمایا ہے کہ اگر وہ نکاح کا ارادہ کرتی ہیں تو یہ کیسے مناسب ہوسکتا ہے کہ تم اُن سے اپنے ملک ہونے کی بنا پر زنا کردیا کراؤ اور پھر جبراً زنا کراؤ)

(۳۴) وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ

خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (ان اصلاحوں کے بعد قرآن مجید کی تعریف فرمائی گئی ہے اور اللہ تعالےٰ کے ہدایت دینے کی ایک عالیشان مثال کے ساتھ تشریح کی گئی ہے جیسا کہ ارشاد ہے) اور بالتحقیق ہمنے تمہاری (یعنی مومنوں کی) طرف (جن میں رسولؐ بھی شامل ہے) ایسی آیتیں جو اپنی تشریح آپ کرنیوالی ہیں اور اُن لوگوں کا بیان جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں اور خدا سے ڈرنیوالوں کے لئے ایک موثر وعظ کو نازل کیا (یہ سب صفات ایک قرآن مجید کی ہی ہیں)

(۳۵) اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (نور کے معنی ہیں ظاہر کرنے والا اور ہدایت دینے والا۔ اللہ تعالےٰ آسمانوں اور جنس زمین کو امکان محض سے خارجی وجود میں لایا ہے اور پھر ہر شے کو اُس کے مناسب پیدائش دیکر اس پیدائش کے لائق اُسے ہدایت دیدی ہے ۱۶/۱۱۔ پھر جب اللہ نور ہوا تو اس نور کا نور اس کا ہدایت دینا ہوگا۔ اس آیت میں اللہ ہادی کے ہدایت دینے کی مثال ہے جیسا کہ ارشاد ہے) اللہ آسمانوں اور جنس زمین کا نور ہے۔ اس (نور) کے ہدایت دینے کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک طاق ہے (جو چراغ کی روشنی کو سمیٹ کر ایک طرف لے جاتا ہے اور دیکھنے والے کے لیے چراغ کے نور کو مجتمع کرکے بڑھا دیتا ہے۔ یہ طاق انسان کا جسم ہے جو روح کو مدد دینے کے لئے بنایا گیا ہے) اس (طاق) میں ایک چراغ ہے (یہ چراغ انسان کی روحانی فطرت ہے جسے خدا تعالےٰ نے اُس کو پیدا کیا ہے ۲۱/۱) وہ چراغ ایک شیشے

(کی جمنی) ہیں ہے (شیشہ چراغ کے نور کو ترقی دیتا ہے) وہ شیشہ موتی کی طرح چمکنے والے ستارے کی مانند ہے (اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس چراغ کا نور ستارے کی طرح چمکنے والے شیشے سے ضرور ترقی پائیگا۔ یہ شیشہ دماغ ہے جو فطرت انسانی کے لائق بنایا گیا ہے۔ سارا جسم حواس ظاہری کے ذریعے سے روح کو مدد دیتا ہے۔ اسی طرح دماغ حواس باطنی کے ذریعہ سے روح کو قوت دیتا ہے۔ اس سے روح کو غور و فکر میں مدد ملتی ہے) وہ (چراغ) زیتون کے مبارک (یعنی خیر کثیر والے) درخت سے جو نہ شرقی ہے نہ غربی (تیل حاصل کرکے) روشن کیا جاتا ہے (یہ زیتون کا درخت نیچر ہے جو ہر جگہ موجود ہے۔ اس کے ڈھونڈنے کے لئے شرق میں یا غرب میں جانا فضول ہے) اس (درخت) کا تیل از خود ہی روشنی دینے کے قریب ہوتا ہے اگرچہ اسے آگ نہ لگے (نیچر سے کسی کی تعلیم کے بغیر ہی روشنی حاصل کی جا سکتی ہے اور اگر اس کے مطابق تعلیم مل جائے تو نور علیٰ نور کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے) یہ نور کے اوپر نور ہے (اور رہنمائی کے اوپر رہنمائی ہے) اللہ اپنی ہدایت کے لئے (جسکو چاہتا ہے اور طالب دیکھتا ہے) رہنمائی کرتا ہے (سچا طالب ضرور ہی ہدایت پالیتا ہے۔ اور جو خدا کو سامنے رکھے اور اسکا سچا مومن ہو اس کا دل کبھی اس سے خالی نہیں رہ سکتا مَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۲۶/۱۹ ۔ حاصل یہ ہے کہ صراط مستقیم کی ہدایت کو اللہ سے ہی مانگنا چاہئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس کو پیار کریں ضرور نہیں کہ اس کو ہدایت مل جائے۔ اصل ہدایت دینے والا اللہ ہی ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۲۸/۶) اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کر رہا ہے (تاکہ وہ سمجھ جائیں) اور اللہ کو ہر شے کا پورا پورا علم ہے۔

(۳۵) فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ (اس ہدایت کے لئے کہیں سفر کرنے کی ضرورت نہیں یہ) گھروں میں ہی مل جاتی ہے۔ اگر حاکم مسجدوں میں بلائے اور وہاں فطری ہدایت یا قرآن سنائے۔ تو مسجدیں بھی گھروں کے حکم میں ہی داخل ہیں۔ ان گھروں کے

متعلق) اللہ نے حکم دیا ہے کہ اُنھیں (ذکر الٰہی اور اخلاق حسنہ اور صلاحیت والے اعمال کے ساتھ) عزت والا بنایا جائے (اور اُن سے بیحیائی اور ظلم کو نکال دیا جائے۔ بلاشبہ گھروں کی رفعت اور عزت نیکیوں کے بجالانے اور بدیوں سے بچنے میں ہی ہے) اور اُن میں اُس (مالک الملک) کے نام کا ذکر کیا جائے (گھروں کی عزت اس بابرکت نام سے تو ضرور ہوتی ہے۔ یاد الٰہی اور خدا ترسی نیکیوں کی جڑ ہے۔ بالفرض اللہ کی یاد ہی سب سے بڑی شے ہے ۲۱) اُن (گھروں) میں صبح اور شام کے دونوں وقتوں میں اس (خدا) کی تسبیحیں کرتے ہیں۔

(۳۷) رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ۙ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝ (کون تسبیحیں کرتے ہیں؟) وہ مرد جن کو نہ کوئی سوداگری (جو دوسرے ملک والوں کے ساتھ کی جاتی ہے) اور نہ کوئی خرید و فروخت (جو اپنے شہر میں کی جاتی ہے) اللہ کی (عام) یاد سے اور نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ کے دینے سے غافل کرتی ہے (گھر کے مالکوں کو چاہیے کہ اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لیکر صبح و شام فرض نماز ادا کریں اور اگر ہو سکے تو نفلوں میں بھی ذکر الٰہی کریں۔ اور غریبوں کے لئے اعتدال کے ساتھ مال بھی نکالتے جائیں۔ صبح و شام اگرچہ عام طور پر تجارت اور بیع کے وقت نہیں ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ان اوقات میں بھی ان کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ نیک لوگ نماز کے لئے وقت نکال لیتے ہیں اور بیع و تجارت کو ان اوقات سے آگے پیچھے ڈال دیتے ہیں) یہ (لوگ) اُس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں پلٹ جاتی ہیں (اور خلق جدید کے مناسب نیا رنگ اختیار کرتی ہیں۔ اس دنیا میں آدمی اپنے چاؤں سے خوش ہوتا ہے عالم آخرت میں حق کی محبت ہی مفید معلوم ہوتی ہے)

(۳۸) لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ تاکہ اللہ اُنھیں اُن

کے کاموں کی احسن جزا دیوے (انسان اپنی طرف سے ایک کام اچھی طرح سے کرنا چاہتا ہے مگر اُس میں غلطی کے سبب نقص واقع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اُسکی نیت کے مطابق اُس کو بہترین جزا دیتا ہے) اور اُن کو اپنے فضل سے زیادہ دیتا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے (اور اُسکا چاہنا حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ تو وہ) بیحساب روزی دیتا جاتا ہے (اور اعلیٰ ترقیات پر پہنچاتا ہے۔ یہ ترقیات امن کے ساتھ اُن لوگوں کو ملتی ہیں جو قوانین الٰہی پر عمل کرتے ہیں اور زنا اور بیحیائی اور ظلم سے اپنے آپ کو پاک رکھتے ہیں)

(۳۹) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ (اب کافروں کے اعمال کا ذکر کیا جاتا ہے) اور وہ لوگ جنہوں نے (خدا کے احکام کی) ناقدری کی (اور بے حیائی اور ظلم کو اختیار کیا اور غیر اللہ کو راضی کرنے کے لئے منتر پڑھتے رہے اور اُن کے نام کا ذکر کرتے رہے تو اُن کے عمل) ریگِ رواں کی مانند ہیں جو کسی ہموار میدان میں ہو۔ پیاسا اُسے پانی سمجھتا ہے (مسافر کو دوپہر کے وقت میدان میں ریت کے تھل پانی کی طرح چلتے معلوم ہوتے ہیں۔ سورج کی گرمی سے ریگ خوب تپ جاتی ہے۔ ریگ کی گرمی ہوا کو حرکت میں لاتی ہے اور وہ ریت دور سے پانی کی طرح اچھلتی اور چلتی معلوم ہوتی ہے۔ پیاسا اُس کی طرف جاتا ہے) یہاں تک کہ جب اُس کے پاس آتا ہے تو اُس کو کچھ بھی نہیں پاتا (اور پانی کا کوئی نشان نہیں ملتا یہی حال کافروں کی نمازوں کا ہے) اور وہ (کافر اس وقت) اللہ کو ہی اپنے پاس پاتا ہے (کوئی اُس کافر کی حمایت کے لئے اُس کے ساتھ نہیں ہوتا) سو وہ اللہ ہی اُس کو اُسکا حساب پورا پورا دیتا ہے اور اللہ حساب میں جلدی کرنے والا ہے (وہ بلا وجہ حساب میں دیر نہیں ڈالا کرتا۔ یہ مثال اُن کافروں کی ہے جو بدیاں کر کے غیروں کے نام پر چلے نکلتے ہیں

اور نمازیں پڑھ ڈالتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس کا نتیجہ نیک ہوگا۔ لیکن ایسے عملوں کی کوئی حقیقت ظاہر نہیں ہوتی۔ آخر اللہ کے آگے ہی پیش ہونا پڑتا ہے۔ یہ مثال گرمی والی ریت کی ہے۔ اگلی مثال پانی کی دیگئی ہے۔ قرآن مجید نے کئی جگہ آگ اور پانی کی دو دو مثالیں دی ہیں)

(۲) أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ ۝

یا (اُن کے عمل) اندھیروں کی مانند ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتے ہیں (ایک شخص جہالتوں میں ڈوبا ہوا ہے اور غفلتوں میں پڑا ہوا ہے جسطرح کوئی گہرے سمندر میں ڈوبا ہوا ہو۔ اُس کے عمل اندھیروں کی مانند ہیں۔ ایک گہرے سمندر کا اندھیرا ہے دوسرے) اُس کو ایک لہر ڈھانپ رہی ہے (وہ سمجھتا ہے کہ مجھے کوئی پوچھنے والا نہیں) اُس لہر کے اوپر ایک اور لہر ہے (وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں خدا کے آگے پیش ہوا تو میں فدیہ دیکر چھوٹ جاؤنگا۔ یہ لہریں پانی کو غیر شفاف بنا دیتی ہیں پھر) اُس کے اوپر بادل ہے (وہ سمجھتا ہے کہ میرے شفیع مجھے بچالیں گے) یہ اندھیرے ہیں جو ایک دوسرے پر واقع ہیں۔ جب وہ اپنا ہاتھ نکالتا ہے تو قریب نہیں ہوتا کہ اُسے دیکھے (یعنی اُس کو اپنے بُرے عمل بھی نظر نہیں آتے۔ نفسانی خواہشوں اور جذبات کی پیروی فطری نور کو گم کردیتی ہے۔ پانی شفاف ہوتا ہے۔ لیکن اگر اُسے حرکت دیجائے تو اُس میں سے کچھ نظر نہیں آتا۔ ان لوگوں نے اپنی شرارتوں اور جہالتوں کے سبب سے اپنے فطری نور کو دبا دیا ہے) اور جس کے لئے اللہ نور نہ کرے تو اُس کے لئے کوئی نور نہیں ہے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کا اصل دینے والا خدا ہے۔ ہم کو اُسی سے ہدایت مانگنی چاہیئے۔ اس ہدایت کے لئے کسی غیر پر بھروسہ رکھنا سرتاپا باطل ہے)

رکوع ششم (۴۱) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ (بلاشبہ فطرتِ انسانی ہدایت دینے کے لئے آمادہ ہے لیکن جذبات نفسانی اس میں ہیجان پیدا کر دیتے ہیں اور فطرت کی صفائی کو مٹا دیتے ہیں۔ ریگ جب تپتی ہے تو اپنے قریب کی ہوا کو بہت زیادہ حرکت دیتی ہے۔ اس حرکت کے سبب سے خیالات، اور ظاہری نظر صحیح کام نہیں دیتے۔ اسی طرح پانی میں حرکت آنے سے اس کی صفائی جاتی رہتی ہے جو لوگ جذبات کے غلام ہیں وہ صحیح فطرت سے کام نہیں لے سکتے۔ ضرور ہے کہ وحی الٰہی انھیں صحیح پہلو پر چلنا سکھائے جیسا کہ ارشاد ہے) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ (کامل مطلق ذات) جو ہے تو وہ لوگ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے بھی صفیں باندھے ہوئے یا پر کھولے ہوئے اُس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ ہر ایک کو خدا کے مقرر کئے ہوئے فرائض کا اور اُس کی پاکیزگی بیان کرنے کا علم ہے (پس ہمیں اللہ تعالےٰ سے ہی ہدایت مانگنی چاہیئے) اور اللہ ان لوگوں کے کاموں کو (جو جذبات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں) خوب جاننے والا ہے (اس آیت سے معلوم ہوا کہ تسبیح عام ہے اور صلوٰۃ اُس میں داخل ہے۔ صلوٰۃ تسبیح سے باہر نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ نے پہلے يُسَبِّحُ لَهٗ فرمایا ہے۔ اور آگے اس تسبیح کے دو حصے کئے ہیں ایک صلوٰۃ اور دوسری اور تسبیحیں جو عام نماز کا کام دیتی ہیں۔

جانور اپنی بولیوں سے خدا تعالےٰ کی حکمتیں دکھلاتے ہیں اور اُس کی تسبیحیں حالی طور پر کرتے ہیں۔ گائے بکریوں والے اپنے مویشیوں کے گلوں میں گھنٹیاں لٹکا دیتے ہیں۔ اس میں حکمت یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی حیوان گلے سے الگ ہو جائے۔ تو گھنٹی کی آواز سے پہچانا جائے کہ وہ ریوڑ سے الگ ہو گیا ہے اور اُسے گم ہونے سے بچایا جائے۔ اسی طرح اکثر پرندے بھی جب اُڑتے جاتے ہیں تو ساتھ ہی آوازیں بھی نکالتے جاتے ہیں۔ تاکہ دوسرے جانوروں کو معلوم ہو جائے کہ ہم میں سے کوئی جانور

پیچھے نہیں رہ گیا۔ چڑیاں صبح کو درختوں پر چوں چوں کی آوازیں لگاتی ہیں اور اُس درخت کے پرندوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ تمام جانور امن سے ہیں۔ شام کو جب وہ سیر ہو کر آتی ہیں تو بھی کچھ دیر تک آوازیں لگاتی رہتی ہیں۔ گویا صبح کو وہ اس بات پر خوش ہوتی ہیں کہ خدا تعالےٰ نے رات کو ہماری حفاظت کی ہے اور شام کو اس بات کی خوشی مناتی ہیں کہ خدا نے ہماری خوب طرح سے پرورش کی ہے۔ پرندے اپنی آوازوں سے اپنی ماداؤں کو بھی خوش کرتے ہیں۔ اور خطرے کے وقت ایسی آوازیں نکالتے ہیں جن سے دوسرے پرندے بھی ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ یہ آوازیں خدا تعالےٰ کی حکمت کا پتہ لگاتی ہیں۔ اور پرندوں کے لئے نماز کا کام دیتی ہیں۔ پرندے دوسرے اوقات میں بھی خوش ہو کر بولا کرتے ہیں۔ یہ اُن کی عام تسبیح ہے)

(۴۲) وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝

اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ کے لئے ہی ہے (انسان جب عاجز ہوتا ہے تو اُسی کو پکارتا ہے) اور اللہ (تعالےٰ) کی طرف ہی سب کا رجوع ہے (خواہشات نفسانی اور قومی اور خاندانی تعصب ہی فساد کا موجب ہیں)

(۴۳) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝ (اس آیت میں دکھلایا گیا ہے کہ خدا تعالےٰ گرمی کے بعد سردی اور اندھیرے کے بعد نور پیدا کرتا رہتا ہے۔ آنکھوں والوں کے لئے اس میں عبرت ہے۔ کفار کا یہ عروج حق کے مقابلے میں جلدی مٹ جائیگا اور مومنوں کو اقبال حاصل ہوگا جیسا کہ فرمایا) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادل (کے ٹکڑوں) کو چلاتا ہے۔ پھر اُن کے درمیان جوڑ لگا دیتا ہے۔ پھر اسے تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔ سو تو دیکھتا ہے کہ مینہ

اُس کے اندر سے (سردی کے ساتھ پانی کے ذرات کے اکٹھا ہونے سے) نکلتا ہے۔ اور وہ آسمان سے یعنی پہاڑوں (کی مثل بادلوں) سے جو اس میں ہیں اولوں کو اُتارتا ہے۔ پھر اسے جس پر چاہتا ہے پہنچاتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ٹالیتا ہے۔ اس (بادل) کی بجلی کی چمک قریب ہوتی ہے کہ آنکھوں (کے نور) کو دُور کر دے (اس آیت میں اکثر مفسر جبال سے پہاڑوں جیسے بادل مراد لیتے ہیں۔ اس میں کسی قدر تکلف ہے۔ جبال کے معنی خود پہاڑ ہی ہیں۔ اسلئے مناسب تشریح یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ آسمان سے یعنی اُن بلند پہاڑوں سے جو آسمان میں ہیں یعنی آسمان کے ساتھ باتیں کر رہے ہیں۔ برف کو اُتارتا ہے۔ برف جم کر بوجھ کے سبب کبھی نیچے بھی آگرتی ہے اور مسافر اُس میں دب جاتے ہیں۔ سو اللہ اُس برف کو جس پر چاہتا ہے پہنچاتا ہے اور جس سے چاہتا ہے پرے رکھتا ہے اور اُسے بچا لیتا ہے۔ پہاڑوں کی برف کی رگڑ سے بھی بجلی پیدا ہوتی ہے۔ اُس برف کی بجلی کی چمک ایسی تیز ہوتی ہے کہ آنکھوں کے نور کو مٹا دے)

(۴۴) يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ اللہ رات اور دن کا ہیر پھیر کرتا ہے۔ بلاشبہ اس میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت ہے (اور جن کی بینائی جاتی رہتی ہے اُنھیں کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ وہ جذبات میں پھنس جاتے ہیں اور زنا اور بیحیائی کے پیچھے لگ جاتے ہیں)

(۴۵) وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۚ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

(اس آیت میں دکھلایا ہے کہ ایک ہی پانی یا نطفے سے تمام چلنے پھرنے والے جانور پیدا ہوتے ہیں۔ کوئی پیٹ پر رینگنے والا ہے اور کوئی چوپایہ ہے اور کوئی دو پاؤں پر

چلتا ہے۔ ان سب کے فرائض الگ الگ ہیں۔ انسان وحی سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے لیکن صراط مستقیم کی ہدایت اللہ کو سامنے رکھنے سے ہی ملتی ہے چنانچہ ارشاد ہے) اور اللہ نے ہر ایک چلتے پھرتے حیوان کو پانی سے پیدا کیا (جن بھی اگر دواب میں داخل ہیں تو اُن کی پیدائش میں بھی بالضرور پانی کا عنصر داخل ہے) پھر ان (دواب) میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (ایسے جانور بھی پیدا کرتا ہے جو سینکڑے پاؤں پر چلتے ہیں) بلاشبہ اللہ ہر شے پر قدرت والا (اور علت و معلول کے مطابق اندازے لگانے والا) ہے۔

(۴۶) لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (انسان وحی الٰہی سے ہدایت پا سکتا ہے بشرطیکہ جذبات کی غلامی میں نہ پڑ جائے جیسا کہ فرمایا) بالتحقیق ہمنے ایسی آیتیں نازل کی ہیں جو اپنی تفسیر آپ کرنیوالی ہیں اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی رہنمائی کر دیتا ہے۔

(۴۷) وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(اس سورت کے شروع میں فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس سورت میں آیات بینات اتاری ہیں اور اس آیت سے پہلی آیت میں ارشاد کیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیات بینات نازل فرمائی ہیں۔ یہ آیات وہی قوانین الٰہی ہیں جنکا بیان اس سورت میں لایا گیا ہے۔

ان آیات میں زنا اور قذف کی سزا کا بیان کیا گیا ہے۔ میاں بیوی کے ایک دوسرے کے مقابلے میں قسمیں کھانے کا بھی بیان ہے اور گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے سے روکا گیا ہے، اور غیر عورتوں کی زینتوں پر نظر کرنے سے منع کیا

گیا ہے اور لونڈی غلاموں کو قسطوں کے ادا کرنے پر چھوڑ دینے کی تاکید کی گئی ہے اور لونڈیوں کو زنا پر لگانے اور پھر جبر کے ساتھ ایسا کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ الٰہی قوانین ہیں جو لوگوں کو امن کے ساتھ بسانے کے لئے سکھائے گئے ہیں کوئی مجرم اپنی خوشی سے سزا کو پسند نہیں کرتا۔ ضرور ہے کہ قانون کے ساتھ کوئی انسانی جج بھی ہو جو مجرم کو سزا بھگتنے کے لئے مجبور کر سکے۔ اور جج کے ساتھ پولیس اور فوج بھی ہونی چاہئے۔ خدا تعالےٰ قدرتی طور پر تو فیصلے کرتا ہی رہتا ہے لیکن وہ سزائیں جنکا انسانی ہاتھوں سے دلانا مقصود ہے وہ انسانی ججوں کے ذریعے سے ہی دی جاتی ہیں۔ ان کے لئے اللہ تعالےٰ خود ظہور نہیں فرماتا پس قانون الٰہی کے ساتھ انسانی جج کا تقرر بھی ضروری ہے۔ جنگوں میں بھی افسروں کا ہونا لازم ہے جو فوج سے مناسب طور پر کام لیں۔ اکیلا اکیلا سپاہی جو اپنی مرضی پر چلے فوج کا کام نہیں دے سکتا جب تک کہ اُن میں اتحاد نہ پیدا کیا جائے اور اُنھیں ایک مضبوط دیوار کی طرح بنا کر کام نہ لیا جائے۔ فوج کے جنرل مورچہ بندی کرتے اور افواج کو مناسب موقع پر جگہ دیتے ہیں۔ کوئی فوج افسر کے بغیر کام نہیں دے سکتی۔ چندے اور ٹیکس بھی بغیر افسروں اور ملازموں کے اکٹھے کرنے مشکل ہیں اور اُن کو حسب موقع خرچ کرنے کے لئے بھی منتظموں کی سخت ضرورت ہے۔ ایسے کام جو مل جل کر کرنے کے ہوتے ہیں اور جنہیں امر جامع کہتے ہیں انہیں اتحاد کی اشد ضرورت ہے۔ اگر اکیلا اکیلا آدمی اپنی مرضی سے جہاں چاہے خرچ کرے تو اس سے وہ فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا جو ان خرچوں سے حاصل ہو سکتا ہے جو ایک نظام کے ماتحت خرچ کئے جائیں۔ جو کام ایک نظام کے ماتحت کئے جاتے ہیں۔ اُن میں تمام مناسب مواقع کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور کسی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ سورج کی کرنیں کسی کپڑے کو جلا نہیں دیتیں لیکن اگر ان کرنوں کو محدب شیشے کے ذریعے سے فوکس (FOCUS) پر اکٹھا کر کے کپڑے پر ڈالا جائے تو انہی کرنوں کے ذریعے سے کپڑا جل اُٹھتا ہے۔ اتحاد کے کاموں میں زندہ افسروں کی ہمیشہ ضرورت رہیگی۔ اس کے لئے مردہ افسروں کو نہیں بلایا جا سکتا۔ اگر رسول کریم اپنے وقت میں قوانین الٰہی کے مطابق سزا دیتے تھے تو رسول کریم کی وفات کے بعد ضروری ہے کہ دوسرے خلیفے بھی انہی قوانین کے مطابق سزا دیں۔ اگر رسول کریم اپنی زندگی میں فوج کی سپہ سالاری

کرتے تھے تو لازم ہے کہ اُن کی وفات کے بعد دوسرے سپہ سالار موجود ہوں اور سپہ سالاری کا کام دیں۔

اگر ہمارے پیغمبر غنیمتوں کو مناسب مواقع پر خرچ کرتے تھے تو ضروری ہے کہ اب بھی ان غنیمتوں کے خرچ کرنے کے لئے افسر موجود ہوں۔ اگر سرورِ عالم صدقات کو اکٹھا کرتے اور مناسب موقع پر تقسیم کرتے تھے اور کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دیتے تھے تو اُن کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد لازم ہے کہ اُنکی جگہ دوسرے حکام ہی یہ کام کریں۔ ان کاموں کے لئے جن میں زندہ لوگوں کے انتظام کی ضرورت ہے ان حاکموں اور رسولوں کو نہیں لایا جاسکتا جو اس جہان سے رخصت ہو گئے ہیں۔

رسول کا اصلی اور ابتدائی کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے پیغاموں کو کسی قسم کی اپنی مداخلت کے بغیر کھلم کھلا اور صاف صاف پہنچا دے۔ اسطرح یہ پیغام سب کو پہنچ جائیں گے۔ رسول جس وحی کو لاتا ہے اسکا فرض ہے کہ پہلے وہ خود اسپر ایمان لائے جسطرح دوسرے مومن اسپر ایمان لاتے ہیں۔ "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ الخ ۳/۸ اور وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ الخ ۱۲/۸

ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ وحی کے غیب پر بخیل نہیں تھے ۳ اس لئے اُنھوں نے خدا تعالےٰ کے مکمل پیغاموں کو ہماری طرف پورا پورا پہنچا دیا ہے۔

اگر وہ پیغام قرآن میں ہی آجاتے ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے رسول کریم نے قرآن کو بلا کم و کاست ہم تک پہنچا دیا ہے اور وہ قرآن حفاظت الٰہی کے ساتھ ہمارے پاس پہنچ گیا ہے۔ لیکن اگر قرآن (معاذ اللہ) وحی کا ناقص مجموعہ ہے اور قرآن کے باہر بھی وحی الٰہی موجود ہے جس کے ساتھ ملکر قرآن مکمل بنتا ہے تو کیا وہ وحی الٰہی حفاظت کے ساتھ مکمل طور پر قرآن کی طرح ممتاز بنا کر ہمارے پاس پہنچی ہے۔ کیا اس وحی کا کوئی حصہ ہمارے پاس پہنچنے سے رہ تو نہیں گیا۔ کیا خدا کی حفاظت کا وہی وعدہ اس کے متعلق بھی ہے۔ اگر بات یوں ہے تو ہم اہلحدیث کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ خدا کی قسم کھا کر اسکا ثبوت دیں کہ حدیث والی وحی خدا تعالےٰ کی حفاظت کے ساتھ قرآن کی طرح ممتاز بنا کر مکمل صورت میں حق الیقین کے طور پر ہمارے پاس پہنچی ہے۔ یا کیا اللہ تعالےٰ

کی طرف سے ہمارے رسول کریم کو یہ حکم تھا کہ وہ وحی الٰہی کو لوگوں کی طرف ایسی صورت میں پہنچائیں کہ وہ خلط ملط ہو جائے۔ پھر مدت دراز کے بعد محدثین اس مخلوط ذخیرے کی چھان بین کریں اور اپنے خیالات کے ماتحت کسی بات کو صحیح اور کسی کو غلط ٹھہرائیں۔ اگر ان محدثین کی کتابیں جو مدت دراز کے بعد لکھی گئی ہیں دریا برد کر دی جائیں اور ان محدثین کی شہادتیں ان کے متعلق نہ رہیں تو کیا یہ دوسری وحی قرآن کی سلسلہ وار اشاعت کی طرح ہم تک پہنچ سکتی ہے؟ اور کیا وحی کے لئے یہ بھی کوئی شرط ہے کہ وہ ظنی اور ضعیف بنا کر ہم تک پہنچائی جائے؟ اُن محدثین نے یہ کوششیں اسلئے کی ہیں تاکہ احادیث بخاری و مسلم کو داخل کتاب اللہ بنالیں اور اُن کی یہ کتابیں قرآن کے ساتھ مثلہ معہ بن جائیں۔ قرآن میں ان محدثین کو کہیں حکم نہیں کیا گیا کہ وہ ایسا کریں اور رسول نے بھی اُن کو حکم نہیں دیا۔ ورنہ یہ کام پہلے خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے اور پھر صحابہؓ کرتے۔ قرآن رسولؐ اور صحابہؓ کے زمانے میں موجود تھا لیکن ان حدیثوں سے رسولؐ اور صحابہؓ کا زمانہ خالی نظر آتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ وحی الٰہی کے بعد رسول کا بھی وہی کام ہے جو دوسرے مومنین کا ہے۔ وحی کے بعد غیر وحی ہی ہوگی اور غیر وحی کو تحقیقات کے بعد معقول طور پر ہی مانا جائیگا کوئی نہیں سمجھاوے کہ غیر وحی کو کسطرح وحی کا درجہ دیا جاتا ہے۔

انسان خواہ کتنا ہی عالم کیوں نہ بن جائے اسکا علم ہمیشہ محدود ہی رہتا ہے اور ضرور ہے کہ انسان کے محدود علم پر غیر محدود علم حاوی ہو۔ علیم کل ہی حق الیقین تعلیم کا بلاشک و شبہ پتہ لگا سکتا ہے اور پیشگوئی کر سکتا ہے کہ چونکہ یہ حق ہے اسلئے ضرور یہ غالب ہوگا۔

دنیا میں شرک عام طور پر پھیلا ہوا ہے۔ جو لوگ خدا تعالےٰ کو مانتے ہیں وہ بھی خدا کے ساتھ کسی دیوتے یا نبی کو یقینی تعلیم میں یا قدرت نمائی میں خدا کی طرح دوسرا حاکم و قاضی اور مثلہ و معہ بناتے ہیں اور بہت سے سائنسدان خدا تعالےٰ کی ہستی کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ممکن ہے، خدا ہو اور ممکن ہے کہ نہ ہو۔ وحی الٰہی کے ذریعے سے ہستی باری تعالےٰ میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ جو لوگ غیروں کی عبادت کرتے ہیں وہ اپنے عمل سے بتلاتے ہیں کہ انسان ایک پجاری مخلوق ہے۔ وحی الٰہی بتاتی ہے کہ پوجا کے لائق وہ ذات پاک ہے جس کے حکم کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ وہ اپنے منشا پر غالب ہے پوجا کوئی قابل تقسیم چیز نہیں ہے کہ اسکا ایک حصہ ایک کو دیا جائے اور دوسرا حصہ کسی

دوسرے کو۔ اگر دو مقدم مرضیاں ہوں تو جہانوں کا سلسلہ چل بھی نہ سکے۔ وحی الٰہی اس عالم میں خدا کے تصرفات کے نمونے پیش کر کے سائنسدانوں کو بھی ہوشیار کرتا ہے کہ تمہارا شک میں پڑے رہنا غلط ہے۔ عوام الناس باپ دادے کی تقلید میں پھنسے ہوئے ہیں اور اپنی قوم کے اجماعوں اور تعاملوں کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ وحی الٰہی انھیں بتلاتا ہے کہ باپ دادے کی تقلیدوں اور دنیا کے تعاملوں اور اجماعوں سے بڑھکر علیم کل یعنی خدا کی تعلیم ہی ہو سکتی ہے۔ باپ دادے ہر مذہب والے کے ہوتے ہیں۔ لیکن مختلف مذاہب کے تعاملوں میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ اجماع مختلف مذاہب میں مختلف تعلیم سکھاتے ہیں۔ بغیر دلیل کے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا محال ہے۔ نظریات میں ہمیشہ ترقی ہونی ممکن ہے اُس کے فیصلے کے لئے بھی علیم کل کی ضرورت ہے۔ اُس کے کلام کو بطور سرچشمہ کے سمجھنا چاہیئے۔ نیچر یقیناً خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک سرچشمہ ہے۔ ہم اس کے سمجھنے میں غلطیاں کرتے ہیں۔ لیکن آخری فیصلہ نیچر کی طرف ہی لایا جاتا ہے۔ یہی حال کلام الٰہی کا بھی ہونا چاہیئے۔ وہ بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے تعلیم کا ایک سرچشمہ ہے۔ ضرور ہے کہ وہ تعلیم خدا کے تجویز کردہ الفاظ میں ہو تاکہ ہم اختلاف کے وقت اسی کی طرف رجوع کر سکیں اور اسی سے فائدہ حاصل کریں۔ اگر وہ تعلیم خدا کے اُتارے ہوئے الفاظ میں نہ ہوگی تو وہ کسی صورت سے بھی اللہ تعالےٰ کا بنایا ہوا سرچشمہ نہیں بن سکیگی اور اختلاف کے وقت اُس کی طرف رجوع کرنا کوئی فائدہ نہیں دیگا۔ توحید الٰہی اور انسانی حریت و مساوات سے لوگ بہت جلد غافل ہو جاتے ہیں۔ ضرور ہے کہ مکمل وحی میں ان دو اصولوں پر پورا زور دیا جائے۔

وحی الٰہی میں عاجزوں کی کامیابی کے وہ وعدے کئے جاتے ہیں جو سوائے خدا کے کوئی نہیں کر سکتا۔ وحی میں ایسی باتیں بھی بیان کی جاتی ہیں جو قرین قیاس تو ہوتی ہیں لیکن ابتداءً کوئی انسان اُنھیں راستی کے ساتھ بیان نہیں کر سکتا۔ وراثت کی تقسیم کے قواعد وحی الٰہی سے ہی ملتے ہیں۔ اُن طعاموں کی حرمت و حلت کا پتہ جو اخلاق پر اثر ڈالتے ہیں وحی الٰہی سے مل سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کو وحی کے لحاظ سے مکمل کر دیا ہے۔ تمام انبیاء کی وحیوں کا عطر مجموعہ اس قرآن میں آگیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کا یہ بھی منشاء ہے کہ انسان کی عقل کو بیکار نہ کر دے۔ بہت سی باتیں انسان کے فہم پر بھی چھوڑی ہیں ان کے

حل کرنے کا طریقہ اللہ تعالےٰ نے خود ہی بیان کر دیا ہے کہ شوریٰ سے کام لیا جائے۔ ہمارے رسول کریم کو بھی حکم تھا کہ تو لوگوں کے ساتھ مشورے کر۔ مومنوں کے لئے بھی یہی عام قاعدہ مقرر کیا گیا ہے۔ اُن کے معاملات بھی شوریٰ پر منحصر ہیں۔ سبیل المومنین اُسی فیصلے کو کہتے ہیں جو شوریٰ سے مقرر کیا جائے۔ خدا تعالےٰ انسان کی آزمائش اُسی حد تک کرتا ہے جہاں تک اُس کو علم دیا گیا ہو اور جہاں تک اُس کی وسعت ہو۔ اگر ایک دفعہ شوریٰ میں غلطی ہو جائے تو دوسرے موقعوں پر اسکا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے رسول کریم اور دیگر حکام کے لئے استنباط کا بھی حکم کیا گیا ہے۔ بعض دفعہ مقدمے کی حالت واضح ہوتی ہے۔ جہاں وضاحت نہ ہو معتبر گواہوں کی گواہی سے فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اگر گواہ نہ ملیں تو قسموں اور منصفوں کے ذریعے سے ہی فیصلہ کرایا جا سکتا ہے۔ یہ سب طریقے خدا تعالےٰ کے سکھائے ہوئے ہیں۔ ان کے مطابق کام کرنا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ طرز عمل میں کوئی غلطی ہو جائے۔ تو خدا تعالےٰ بھول اور خطا پر مواخذہ نہیں کیا کرتا لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ ۲۱/۱۴ نبیوں کے لئے کوئی الگ قاعدہ نہیں ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ الخ ۲/۳ یعنی دین میں کوئی جبر نہیں ہے اور نیز فرمایا پھر کیا تو لوگوں پر جبر کریگا یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں اور یہ کسی نفس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر ایمان لائے ۱۱/۱۵۔ ایمان کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور دل کا تعلق خدا کے ساتھ۔ خدا تعالےٰ کسی نالائق کو اپنی حکمت کے مطابق ایمان جیسی نعمت عطا نہیں کرتا۔ انسان تب تک ایمان نہیں لا سکتا جب تک اپنے دل میں ایمان کا شوق پیدا نہ کرے اور خدا تعالےٰ کو اصل مقصود نہ جانے۔ ایسے ایمان کا تعلق کسی نبی کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتا اسلئے کہ کوئی نبی دلوں کا مالک نہیں۔ خدا تعالےٰ نے اپنے رسول کی زبان سے کفار کو یہ بھی کہلوایا ہے کہ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے ۱۰۹/۳۰۔ مطلب یہ کہ دین کے معاملے میں کسی انسان کا جبر جائز نہیں۔ خدا تعالےٰ کا یہ بھی فرمان ہے کہ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر بنے ۱۸/۲۹۔ اللہ تعالےٰ کا یہ بھی حکم ہے کہ مومنوں کو کہدے کہ ان لوگوں کو معاف کر دیں جو ایام اللہ پر ایمان نہیں رکھتے تاکہ اللہ خود ہی اُن کو اُن کے عملوں کی سزا دے ۴۵/۱۸۔ رسول کو فرمایا ہے کہ تجھ کو ہم نے اُن پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ تیرا کام پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ حاصل یہ ہے کہ

دین اور اعتقادیات میں اور اُن کے متعلق رائے کا اظہار کرنے میں کسی پر جبر نہیں ہے۔ اِلّا جبر کے مقابلے میں بدلے کے طور پر جبر کرنا صحیح ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی کسی پر ظلم و بغاوت کرے یا قانون کی خلاف ورزی کرے اور بدامنی پھیلائے تو اللہ تعالےٰ اس کے متعلق ارشاد کرتا ہے کہ اگر تم پر کوئی ظلم کرے تو تم اُس کی مثل بدلہ لے سکتے ہو اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنیوالوں کے لئے بہتر ہے ۱۶/۱۲۶۔ حاصل یہ ہے کہ ان معاملات میں جو بین الافراد ہوتے ہیں انسانی حاکم و قاضی کا دخل ضروری ہے تاکہ حاکم اپنے رعب کے ساتھ دنیا کو امن کے ساتھ بسائیں۔ جنگوں کے معاملے میں کسی بادشاہ یا خلیفے کا تقرر ضروری ہے جب نبی اور دیگر مومنین کو مشورہ کرنے کا حکم ہے تو لازم ہے کہ بادشاہ یا خلیفہ بھی ضروری باتوں میں مشورے سے کام لیا کرے تاکہ حکومت میں جمہوریت کا رنگ پیدا ہو جائے اس بادشاہ یا خلیفے کا تقرر عام رائے سے ہونا چاہیئے۔ مدینے کے لوگوں نے رسول مقبول کو اپنا بادشاہ بنایا تھا۔ مدینے کے لوگ اللہ تعالےٰ کی پکی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ اگر تو ہمیں حکم کرے تو ہم شہر چھوڑ کر نکل جائیں۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ ایسی قسمیں نہ کھاؤ۔ ہم تم سے معروف اطاعت چاہتے ہیں۔ ایسی اطاعت نہیں چاہتے جس کے ذریعے سے ملک میں بدامنی پیدا ہو۔ حاکم اپنی حکومت سے کسی کی لڑکی یا بیوی کو نہیں لے سکتا۔ اسکا کام ہے کہ لوگوں کو ظلم سے بچائے چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمنے اللہ (کے قوانین) کو اور رسول (کی حکومت) کو مانا اور ہم مطیع ہوئے۔ پھر اس (وعدے) کے بعد ایک فریق مُنہ موڑتا ہے اور وہ (اپنے قول کے مطابق) ماننے والے نہیں۔

(۴۸) وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ○ اور جب اُنھیں اللہ (کے قوانین) کی طرف اور رسول کی (حکومت کی طرف تاکہ وہ رسول اُن کے درمیان فیصلہ کرے بلایا جاتا ہے (اللہ تعالےٰ خود ہی اس دنیا میں آکر آدمیوں کی طرح عدالت کی کرسی پر نہیں بیٹھتا۔ یہ کام حاکم رسول کا ہی ہے۔ پس حاکم کی طرف عدالتی فیصلے کے لئے آنا چاہیئے۔ لیکن اُن کا یہ حال ہے) جب تو اُن میں سے ایک فریق مُنہ موڑنے

والے ہوتے ہیں (اور حاکم کی طرف نہیں آتے۔ طاغوت کی طرف مقدمے لے جاتے ہیں جو رشوتیں لیکر مقدمات کو بگاڑ دیتے ہیں)

(۴۹) وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝ اور اگر ان کے لئے حق ہوتا ہے (اور یہ جانتے ہیں کہ رسول کی طرف جانے سے ہمیں حق مل جائیگا۔ کیونکہ رسول انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے) تو یہ اس (رسول) کی طرف فرمانبردار ہوکر آتے ہیں۔

(۵۰) اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ کیا اُن کے دلوں میں (خود غرضی کی) بیماری ہے (کہ یہ اپنا فائدہ چاہتے ہیں اور دوسرے کو نقصان پہنچانے کی خواہش رکھتے ہیں) یا کیا انھیں (رسول کے امین ہونے میں) شک و شبہ ہے۔ یا کیا وہ ڈرتے ہیں کہ اُن پر اللہ اور اس کا رسول ظلم کریگا (یعنی کیا انھیں خوف ہے کہ اللہ کے قوانین اور رسول کے فیصلے کفار کے لئے کچھ اور ہونگے۔ انصاف کے فیصلے تو سب کے لئے یکساں ہوتے ہیں۔ رسول اپنی طرف سے جان بوجھ کر کبھی غلطی نہیں کریگا) نہیں نہیں بلکہ یہ لوگ جو ہیں تو یہی ظالم ہیں (اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی مقدمے میں مومن کے مقابلے پر کافر چاہے تو قوانین انصاف کافر کے حق میں ہی فیصلہ دینگے اور مومن مناسب سزا پائیگا)

رکوع ہفتم (۵۱) اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (اندریں صورت انصاف پسند مومن مخالفت نہیں کرینگے) سوائے اس کے نہیں کہ مومنوں کا قول یہ ہوتا ہے جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ (رسول)

اُن کے درمیان فیصلہ کرے بلائے جاتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا اور ہمنے اطاعت کی۔ اور یہ لوگ جو ہیں تو یہی فلاح پانیوالے ہیں (رسول حاکمانہ فیصلہ اپنی زندگی میں ہی دیکتا ہے۔ اس کے بعد خلفا کا ہونا ضروری ہے)

(۵۲) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ (کافر و منافق بالعموم خود غرض ہوتے ہیں۔ وہ اپنا حق لینا اور دوسرے کا حق مارنا چاہتے ہیں۔ لیکن مومن جو اللہ تعالےٰ کو سامنے رکھتے ہیں وہ قوانین انصاف پر چلنا اور ایک نظام کے ماتحت ہو کر کام کرنا پسند کرتے ہیں۔ اوپر کی آیات میں کافروں اور منافقوں کا ظالم ہونا دکھایا گیا ہے اور مومنوں کا مفلح ہونا ظاہر کیا گیا ہے اس آیت میں سب کو اسی نیک قاعدے پر چلنا سکھایا ہے اور کہا ہے کہ خدا کا خوف رکھکر اور بدی کو بُرا جان کر اللہ کے قوانین انصاف پر چلو اور ایک نظام کے ماتحت ہو کر کام کرو جیساکہ فرمایا) اور جو اللہ کی (قوانین انصاف میں) اور اس کے رسول کی (نظام میں) اطاعت کرے اور اللہ کا خوف رکھے اور اس (کی مخالفت) سے ڈرے سو یہ لوگ جو ہیں یہی مراد کو پانیوالے ہیں۔

(۵۳) وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (ان لوگوں نے پکی قسمیں کھا کر رسول کی اطاعت کو مان لیا تھا لیکن اندرونی طور پر اس نظام میں خلل ڈالنے کی تجویزیں کرتے تھے۔ جیساکہ ارشاد ہے) اور ان لوگوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھا کر کہا کہ اگر تو انہیں حکم دیوے تو (وہ گھر بار چھوڑ کر بھی) نکل جائیں گے۔ تو کہہ قسمیں نہ کھاؤ۔ طاعت ایسی چاہیے جو معروف ہے (یعنی جسطرح امن و انصاف قائم کرنے کے لئے کی جاتی ہے) بلاشبہ اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

(۵۴) قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۚ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ○ (ایک نظام میں ہو کر لوگ سیدھے راستے پر چل سکتے ہیں اور جنگوں کے وقت مضبوط دیوار کی طرح بن جاتے ہیں۔ بدنظمی پھیلائی جائے تو نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکلیگا۔ اسلئے فرمایا) تو کہدے اللہ کی (قوانین عدل وانصاف میں) اطاعت کرو اور اس رسول کی (نظام میں الگ) اطاعت کرو۔ پھر اگر تم منہ موڑو تو سوائے اس کے نہیں کہ اس (رسول) پر وہی فرض ہے جو اسپر ڈالا گیا ہے اور تمپر بھی وہی فرض ہے جو تمپر لادا گیا ہے (اگر الگ الگ ہو کر اسپر عمل کروگے تو نتیجہ جب منشا نہیں نکلیگا) اور اگر تم (ایک نظام میں ہو کر) اس کی اطاعت کروگے تو ضرور سیدھے راستے پر چلوگے (اور یہ بات ظاہر ہے کہ) رسول پر کھلم کھلا پہنچا دینے کے سوائے اور کچھ نہیں۔

رسول کا اصلی کام یہی ہے سو وہ اس کام کو ضرور بجا لا رہا ہے۔ باقی معاملات جو مومن ہونے کی حیثیت میں کیے جاتے ہیں اُن کے متعلق حکم ہے وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○)

(۵۵) وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ○ (اللہ کی اطاعت دائمی ہے اور رسول کے نظام کا تعلق رسول کی زندگی کے ساتھ ہے اس لئے ضرور ہے کہ مومنوں کو خلافت کے وعدے دیئے جائیں۔ خلافت والی اطاعت زندہ خلیفے کی ہی کی جاسکتی ہے ہمارے رسول کریم نے اعراب سے کہا تھا کہ تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکلوگے اور میرے

ساتھ ہوکر کسی دشمن سے جنگ نہیں کرو گے۔ ہاں میرے بعد تمہیں کوئی خلیفہ لڑائی کرنے کے لئے بلائیگا۔ تم اُس کی اطاعت کرنا اور اگر تم اس کی اطاعت سے مُنہ موڑو گے جس طرح پہلے تم موڑ چکے ہو تو اللہ تم کو دردناک عذاب دیگا ۲۶/۱۰۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلیفوں کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کے ایک ہی معنی ہیں۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ الخ والی آیت سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے۔ رسولوں کی خلافت والی اطاعت دوسرے خلیفوں میں منتقل ہوجاتی ہے وغیرہ وغیرہ اسلئے فرمایا) اللہ نے ان لوگوں کے ساتھ جو تم میں سے ایمان لائے اور صلاحیت والے عمل کئے وعدہ کیا ہے کہ وہ (خدا) ان کو زمین میں خلیفہ (یعنی حاکم) بنائیگا جس طرح اُن لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے خلیفہ بنایا۔ اور ان کے لئے ان کے اس دین (یعنی اسلام) کو جسے ان کے لئے پسند کیا ہے (بفحوائے رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۵/۳) قوت دیگا اور ان کے خوف کے بعد (یعنی خوف کی جگہ) امن بدل دیگا۔ وہ (مومن) میری عبادت کرینگے (اور اُس عبادت میں) میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے اور جو شخص اس (اقبال) کے بعد کفر کریگا۔ پس وہ لوگ جو ہیں تو وہی اصل فاسق ہیں (اسوقت تم میں سے بعض لوگ کفار سے ڈر کر دب جاتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا پہلا خلیفہ رسول ہے۔ اُسوقت رسول کے لئے بھی خوف موجود تھا اور پورے امن کا زمانہ نہیں آیا تھا۔ لیکن حکم ہے کہ تم خدا کی عبادت کرو اور غریبوں کو مدد پہنچاؤ اور ایک نظام کے ماتحت ہوکر کام کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے جیسا کہ آگے آتا ہے)

(۵۶) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور رسول کی (ایک نظام کے ماتحت ہوکر) اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (اور خدا تم کو با امن حکومت بخشے)

(۵۷) لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ (جابر کفار خیال کرتے تھے کہ ہم انہیں عاجز کردینگے اور

خلافت کے جو خواب یہ دیکھتے ہیں وہ پورے نہیں ہونے دینگے۔ اسلئے فرمایا) تو کافروں کے متعلق یہ خیال مت کر کہ وہ زمین میں (خدا کو) عاجز کرنیوالے ہیں اور انکا ٹھکانا آگ ہے اور وہ بالضرور بُری جائے بازگشت ہے۔

رکوع ہشتم (۵۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَّافُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

(تم اپنی اندرونی اصلاح میں لگ جاؤ جیسا کہ ارشاد ہے) اے لوگو جو ایمان لائے ہو چاہیئے کہ تمہارے لونڈی غلام اور تم میں سے وہ (لڑکے) جو بلوغت کو نہیں پہنچے۔ تین دفعہ اجازت لیکر آئیں۔ صبح کی نماز سے (کچھ) پہلے (جبکہ تم جاگتے ہوتے ہو اور کام کاج کے لئے لونڈی غلام اور لڑکوں کو آنے کی ضرورت ہوتی ہے) اور جب تم دوپہر کے وقت اپنے کپڑے اُتارتے ہو اور شام کے تاریک ہونے کے وقت کی نماز کے (کچھ) بعد (عشا کا وقت شام کا آخری وقت ہوتا ہے جبکہ رات کی تاریکی چھا جاتی ہے جیسا کہ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ ۱۵ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس آیت میں بھی صبح و شام کی دو نمازوں کا ہی ذکر فرمایا ہے۔ عشا شام کا انتہائی وقت ہوتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی عشاء یعنی شام کے انتہائی وقت ہی باپ کے پاس آئے تھے ۱۲) لوگ بالعموم نماز فجر سے کچھ پہلے اور نماز عشاء کے کچھ بعد جاگتے رہتے ہیں۔ یہ جاگنے اور کام کاج کی طیاری کا وقت ہوتا ہے۔ ان تینوں وقتوں میں لوگ پورے لباس میں نہیں ہوتے۔ ایسے وقت میں اگر لونڈی غلاموں اور بچوں نے کچھ پوچھنا ہو تو اذن لیکر آسکتے ہیں۔ باقی وقت رات کا ہے وہ سونے کے لئے ہے۔ اس میں لونڈی غلام اور

خدمتگار بچے اجازت لیکر بھی نہیں آسکتے۔ وہ صرف دو وقتوں میں بغیر اجازت کے آسکتے ہیں یعنی فجر اور شروع دوپہر کے درمیان اور آخر دوپہر اور عشا کے درمیان۔ لونڈی غلام اور خدمتگار بچے اگر رات کے وقت بھی اذن لیکر آسکتے ہیں تو پردے کے دو وقت ہوئے تین نہ ہوئے۔ ایک ساری رات اور دوسرا دوپہر کا وقت ہی پردے کا وقت رہ جائیگا۔ اس صورت میں ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ فرمانا صحیح نہیں رہیگا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان لونڈی غلاموں اور خدمتگار بچوں کو رات کے وقت پوری چھٹی دیدیا کرو اور اگر کوئی ضرورت ہو تو اپنے دوسرے لوگوں سے کام لیا کرو۔ اگر لونڈی غلاموں اور خدمتگار بچوں کو رات کے وقت بلایا جائے تو اس سے ایک تو بدی کی تحریک کا خوف ہے اور دوسرے اس میں یہ سکھانا ہے کہ لونڈی غلام مناسب وقت تک تمہارے کام کے پابند ہیں۔ ان سے تم چوبیس گھنٹے کام نہیں لے سکتے الحاصل جاگنے اور کام کرنے کے اوقات میں) تمہارے لئے تین پردے کے وقت ہیں (یعنی ایک صبح سے کچھ پہلے اور دوسرا دوپہر کا وقت اور تیسرا شام کا اندھیرا ہونے کے کچھ بعد) ان (وقتوں) کے سوائے تمپر اور اُن پر (بلا اجازت آنے میں) کوئی گناہ نہیں ہے (کام کاج کے لئے) وہ تمپر (یعنی) بعض تمہارا بعض پر (اندر باہر) آنے جانے والے ہیں (اگر ہر دفعہ اذن لینے کی ضرورت ہو تو کاروبار میں بڑی دقت پیدا ہوگی) اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ علم والا درست کار ہے۔

(۵۹) وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اور جب تم میں سے (خدمتگار) بچے بلوغت کو پہنچ جائیں تو چاہیئے کہ وہ اذن لیکر آئیں جسطرح ان لوگوں نے اذن لیا جو ان سے پہلے ہیں (جنکا حکم رکوع نمبر ۱ کی پہلی آیت میں آچکا ہے۔ لونڈی غلام تو ان وقتوں میں اسی طرح بغیر اذن کے آسکتے ہیں۔ لیکن وہ نابالغ بچے بالغ ہو کر مردوں کے ساتھ دوکانوں میں کام کریں۔ گھر میں جب آئیں تو اذن لیکر آئیں) اسطرح اللہ (تعالےٰ) تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے اور اللہ (تعالےٰ) علم والا

درست کار ہے۔

(۶۰) وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ (اسی سورت کی آیت نمبر ۳۱ میں فرمایا ہے کہ مومنہ عورتیں اپنے لونڈی غلاموں کے آگے اور بوڑھوں اور مخنثوں کے آگے جو گھر میں کام کاج کرنے کے لئے آتے ہیں اور ان بچوں کے آگے جو عورتوں کے پردے کے مواقع سے واقف نہیں ہیں اپنے زیورات پہن کر بیٹھ سکتی ہیں۔ سورت احزاب میں فرمایا ہے کہ جب مومن عورتیں باہر جائیں تو اپنے اوپر چادر لپیٹ لیں ۲۲/۵۔ گھروں میں چادروں کے لپیٹنے کا حکم نہیں۔ اوپر کی آیتوں میں لونڈی غلاموں اور بچوں کے گھر میں آنے کا ذکر ہے اس آیت میں فرمایا ہے کہ بڑی بوڑھی عورتیں کام کاج کے لئے بغیر چادر کے بھی باہر جا سکتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے) اور عورتوں میں سے جو (بڑھاپے کے سبب) بیٹھ رہنے والیاں ہیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں۔ سو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے یہ کہ وہ اپنے کپڑے (یعنی چادریں) اتار دیں (لیکن) اپنی زینتوں کو دکھلانے والیاں نہ ہوں (یعنی سیدھے سادھے طور پر باہر جائیں) اور یہ کہ وہ اس سے پرہیز کریں تو ان کے لئے بہتر ہے اور اللہ (سب کی باتوں کو) سننے والا اور (سب کی نیتوں کو) جاننے والا ہے۔

(۶۱) لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ

صَدِيقِكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۚ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○ (جسطرح اس ملک میں بیاہ شادی کے موقعہ پر یا کسی بوڑھے فوت ہونے والے کے اکٹھ پر مرد و عورتیں جمع ہوتے ہیں اور دعوتیں کرتے ہیں۔ عورتیں گاتی بجاتی ہیں اور مخول ٹھٹھے کرتی ہیں۔ عرب میں اس سے زیادہ رسمیں تھیں۔ دعوتوں پر مرد اور عورتیں اکٹھے ہوتے تھے اور عورتیں جاہلیت والے بناؤ سنگار کر کے آتی تھیں۔ چونکہ مذکورہ بالا آیات میں گھروں کے اندر اذن لیکر جانے کا حکم تھا اسلئے مومنوں نے ان دعوتوں میں جن میں عورتیں بناؤ سنگار کر کے آتی تھیں شامل ہونا ترک کر دیا۔ دعوتوں میں اندھے اور لنگڑے اور مریض کا شامل ہونا ناپسند کیا جاتا تھا۔ اندھے کے متعلق خیال تھا کہ وہ بیموقع ہاتھ مار دیتا ہے اور کسی کھانے کی چیز کو اُلٹ دیا کرتا ہے اور نابینائی کے سبب برہنہ بھی ہو سکتا ہے۔ لنگڑے کی نشست صحیح القامت لوگوں کی نشست کے خلاف ہوتی ہے۔ نشست کے بدلنے میں اُسکا برہنہ ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔ وبائی امراض والو کو تو لوگوں میں ہرگز نہیں آنا چاہیئے۔ لیکن پھوڑے پھنسی والے مریض سے بھی لوگوں کو نفرت آتی ہے اور اُن کا جسم اور کپڑے بھی صاف نہیں ہوتے۔ اللہ تعالےٰ مومنوں کو فرماتا ہے کہ دوسرے لوگوں کی دعوتوں میں اگر مناسب سمجھو تو اُن کے بلانے پر جا سکتے ہو ہمارے رسول خدا بھی غریبوں کو کھانا دینے کے لئے بُلایا کرتے تھے لیکن ان گھروں میں جنکا ذکر اس آیت میں آتا ہے گھر والوں کے بلانے کے بغیر بھی جا سکتے ہو اور اپنے ساتھ کسی اندھے اور لنگڑے اور مریض کو بھی کھانا کھلانے کے لئے لے جا سکتے ہو۔ اور اندھے اور لنگڑے اور مریض کو بھی اپنے قریبی رشتہ داروں کے ہاں ایسی ہی اجازت ہے جیسی کہ تم کو ہے۔ چنانچہ فرمایا) اندھے پر کوئی تنگی نہیں ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی تنگی ہے اور نہ مریض پر کوئی حرج ہے اور نہ تمہارے مومنو کوئی تنگی ہے) کہ تم (سب) اپنے گھروں یا اپنے باپ دادوں کے گھروں یا اپنی ماؤں

کے گھروں یا اپنے بھائیوں کے گھروں یا اپنی بہنوں کے گھروں یا اپنے چچاؤں کے گھروں یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں یا اپنے ماموں کے گھروں یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان (گھروں) سے جنکی کنجیوں کا تمہیں اختیار ملا ہوا ہے یا اپنے دوست (کے گھر) سے کھالیا کرو (دوسرے گھروں میں بغیر بلانے کے مت جاؤ) تمپر اس بات میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اکٹھے کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ۔ سو جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر ایسا سلام کرو جو اللہ کے حضور سے برکت و پاکیزگی کی دعاء خیر (و حیات) ہو۔ اسطرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لیا کرو (عقل و حکمت بھی ایک نور ہے قرآن مجید ہمیں عقل والا بناتا ہے۔ خدا نے جن باتوں کو ضروری سمجھا ہے وہ قرآن میں بیان کردی ہیں۔ جس قرآن میں یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ تمپر کوئی گناہ نہیں کہ اکٹھے کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ اس قرآن سے نماز کے وہ حکم باہر نہیں ہو سکتے جو اس بیان سے زیادہ ضروری ہیں۔ اس آیت میں مِنْ بُيُوتِكُمْ سے مراد اولاد کا گھر ہے۔ ورنہ اپنے گھروں میں تو آنے جانے کی کوئی روک نہیں ہو سکتی)

رکوع نہم (۶۲) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

(اوپر فرمایا ہے کہ تم اپنے رشتہ داروں کے گھروں میں کھانے کے لئے بھی جا سکتے ہو اس آیت میں ارشاد کیا کہ اگر حاکم وقت کسی مشورے کے لئے جسپر لوگوں کا جمع ہونا ضروری ہے بلائے تو ضرور حاضر ہونا چاہئے۔ حاکم کے بلاوے یا سمن کو دوسروں کے بلاوے

کی طرح نہیں جاننا چاہیئے۔ ہاں اگر کوئی معقول عذر ہو تو حاکم سے چھٹی لی جاسکتی ہے اوپر نمونے کے طور پر ایک بات پیش کی ہے۔ آگے فرمایا ہے کہ اللہ اسی طرح سے تمہارے لئے نشان اور دلائل پیش کرتا ہے تاکہ تم خود عقل والے بن جاؤ۔ عقل والے قرآنی نمونوں کو دیکھکر خود بھی مشورے سے عالیشان باتیں حاصل کرسکتے ہیں۔ ہمارے رسول کریم بھی بلاشبہ عقل والے تھے۔ وہ بھی حکم الٰہی کے مطابق مشورے کیا کرتے تھے۔ اسلئے اس آیت میں رسول کریم کے مشوروں میں حاضر ہونے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ مشوروں کا تعلق اور رخصت لینے کا معاملہ اور سمن کے مطابق حاضر ہونے کی ضرورت زندہ حاکموں کے ساتھ ہی تعلق رکھ سکتی ہے۔ کسی ایسے حاکم کے ساتھ جو اس دنیا سے گذر گیا ہو پچھلے لوگ یا اسی زمانے کے وہ لوگ جو دوسری حکومتوں کے ماتحت بستے ہیں کسی امر جامع پر حاضر نہیں ہوسکتے اور نہ اُن کو اس حاکم سے چھٹی مانگنے کی ضرورت ہے۔ اپنے حاکم کا سمن بھی زندگی میں ہی مانا جاسکتا ہے۔ زندہ حاکموں سے ہی لوگ چھپکر کھسک جاتے ہیں۔ ان حاکموں سے جو دوسرے عالم میں پہنچے ہوئے ہیں چھپکر سٹک جانا یعنی ہے۔ مشورے کے بعد پریذیڈنٹ جو حکم کسی کو دے وہ اس مجلس کا ہی حکم سمجھا جائیگا اس حکم کا تعلق تمام مجالس کے ساتھ نہیں ہوگا جو پیچھے بھی بنائی جائینگی۔ اختیار اللہ تعالےٰ کا ہی ہے۔ اسی کو سامنے رکھکر کام کرنا چاہیئے۔ وہ خدا ہی ہے جسکو تمام باتوں کا علم ہے۔ اس آیت میں زندہ مومن ہی مراد ہیں جو حاکم وقت رسول کے نظام میں بستے تھے جیسا کہ ارشاد ہے) سو لئے اس کے نہیں کہ یہ مومن (جنہوں نے رسول کی حکومت کو تسلیم کیا ہوا ہے) ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ (کے قوانین عدل وانصاف) کو اور اس کے رسول (کی حکومت) کو مانا اور جب اس کے ساتھ کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس میں جمع ہونے کی ضرورت ہے تو وہ اسکا اذن لینے کے بغیر نہیں جاتے۔ بلاشبہ وہ لوگ جو تجھسے اذن مانگتے ہیں یہ لوگ جو ہیں تو یہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں (اور جو لوگ صاحب مقدور ہوتے ہوئے جنگ کی شمولیت سے گھبرا کر اذن مانگتے ہیں۔ وہ اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اُن کے دل شک وشبہات میں پھنسے ہوئے ہیں ۱۳۔ آگے فرمایا) پھر جب وہ تجھ سے اپنے کسی کام کے لئے

اذن مانگیں تو تُو اُن میں سے جس کے لئے (مناسب دیکھکر) چاہے اذن دے (اگر وہ مشورہ اُن کے کام سے اعلیٰ ہو تو اذن نہ دے) اور ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگ (تاکہ اللہ ان کی کمی کو پورا کردے) بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحم والا ہے۔

(۶۳) لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تم رسول (یعنی حاکم وقت) کے بلاوے (یعنی سمن) کو اپنے درمیان ایسا نہ سمجھو جیسا کہ تمہارے بعض کا بعض کو بلاوا ہوتا ہے (ایسے معاملات میں جو رسول کے بعد جاری رہتے ہیں رسول سے مراد رسول اور اسکا نائب ہوتے ہیں) اللہ ان لوگوں کو ضرور جانتا ہے جو تم میں سے چھپ کر کھسک جاتے ہیں (اور اگر مشورہ کے بعد پریذیڈنٹ کی طرف سے اُن پر کوئی ڈیوٹی ڈالی جائے تو اُس کی مخالفت نہ کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ فرمایا ہے) پس چاہیئے کہ وہ لوگ جو اُس (رسول) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اس بات سے ڈریں کہ کہیں اُن کو فتنہ (وفساد) نہ پہنچ جائے یا دردناک عذاب ہی آجائے (مخالفت میں ان باتوں کا اندیشہ ضرور ہے۔ اسی طرح دوسرے جزلوں کی مخالفت سے بھی بچنا لازم ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو فرماتا ہے کہ تو ان سے ڈرتا رہ کہ کہیں وہ تجھے اُس چیز کے بعض حصے سے جو تیری طرف اُتارا گیا ہے فتنہ یا گمراہی میں نہ ڈال دیں ۔ بدی سے حذر کرنا سب کے لئے ضروری ہے)

(۶۴) اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (بدی سے بچاؤ کے لئے اللہ تعالےٰ کی پناہ میں آنا ضروری ہے۔ جیساکہ ارشاد ہے)

سُن رکھو بلاشبہ اللہ کے لئے ہی ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہ ضرور جانتا ہے جس (کام) پر تم (لگے) ہو (یعنی تم اے مومنین تمام لوگوں کا بھلا چاہتے ہو) اور جس دن یہ لوگ اُس کی طرف موڑے جاتے ہیں تو خدا اُنھیں اُن کے کاموں کی خبر دیتا ہے اور اللہ ہر شئے کا جاننے والا ہے (فالحمد للہ علیٰ ذٰلک)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُورۃ الفرقان

مضمون اور نظم و ربط

سابقہ سورت کا نام نور ہے۔ نور کا کام بھلے بُرے کو الگ الگ کر کے دکھا دینا ہے۔ نور سے اشیاء میں تمیز ہوتی ہے۔ فرقان حق و باطل میں فرق کرنے والا اور اُن کو الگ الگ کر کے دکھانیوالا ہے۔ پس معنی کے لحاظ سے یہ دونو سورتیں یکساں ہیں۔

جسطرح سورت مومنون کے شروع میں مومنوں کے وہ کام بتائے گئے ہیں جن سے مومنوں کو فلاح ملتی رہی ہے۔ اسی طرح سورت فرقان کے اخیر میں رحمان کے بندوں کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ سورت نور میں ہی زنا کی ممانعت نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی سورۂ فرقان میں جو مکی ہے زنا کی ممانعت آچکی ہے۔

جسطرح سورت نور میں فرمایا ہے کہ نیک لوگ نیکیوں کے ساتھ اپنے گھروں کو رفعت وعزت دیتے ہیں اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ صبح و شام تسبیحیں کرتے ہیں۔ اس سورت میں بھی رحمان کے بندے دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو متقیوں کا امام بنا۔ مطلب یہ کہ ہمارے اہل وعیال متقی ہو جائیں اور ہم ان کو راستہ دکھائیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تقوے سے تمام لوگ امام بن سکتے ہیں۔ بلاشبہ ماں باپ کی اطاعت و خدمت ضروری ہے۔ اللہ تعالےٰ ماں باپ کے شکر کو اپنے شکر کے ساتھ ملا کر بیان کرتا ہے۔ لوگ ادھر ادھر ٹکریں مارتے پھرتے ہیں اور ماں باپ کو مطلقاً نظر سے گرا دیتے ہیں

سورت نور میں فرمایا ہے کہ قرآن کی آیتیں بیّنات ہیں۔ اُن کی تفسیر و تشریح خود ان میں موجود ہے۔ سورت فرقان میں فرمایا ہے کہ ہمنے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا ہے تاکہ ہم اعتراضات کے جواب دیکر احسن تفسیر خود ہی کر دیں۔ قرآن کی تفسیر سب تفسیروں سے احسن ہے۔ خدا تعالےٰ نے قرآن کی تفسیر جسکا وحی کے ذریعے سے کیا جانا ضروری تھا خود ہی کر دی ہے۔ وحی والی تفسیر کسی انسان کے ذمے نہیں ڈالی جا سکتی۔ اللہ تعالےٰ

فرماتا ہے۔ اے پیغمبر تو کہدے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں اس قرآن کو تمپر نہ پڑھتا اور نہ خدا ہی تم کو اس کی سمجھ دیتا۔ میں تم میں اس سے پہلے بڑی عمر گذار چکا ہوں۔ پھر کیا تم عقل نہیں کرتے ؟ مطلب یہ کہ اگر یہ میرا کام ہوتا تو میں پہلے ہی اس کے لئے تیاری کرتا اگر اللہ میری طرف وحی نہ کرتا تو میں تمپر کیسے اس قرآن کی تلاوت کر سکتا تھا اور اگر اللہ خود ہی تم کو اس قرآن کا فہم نہ دیتا تو میں اس قرآنی فہم کو کہاں سے لے آتا۔

اس آیت سے بڑی صفائی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی وحی والی تفسیر قرآن کے ذمہ ہے۔ قرآن سے باہر عقلی تفسیر تو تمام عقل والے کر سکتے ہیں۔

سورت فرقان میں جو مکی ہے جنگ بدر کی پیشگوئی کی گئی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ دن کافروں پر سخت ہوگا۔ سورت نور میں رسول کریم کو انصار اور دیگر لوگوں نے مدینہ کا حاکم مان لیا تھا لیکن ابھی تک کمزوری تھی اسلئے سورت نور میں ایسی پختہ خلافت کا وعدہ کیا گیا ہے جس میں خوف کے بعد امن کو بدل دیا جائیگا۔ وہ وعدہ رسول کریم کی زندگی میں ہی پورا ہونا شروع ہو گیا تھا۔

سورت نور میں رسول کی حاکمانہ اطاعت کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورت فرقان میں فرمایا ہے کہ رسول اس قرآن کا بنانے والا نہیں ہو سکتا۔ یہ قرآن اُس خدا کا کلام ہے جو زمین و آسمان کے بھیدوں کو جانتا ہے۔ رسول تو صرف ایک بشر ہے۔ کھانا کھاتا ہے اور اپنی ضروریات کے لئے بازاروں میں جاتا ہے۔ اللہ ہی ہدایت دینے میں کافی اور مدد دینے میں کامل ہے۔ ہاں ایسے رسول کو مسحور بتانا پرلے سرے کے ظالموں کا کام ہے۔

سورت نور میں نور کا ذکر آیا ہے۔ سورت فرقان میں سائے کا بیان ہے۔ نور کے آنے سے سائے کو خدا ہی سمیٹ لیتا ہے۔ سایہ بھی خدا کے قبضے میں ہے اور اسی کے آگے ساجد ہے۔ الحاصل ان دو سورتوں میں بہت سی اور بھی مناسبتیں ہیں جنکی وجہ سے دونوں سورتوں کو اکٹھا رکھا گیا ہے۔

ترجمہ و تشریح

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ شروع ساتھ نام اللہ کے جو رحمان و رحیم ہے۔

۱ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ

نَذِيْرًا ۝ بڑی خیر و خوبی والی وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے ایک بندے پر فرقان (یعنی حق و باطل میں تمیز کرنے والا قرآن) اُتارا تاکہ وہ (قرآن) جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو (اگر قرآن بجید ناقص ہے تو وہ الفرقان یعنی حق و باطل میں اصل فرق کرنے والا کسطرح بن سکتا ہے۔ کیا وہ کتاب ناقص ہوسکتی ہے جسکا مقصد یہ ہو کہ کل اقوام کو ڈرائے۔ کیا ناقص کتاب کا بھیجنے والا بھی تمام خیر و خوبی کا مستحق ہو سکتا ہے۔ یہ کتاب خدا نے اپنے ایک بندے پر نازل کی ہے کیا ممکن ہے کہ وہی بندہ اپنے مالک کی وحی پر حاکم و قاضی بن جائے۔ اگر بندے کا قول تمام برکات کے مالک کی وحی کے ساتھ مثلہٗ معہٗ بن سکتا ہے تو فرقان کے اُتارے جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

الفرقان میں اَل معرفہ کے لئے ہے یعنی یہ قرآن جس کی صفت میں آیا ہے کہ یہ تمام اقوام عالم کے لئے نذیر بننے کا کام دے۔ تاریک زمانوں میں دنیا محسوسات پر گرتی تھی اور الٰہی توحید کو بہت جلد بھلا دیتی تھی۔ جن بُرے اعتقادات سے ڈرایا جاتا ہے وہ یہی مشرکانہ خیالات ہیں۔ ان سے بچنا ضروری ہے)

(۲) الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ (اس آیت میں شرک کی تردید کی گئی ہے۔ فرمایا کہ تمام اقوام عالم کے لئے ڈرانے کی خاطر الفرقان کو اُتارنے والی وہ بابرکت ذات ہے) جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت (و اختیار) ہے (اگر تمام صاحب اختیار مخلوق کا اختیار چھین لیا جائے اور اُنھیں آسمانی اور زمینی عناصر کی صورت میں لایا جائے تو زمین و آسمان پر اُس وقت کس کا اختیار ہوگا۔ وہی برکت والا خدا پھر زمین و آسمان سے صاحب عقل و اختیار مخلوق کو پیدا کریگا۔ صحیفۂ فطرت ایک کل ہے۔ وہ کتاب کی طرح علم سکھاتی ہے لیکن خود عالم و عاقل و مدبر و مختار نہیں ہے۔ انسان کو علم و عقل و اختیار وہی برکات کا مالک ہی دیتا ہے۔ اسطرح انسان خلیفہ یعنی خدا تعالےٰ کے آگے جوابدہی کے قابل بنگیا ہے۔ خلیفے کی ضروری رہبری کے لئے ہی فرقان اُتارا گیا ہے۔

درختوں کو پانی کی ضرورت ہے۔ لیکن وہ چل نہیں سکتے۔ خدا تعالےٰ اُنھیں بارش اور شبنم سے پانی پہنچاتا ہے۔ حیوانوں کو بھی پانی کی ضرورت ہے اُن کو چلنے پھرنے کی طاقت دی گئی تاکہ وہ چل پھر کر پانی حاصل کریں۔ انسان کو عقل و اختیار عطا کیا گیا ہے یہ زمین کے نیچے سے پانی حاصل کرتا ہے۔ کوئیں کھودتا اور پائپ لگاتا ہے اور نالیوں کے ذریعہ دور دراز سے پانی لے آتا ہے۔ انسان کو یہ عقل و اختیار اسلئے دیا گیا ہے تاکہ یہ خدا کے آگے اپنے اعمال کا جوابدہ بنے۔ انسان محض ایک مخلوق ہے خدا کا بیٹا نہیں ہے چنانچہ ارشاد ہے) اور اس (خدا) نے کوئی بیٹا نہیں پکڑا (بیٹا باپ کا جزء ہوتا ہے خدا مرکب اور قابل تقسیم نہیں۔ خدا تعالےٰ کا اصلی بیٹا تو کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ کسی خاص شخص کو بیٹا بناتا بھی نہیں اور نہ اُسے بیٹے والے اختیار دیتا ہے۔ خدا کی الوہیت قابل تقسیم نہیں) اور (اسلئے) بادشاہی میں اُسکا کوئی شریک (وشیں) نہیں ہوا۔ (یہ سب اس کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ وہی اُنھیں ترقیات دیتا ہے) اور اس نے ہر ایک شے کو پیدا کیا ہے۔ پھر اس کے ایسے اندازے لگائے ہیں جو اندازہ لگانے کا حق ہے (امکان سے خارجی وجود دینا اسی کا کام ہے اور قوانین قدرت کا بنانا بھی اسی کے ساتھ خاص ہے۔ اس کے قوانین مکمل ہیں۔ اُن سے ہر حکیمانہ کام لیا جا سکتا ہے۔ قوانین قدرت کے علاوہ انسان کا اختیار بھی خدا کے کھلے اختیار کے ماتحت ہے)

(۳) وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا ۝ (لوگ ایسے خدا کو چھوڑ کر مخلوق کو الٰہ پکڑتے ہیں۔ کیا ممکن ہے کہ کبھی خالق و مخلوق یکساں ہو جائیں۔ چنانچہ ارشاد ہے)

اور ان لوگوں نے اس (اللہ) کے سوائے ایسے معبود بنائے جو کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور (وہ ٹھیک اندازے لگانے والے خدا کے تصرف کو روکنے والے نہیں ہیں بلکہ) وہ اپنی جانوں کے لئے بھی ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتے (اُنہیں خدائی قوانین کے ماتحت ہی چلنا پڑتا ہے) اور نہ وہ موت کا اور نہ زندگی کا اور نہ کسی آئندہ ارتقا کا اختیار رکھتے ہیں

(نشور کے معنی ہیں مخفی طاقتوں کا کھل کر نئی صورت میں ظہور کرنا اور خلقاً آخر یا خلق جدید میں آجانا)

(۴) وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝ اور (ایسی روشن توحید کے متعلق) ناقدردان لوگوں نے کہا یہ (قرآن) صرف ایک جھوٹ ہے جسکو اس (رسول) نے افترا کرلیا ہے اور اس (قرآن کے بنانے) پر اس (رسول) کی دوسرے لوگوں نے مدد کی ہے۔ سو بلاشبہ یہ لوگ ظلم اور جھوٹ کو لائے ہیں (اگر قرآن کے بنانے میں مدد دینے والی کوئی قوم ہوتی تو وہ لوگ ضرور کبھی نہ کبھی رسول کا پول کھول دیتے اور کہتے کہ تم کو یہ فرقان ہم نے ہی سکھایا ہے)

(۵) وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ اور ان لوگوں نے (یہ بھی) کہا کہ (یہ قرآن) پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ اس نے انھیں لکھوا چھوڑا ہے۔ سو یہ اسپر صبح و شام کے اوقات میں (جب یہ نماز کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں) پڑھی جاتی ہیں (دشمن بھی گواہی دیتے ہیں کہ قرآن رسول کریم کے وقت میں لکھا جاتا تھا۔ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ لوگ رسول کو لکھاتے تھے۔ ہاں اس لکھے ہوئے کو سناتے تھے۔ تاکہ رسول کریم اسے کبھی بھول نہ جائیں)

(۶) قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (یہ قرآن کسی بشر کا بنایا ہوا نہیں) تو کہدے اس (قرآن) کو اس (علیم کل خدا) نے اتارا جو ان بھیدوں کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ بلاشبہ وہ خدا بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے (وہ تمہیں اس قرآن کے سبب سے بخشنا اور تم پر رحم کرنا چاہتا ہے۔ وہ خود ہی بندوں کو بندے رکھ کر ہی جب چاہتا ہے انعام کرتا ہے)

(۷) وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ (رسول بھی ایک بندہ ہی ہے) اور ان لوگوں نے (یہ بھی) کہا کہ اس رسول کو کیا ہے کہ یہ کھانا کھاتا ہے اور (اپنی ضروریات کے لئے) بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیوں اس پر کوئی فرشتہ نہیں اتارا گیا تاکہ وہ اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا۔

(۸) اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈالا جاتا یا اس کے لئے کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا (اس میں کوئی ایسی علامتیں موجود نہیں جن سے اسکا خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہو یا یہ اُن لوگوں کے زمرے سے ہوتا جو ذی عزت ہیں اُس کو ایک جنون ہے۔ ہمارے جادوگروں نے اُس کے دماغ کو مختل کر دیا ہے اے مسلمانو جو قرآن یہ تم کو مسحور ہونے کی حالت میں سناتا ہے اسکا کیا اعتبار ہے) اور ظالموں نے یہ بھی کہا (کہ اے مسلمانو) تم ایک جادو زدہ مرد کے پیچھے لگے ہو (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تو ان کو کہے کہ تم موت کے بعد مبعوث ہوتے ہو تو کافر لوگ کہیں گے کہ یہ صریح جادو یعنی دھوکا ہے ۱۲۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سحر کے معنی دھوکے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سحر کو کید اور افک بتلاتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جادو صرف ایک دھوکا ہے جادو کے ذریعے سے خیالات کو دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ ایک غلام نے زنانی صورت بنا کر اپنے آقا کو کہا کہ آپ کی بیوی کا خیال آپ کی طرف سے برگشتہ ہو گیا ہے۔ آج رات کو جبکہ آپ کو سوتا ہوا پائیگی تو آپ کا کام تمام کر دیگی۔ اسطرح سے اُس نے اپنے آقا کو ڈرا دیا۔ پھر وہ اپنی مالکہ کے پاس گیا اور زنانی صورت بنا کر کہنے لگا کہ آپ کا خاوند دوسرا نکاح کرنا اور آپ کو معلقہ بٹھانا چاہتا ہے۔ مرد بڑے بیوفا ہوتے ہیں بیویوں کی قدر نہیں کرتے بیوی یہ سنکر رونے لگی اور غلام بھی ساتھ ہی روتا رہا۔ آخر غلام نے کہا کہ میں ملاں کے پاس جاتا ہوں اور کوئی تعویذ لکھا کر لاتا ہوں۔ غلام تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور مالکہ کو کہنے لگا کہ ملاں کہتا ہے کہ آج رات کو جبکہ میاں سو جائے تو اس اُسترے سے میاں کی ڈاڑھی کے نیچے سے کچھ بال اُتار لینا۔ ملاں اُن پر دم کر دیگا۔ آپ اُن کو تعویذ کی شکل

بنا کر اپنے گلے میں ڈال لینا۔ میاں اس خیال کو چھوڑ دیگا اور آپکی طرف مائل ہو جائیگا جب رات کو میاں گھر آیا اور روٹی کھا کر کہنے لگا۔ میں آج تھکا ہوں۔ مجھے بڑی نیند آئی ہے۔ میاں بہانے کے ساتھ خراٹے بھرنے لگا۔ جب بیوی نے دیکھا کہ میاں بیخبر سو گیا ہے۔ تو اُس کی داڑھی کو اونچا کیا اور استرا لیکر بال کترنے پر آمادہ ہوئی۔ میاں نے گھبرا کر اُسکا ہاتھ پکڑ لیا اور غضبناک ہو کر اُسی اُسترے سے بیوی کو ہلاک کر دیا۔ قصاص میں میاں بھی مارا گیا + جادوگر خیال بیوی میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کیا کرتے ہیں ۱۲ ۔ اسی طرح سے جادوگر خیالات کو پلٹا دیتے ہیں۔ اور انسان کی نظر دوسری طرف لگا دیتے ہیں۔ اور وہ کام کر جاتے ہیں جسکی دیکھنے والوں کو توقع نہیں ہوتی۔ وہ لوگوں کو ڈرا کر اُن کے حوصلوں کو پست کر دیتے ہیں۔ اور کچھ کا کچھ دکھلا دیتے ہیں جیسا کہ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ ۲ سے ظاہر ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ بعض فقیر خوفناک صورت بنا کر لوگوں کو کہتے ہیں کہ دیکھنا آج رات کو تمہارا کیا حال ہوتا ہے۔ خوفزدہ لوگ رات کو ڈرانے والے خواب دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ عورتوں۔ بچوں اور ڈرپوک لوگوں پر اسکا بڑا اثر پڑتا ہے۔ لیکن حوصلے والے اور متوکل لوگ اس کا کوئی خیال نہیں کرتے۔ وہ جادوگروں کی باتوں کو محض بکواس سمجھتے ہیں۔ ڈرپوک لوگ اپنے ہی خوف کے سبب مارے جاتے ہیں۔ جادو صرف ایک دھوکا ہے۔

کافروں کا خیال ہے کہ جادو سے آدمی پاگل بنایا جا سکتا ہے۔ کافر اسی خیال سے ہمارے رسول کریمؐ کو مسحور کہتے تھے۔ لیکن محدثوں نے رسول مقبول کو سخت جادو زدہ ظاہر کیا ہے۔ خدا ایسے لوگوں کے شر سے بچائے)

(۹) اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝

۔ دیکھ (اے رسول) تیرے لئے (یہ لوگ) کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں (جو وحی لانیوالے کے لئے لائق نہیں ہیں) سو یہ گمراہ ہو گئے۔ پھر راستہ پانے کی طاقت نہیں رکھتے (اگر جادوگروں کے پاس ایسے سحر تھے تو اُنھوں نے رسولؐ کو زندہ ہی کیوں رہنے دیا تھا۔ اُنھوں نے مومنوں کو ستانے کی ہر طرح کوشش کی اور اُنھیں مکہ سے بھی نکال دیا۔ لیکن منتر پڑھکر اور پھونکیں مار کر کیوں تباہ نہ کر دیا۔ وہ اپنے جادوگروں

کے لشکر سے قرآن کی پیشگوئیوں کو کیوں نہ ٹال سکے اور مکہ کے مفتوح ہونے کو کیوں نہ روک سکے۔ اور اسلام کی آخری کامیابی کو کیوں نہ مٹا سکے۔ اگر جادوگروں میں کسی کو پاگل بنانے کی طاقت ہوتی تو ایک فوج دوسری فوج کو مسحور بنا کر قابو میں لے آتی۔ توپوں اور تلواروں کی کوئی ضرورت باقی نہ رہتی۔ اور دنیا میں وہ جنگیں ہوتیں جنکا بیان "طلسم ہوشربا" میں لایا گیا ہے۔

ساحر دھوکہ باز ہوتا ہے۔ وہ عورتوں۔ بچوں اور وہم پرست لوگوں کو ڈرا کر کچھ کا کچھ دکھا دیتا ہے۔ تو کل پیشہ لوگ ایک ٹھوکر سے ہزاروں جادوگروں کو بھگا دیتے ہیں خدا کے ارادے اور حکم کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ بادشاہ ارادہ کرتے ہیں اور اُس کے لائق سامان مہیا کرتے ہیں۔ لیکن خدا کے ارادے کے ماتحت تمام سامان خود ہی جمع ہو جاتے ہیں اور اس کے حکم پر چلتے ہیں۔ کسی آدمی کے محض چاہنے یا پھونکیں مارنے یا منتر پڑھنے سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کسی کے منتروں یا خواہشوں کو اپنی ذات میں ہی موثر جاننا اور یہ سمجھنا کہ اُس کے پھونک مارنے سے مٹی کا پرندہ جاندار بن جاتا ہے اور مردہ زندہ ہو جاتا ہے صریح شرک ہے۔ جادوگر ذلیل و خوار اور منگتے ہوتے ہیں۔

قرآن فرماتا ہے کہ ظالم لوگ نبیؐ کو مسحور بتلاتے ہیں۔ جھوٹی حدیثیں بھی نبیؐ کو مسحور بلکہ سخت مسحور کہتی ہیں۔ کسی کے بالوں میں پھونک پھونک کر گرہ دینے سے کوئی شخص مجنون و مسحور نہیں بن سکتا اور سارا قرآن مجید پڑھکر پھونکنے سے ایک بال کی گرہ بھی از خود نہیں کھل سکتی۔ احادیث رسول کریمؐ پر اس جادو کا اثر یہ بتاتے ہیں کہ آپ اس جادو کے اثر سے دیکھتے تھے کہ میں عورتوں کے پاس سے ہو آیا ہوں حالانکہ عورتوں کے پاس نہیں جاتے تھے اور حضور ایک کام نہیں کرتے تھے لیکن خیال میں آتا تھا کہ میں نے اسے کر لیا ہے۔ کیا ایسے خیال والے کی وحی سند ہو سکتی ہے۔ لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم کو جادو زدگی کی حالت میں بھوک نہیں لگتی تھی اور آنکھوں سے کم نظر آتا تھا۔ اللہ تعالےٰ ہمیں ایسی فضولیات سے اپنی پناہ میں رکھے)

رکوع دوم (۱۰) تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝

کافر کہتے تھے کہ اس کے پاس خزانہ ہوتا یا کوئی باغ ہی ہوتا جس سے یہ کھاتا پیتا اسلئے فرمایا کہ) وہ (اللہ) بڑا خیر و خوبی والا ہے جو اگر چاہے (اور تیرے کاموں کو صحیح دیکھے) تو تیرے لئے اس سے بہتر باغ بنا دیوے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں اور تیرے لئے محلات بنا دیوے (رسول کریم حق پر تھے۔ حضور نے پرلے سرے کی کامیابی کا منہ دیکھا۔ اس کامیابی سے عاقبت کی جزا کی بھی تصدیق ہوتی ہے)

(۱۱) بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ۝

(یہ لوگ عاقبت کی تصدیق نہیں کرتے) بلکہ انھوں نے پیشی کی گھڑی کو جھٹلایا اور ہمنے اس شخص کے لئے جس نے پیشی کی گھڑی کو جھٹلایا آتش کا عذاب تیار کیا ہے۔

(۱۲) إِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ۝

جب وہ (آگ) انھیں دور سے (آتے) دیکھتی ہے تو یہ اس کے جوش اور چلانے کو سنتے ہیں۔

(۱۳) وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ۝

اور جب اس (جہنم) سے کسی تنگ جگہ میں (زنجیروں سے) باندھکر ڈالے جاتے ہیں تو وہاں ہلاکت کو پکارتے ہیں۔

(۱۴) لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ۝ (آج ایک ہلاکت کو نہ پکارو اور بہت سی ہلاکتوں کو پکارو (بہت سی ہلاکتیں ہی تمہارا کچھ سنوار سکیں گی اور تمہاری بدی کو اتار سکیں گی)

(۱۵) قُلْ أَذَٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَمَصِيرًا ۝ تو انھیں کہدے کیا یہ (عذاب) بہتر ہے یا

وہ ہمیشگی کا جنت جسکا متقیوں کو وعدہ دیا جاتا ہے۔ وہ (جنت) اُن کے لئے جزا اور (اس دنیا سے گزر کر) ٹھکانا بنتی ہے۔

(۱۶) لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُولًا

اس (سکھ کی جگہ) میں اُنھیں ملتا ہے جو وہ چاہتے رہتے ہیں (وہ اس سے نکلتے نہیں بلکہ سکھ میں) رہ پڑنے والے ہیں (اور ترقیات کرتے جاتے ہیں) یہ تیرے رب پر ایسا وعدہ ہے جو (ہمیشہ) مانگا جاتا ہے۔

(۱۷) وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ ءَأَنتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ۝ اور جس دن وہ (اللہ) ان (کافروں) کو اور جن کو وہ اللہ کے سوائے پوجتے تھے پیش کرتا ہے تو (ان کے خیالی معبودوں کو) کہتا ہے۔ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا یا یہ خود ہی راستے سے بہک گئے۔

(۱۸) قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنبَغِي لَنَا أَن نَّتَّخِذَ مِن دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِن مَّتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ ۖ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ۝ تو وہ (ملائکہ وغیرہم) یہی کہتے آئے ہیں (اے خدا) تو پاک ہے ہمارے لئے شایاں نہیں ہے کہ ہم تیرے سوائے کسی کو سرپرست بنائیں ولیکن تو نے اُن کو اور اُن کے باپ دادوں کو دنیا کے فائدے دیئے یہانتک کہ وہ (غرہ ہو کر تیری) یاد کو بھول گئے اور ہلاک ہونے والے لوگ بن گئے۔

(۱۹) فَقَدْ كَذَّبُوكُم بِمَا تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۚ وَمَن يَظْلِم مِّنكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ۝ (اسوقت اللہ اُنھیں کہتا ہے) سو اُنھوں نے تمہاری باتوں کو جھٹلا دیا سو تم نہ (عذاب) کو موڑنے

کی طاقت رکھتے ہو اور نہ کوئی مدد ہی لا سکتے ہو اور (اے لوگو) جو تم میں سے ظلم کرتا ہے۔ ہم اُسے بڑا عذاب چکھاتے ہیں (ظلم کا یہی پھل ہونا چاہئے)

(۲۰) وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝ (نبی بھی ظالموں کو نہیں بچا سکتے وہ بندے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے)

اور ہم نے تجھ سے پہلے صرف ایسے رسول بھیجے ہیں جو کہ بلاشبہ ضرور کھانا کھاتے تھے اور (اپنی ضروریات کے لئے) بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور (کام کاج کرتے رہتے تھے اے رسول یہ مشرک تیرے جیسا حسن سلوک والا رسول کو ستاتے ہیں اور یاد رہے کہ) ہم نے تمہارے بعض کو بعض کے لئے آزمائش بنایا ہے۔ کیا تم (اے مومنو) صبر کرتے ہو۔ اور تیرا رب (جانبین کے معاملات کو) دیکھنے والا ہے (ٹھیک نتیجہ نکالنا اسی کے ہاتھ میں ہے)

رکوع سوم (۲۱) وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝ (کافر کہتے تھے کہ تیری کامیابی تو جب آئیگی دیکھی جائیگی۔ اسوقت فرشتوں اور خدا ہی کو دکھا دے۔ اسلئے فرمایا) اور ان لوگوں نے جو ہماری (آخرت کی) ملاقات کے اُمیدوار نہیں ہیں کہا کیوں ہم پر فرشتے نہیں اتارے جاتے یا ہم اپنے رب کو ہی دیکھ لیتے بالضرور ان لوگوں نے تکبر کیا (اور بشری حیثیت سے بڑھکر سوال کیا) اور بڑے سرے کی سرکشی کی۔

(۲۲) يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰۗىِٕكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ جسدن یہ فرشتوں کو دیکھتے ہیں (اور وہ موت کا دن ہوتا ہے۔ اُسدن انھیں دنیا میں رہنے کی مہلت نہیں ملتی) اُسدن مجرموں کے

لئے کوئی خوشخبری نہیں ہوتی اور وہ (ان فرشتوں کو دیکھکر) کہتے ہیں کہ کوئی روک حائل ہو جائے (تاکہ تم ہمیں نظر نہ آؤ)

(۲۲) وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝

اور ہم اُن کی ان کوششوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ جو اُنھوں نے (اس دنیا میں حق کی مخالفت میں) کی ہیں۔ سو ہمنے اُن (کوششوں) کو پراگندہ غبار (کی طرح) بنا دیا (اُن کا کوئی مفید ثمرہ نہیں نکلیگا۔ ابھی یہ مغلوب ہونگے)

(۲۴) اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝

جنت والے لوگ (یعنی متقی) اُسدن (یعنی ہجرت کرنے کے بعد) ٹھکانے کے لحاظ سے بہتر اور جائے آرام کے لحاظ سے عمدہ ہونگے (انصار اُنھیں مدینہ میں حاکم بنا کرلے گئے)

(۲۵) وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝

(پھر بدر کی فتح کا زمانہ آئیگا جیسا کہ ارشاد ہے) اور جسدن سماء سے بادل پھوٹ پڑیں (اور بارش ہو) اور فرشتے (ظالم کافروں کو سزا دینے کے لئے اور مومنوں کو ثابت قدم رکھنے کے لئے) اُتارے جائیں جیسا کہ اُتارنے کا حق ہے۔

(۲۶) اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝ اُسدن بادشاہی رحمان کے لئے ثابت ہوگی اور کافروں پر یہ (مغلوبیت کا) دن (ہمیشہ) سخت ہوتا آیا ہے۔

(۲۷) وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ (رسول کریم اور مومنوں کو ظالم لوگ صرف اسلئے ستاتے

تھے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے ۔ رسول اور مومنین کو مجبوراً ہجرت کرنا پڑی ۔ کافروں نے وہاں بھی چین نہ لینے دیا ۔ مسلمانوں کی سخت کمزوری کے وقت اللہ تعالیٰ نے اُن کو بدر کی فتح عطا فرمائی ۔ کافر زیادہ برافروختہ ہوئے ۔ آخر کار رسول کریم نے وہ اقبال دیکھا جو کسی مدعی رسالت نے نہیں دیکھا ۔ اُسدن خدا کار مسلمانوں نے بھی اسی دنیا میں اپنی محنتوں کا پھل پایا ۔ قریش کے ظالم حاکم دوسرے حاکموں کی مدد کے وعدے پر پھولے ہوئے تھے ۔ وہ وعدے بھی اُن کے کام نہ آئے ۔ دشمنوں نے دشمنی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ۔ لیکن اللہ ہی کافی ہادی اور مددگار ہے ۔ جیسا کہ ارشاد ہے) اور جسدن ظالم (پچھتاتا ہوا) اپنے ہاتھ کاٹیگا ۔ کہیگا اے کاش میں اس رسول کے ہمراہ ہوکر راستہ پکڑتا (اور میں بھی برسرعروج پہنچتا ۔ یہ رسول خدا تعالیٰ کی طرف سے سچے وعدے لیکر آیا ہے)

(۲۸) يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ اے افسوس میں فلاں شخص کو دلی دوست نہ بناتا ۔

(۲۹) لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ۗ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝ بلاشبہ اس (دوست) نے مجھ کو اس ذکر (یعنی قرآن) سے گمراہ کر دیا پیچھے اس کے کہ یہ میرے پاس (خدائے تعالیٰ کی طرف سے) آیا (اور میری فطرت نے اسے صحیح سمجھا ۔ لیکن اس شیطان دوست نے مجھے شرارت پر آمادہ کیا) اور شیطان کا قاعدہ چلا آیا ہے کہ وہ انسان کا ساتھ مصیبت میں چھوڑ دیا کرتا ہے ۔

(۳۰) وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ اس رسول نے (اپنے رب کے آگے شکایت کی اور) کہا اے میرے پروردگار بلاشبہ میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا ہے (اور اسے ہذیان اور بے معنی بات سمجھا ہے)

(۳۱) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۝ (تمام نبیوں کے ساتھ لوگ اسی طرح دشمنی کرتے آئے ہیں اور وحی الٰہی کی قدر کو مٹاتے رہے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) اور اسی طرح ہمنے ہر نبی کے لئے مجرموں سے دشمن بنائے (وہ ہماری ہدایت اور مدد کو روک نہیں سکے) اور تیرا رب ہدایت دینے اور مدد کرنے میں کافی ہے۔

(۳۲) وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ (کافر کہتے تھے کہ اگر قرآن کافی ہے تو یک لخت سارے کا سارا کیوں نہیں اُتر آتا۔ آج تک آہستہ آہستہ ہی اُترتا رہا ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں فرمایا) اور ناقدردان لوگوں نے کہا کہ یہ قرآن اس پر سارے کا سارا ایک ہی دفعہ نازل کیوں نہیں کیا جاتا۔ بات یونہی ہے (دوسرے رسولوں کے ساتھ بھی یہی قاعدہ جاری رہا ہے۔ قرآن کو آہستہ آہستہ اُتارنے کا فائدہ یہ ہے) تاکہ ہم اس کے ساتھ تیرے دل کو قائم رکھیں (مصیبت کے وقت میں تسلی کا آنا دل کو قائم رکھتا ہے۔ لیکن ایک دفعہ ہی ساری تسلیاں اُتار دینا اور مصیبت کے دیگر اوقات کا خیال نہ رکھنا صحیح نہیں ہے) اور ہمنے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا ہے (تاکہ تو اسے یاد کرنے کے بعد لوگوں کو سنا سکے اور کاتبوں سے لکھوا سکے۔ نئے لوگوں پر یک لخت تمام بوجھ ڈال دینا صحیح نہیں)

(۳۳) وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝ (لوگوں کے سوالوں کے جوابات بھی اسی صورت میں لائے جا سکتے ہیں جبکہ وحی آہستہ آہستہ نازل ہو۔ اور قرآن کی وحی والی تفصیل و تشریح بھی آہستہ آہستہ اُتارنے سے ہی لائی جا سکتی ہے۔ قرآن کی وحی والی تفسیر کا قرآن میں ہی لایا جانا ضروری ہے۔ ورنہ مسلمانوں کے پاس ایک کامل اور محفوظ وحی ہرگز نہیں رہ سکیگی جیسا کہ ارشاد ہے) اور یہ لوگ تیرے پاس کوئی بیان (بطور اعتراض کے) نہیں لاتے مگر ہم تیرے پاس اُسکا

جواب) حق کے ساتھ اور عمدہ تفسیر کے ساتھ لاتے ہیں (اس سے بڑی صفائی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی وہ تفسیر جسکا وحی کے ساتھ لانا ضروری ہے۔ قرآن میں ہی آگئی ہے۔ قرآن کی کوئی وحی والی تفسیر قرآن کے باہر نہیں پائی جاسکتی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو عجمی قرآن بناتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتوں کی تفصیل کیوں نہیں کی گئی۔ کیا قرآن عجمی ہو اور قوم عربی۔ تو کہدے کہ یہ قرآن ایمانداروں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ بے ایمان ہیں اُن کے کانوں میں بوجھ ہے۔ اور یہ قرآن اُن کے آگے ایک معمہ ہے ۲۴/۱۹ جسکی تفسیر روایتوں سے لینی پڑتی ہے معاذ اللہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی تفصیل قرآن میں ہی آنی چاہیئے۔ اگر حدیثوں میں قرآن کی وحی والی تفسیر لانی ضروری ہوتی تو وہ علیحدہ طور پر عربی حدیثوں میں بھی لائی جاسکتی تھی۔ پس قرآن کو آہستہ آہستہ اُتارنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس صورت میں قرآن یک لخت بھی اُتارا جاسکتا تھا۔ اور تفصیل قوم کے سوال کرنے پر آہستہ آہستہ بھی الگ طور پر لائی جاسکتی تھی۔ علاوہ بریں وَلَآ اُنْذِرَكُمْ بِهٖ ۱۹ سے بھی یہ بات سورج کی طرح ظاہر ہے۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی تفسیر کرنیوالا خود خدا ہی ہے۔ یہ وحی والی تفسیر کسی بندے کے ذمے نہیں ڈالی جاسکتی۔ رسول کے لئے ضرور ہے کہ پہلے اپنی قوم ہی کو ڈرائے۔ یہ بات غیر قدرتی ہے کہ عجم کا رسول ابتدا میں عرب کی اصلاح کے لئے آئے)

(۳۴) اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (جو لوگ اپنے چاؤں اور توہمات کے سبب صاف وصریح حق کا مقابلہ کر رہے ہیں وہ شرک اور ضلالت پر مونہوں کے بل دھکیلے جا رہے ہیں۔ اُن کی شرارت واضح ہے اور وہ ایسے راستے پر چل رہے ہیں جس کا نتیجہ کبھی نیک نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ فرمایا) وہ لوگ جو اپنے مونہوں کے بل (یعنی اوندھے ہوکر) جہنم کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔ یہ لوگ مرتبے یا حالت کے لحاظ سے بہت بُرے ہیں اور راستے کے لحاظ سے بہت بہکے ہوئے ہیں۔

رکوع چہارم (۳۵) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۝ (اب اس نتیجے کو تاریخی نمونے پیش کرکے سامنے لایا جاتا ہے) اور بالتحقیق ہمنے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو وزیر (یعنی بوجھ اٹھانے میں شریک اور مددگار) بنایا۔

(۳۶) فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۝ سو ہمنے کہا کہ تم دونوں اُس قوم کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیات (وحی وقدرت) کو جھٹلایا (وہ دونوں حکم الٰہی کے مطابق قوم فرعون کی طرف گئے۔ اُس قوم نے ہر طرح کی شرارتیں کیں۔ آخر حق غالب ہوا اور باطل مٹ گیا) حاصل یہ ہے کہ ہمنے اُن کو بُری طرح سے ہلاک کیا (فرعون نے پوری تیاری کے ساتھ اُن کا تعاقب کیا۔ اللہ تعالےٰ نے اُن میں سے ایک کو بھی اُن کی شرارت کے نتیجے میں بچنے نہیں دیا)

(۳۷) وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ اور نوح کی قوم کو بھی جبکہ اُنھوں نے (خدا کے) پیغام لانیوالوں کو جھوٹا کہا ہمنے اُنکو غرق کردیا اور اُنھیں لوگوں کے لئے ایک نشان (یعنی عبرت) بنایا۔ اور ہمنے سب ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہوا ہے۔

(۳۸) وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝

اور عاد اور ثمود اور کوئیں والوں کو اور اُن کے درمیان بہت سے زمانے والوں کو بھی (ہلاک کردیا۔ جسطرح اصحاب اخدود مومنوں کو آگ میں جلاتے تھے۔ یہ لوگ مومنوں کو کوئیں میں بند کرکے اوپر سے پتھر کے ساتھ ڈھانپ دیتے تھے اور تڑپا تڑپا کر مارتے تھے۔ ظالموں نے کبھی اپنے ظلموں کا خیال نہیں کیا۔ لیکن

نیکوں پر اعتراض کرنے کے لئے پیش پیش ہوتے ہیں۔ ظالم ہر طرح کی شرارت کیا کرتے ہیں جو شخص اصلاح کی تعلیم دیتا یا اسکا بیڑا اٹھاتا ہے وہ اس کی قدر کرنے کی بجائے اس کے دشمن بن جاتے ہیں اور اپنی دشمنی کو حق بجانب سمجھتے ہیں کہ جو جی چاہے بکواس کر جائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص قرآن مجید کو صاف طور پر سنائے تو کہتے ہیں کہ اس قرآن کو نہ سنو اور شور مچاؤ تاکہ تم غالب آؤ۔ ظالم ہمیشہ جبر مذہبی کے حامی ہوتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اگر موقعہ ملے تو مروجہ مذہب سے پھر جانے والوں کو قتل کر دیں۔ اعتقادیات کا تعلق صرف خدا تعالےٰ کے ساتھ ہے۔ انسانوں کو آپس میں معاملات صحیح رکھنے چاہئیں)

(۳۹) وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ۝ اور ہر ایک کی ہمنے مثالیں بیان کر دی ہیں اور ہر ایک کو ہمنے بُری طرح سے ہلاک کر دیا۔

(اللہ تعالےٰ نے کئی ایک قوموں کی ہلاکت کا کھول کر ذکر کیا ہے اور باقی اقوام کی تباہی کا حال اکٹھا ہی بیان کر دیا ہے۔ مبلغ اُن کے پاس حق کو لاتے تھے۔ حق کے مقابلے میں باطل ہمیشہ شکست کھاتا آیا ہے۔ حق وہ ہے جو دراصل ثابت شدہ اور محکم ہو۔ وہ حق نہیں ہے جسکو دوسروں کے بے دلیل اقوال سے حق بنایا جائے۔ حق کسی کے کہنے سے حق نہیں بنجاتا وہ خود ہی حق ہوتا ہے۔ جاہل حق کی تعریف اپنے خیالات کے مطابق کر کے اپنی باتوں کو حق بتاتے ہیں اور دوسرے حق والوں کو بھی باطل پرست سمجھتے ہیں۔ تقلید کی محبت لوگوں کو اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔ خدا تعالےٰ قرآن مجید میں حق اسی کو کہتا ہے جو اس کے حقانی منشا کے مطابق ہے۔ حق خدا تعالےٰ کی ساخت سے ہی حق ہوتا ہے۔ محض کسی کے کہنے سے حق نہیں بن جاتا۔ اعمال صالحات کا بھی یہی حال ہے۔ قرآن مجید قوموں کے حالات کو بیان کر کے یہی بات سکھاتا ہے۔ پس قوموں کی نجات اور تباہی کا باعث وہی باتیں ہیں جنکو قرآن نے معقول طور پر بصفائی تمام بیان کر دیا ہے)

(۴۰) وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۚ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ۝ (اب قوم لوط کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے) اور بالتحقیق یہ لوگ (یعنی قریش) اس بستی پر گذرے ہیں جسپر بُری بارش

کی گئی (اس پر کھنگر برسائے گئے اور اُسے بحیرہ مردار کی صورت میں بدل دیا گیا) پھر کیا یہ اس کو نہیں دیکھتے رہے۔ نہیں نہیں بلکہ یہ آخرت کے (ارتقا کے) اُمیدوار نہیں (جب بدیاں دنیا میں یہ ثمرہ لاتی ہیں تو انسان کے اندر جو برائیاں موجود ہیں اُن کی بھی اصلاح ہونی چاہیئے)

(۴۱) وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ (اس تعلیم کو سنکر یہ لوگ تجھ کو ٹھٹھے میں اُڑاتے ہیں جیسا کہ فرمایا) اور جب یہ تجھے دیکھتے ہیں تو تجھے محض ٹھٹھے میں اُڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کیا یہ وہ شخص ہے جسے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

(۴۲) اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ اگر ہم ان معبودوں پر ٹکے نہ رہتے تو بلاشبہ یہ قریب تھا کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکا دے (اور گمراہ کر کے ہمیں ان سے پرے ہٹا دے) اور (اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ) یہ لوگ قریب ہی جان لیں گے جبکہ عذاب کو دیکھیں گے کہ کون راستے کے لحاظ سے بڑا گمراہ ہے۔

(۴۳) اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝

(ان کو حق کا خیال نہیں اُنھوں نے اپنی خواہش نفسانی کو ہی معبود بنایا ہوا ہے۔ جیسا کہ فرمایا) کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفسانی کو معبود بنایا ہوا ہے۔ پھر کیا تو اس پر وکیل بنکر آئیگا۔

(۴۴) اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ ؕ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ یا کیا تو گمان کرتا ہے کہ ان کے بہت سے لوگ (تحقیقات کی غرض سے) سنتے یا (خود ہی) عقل کرتے ہیں

نہیں نہیں وہ تو صرف چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی راستے میں بھٹکے (اور گئے گذرے) ہوئے ہیں۔

رکوع پنجم (۴۵) اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۝ (اسوقت دنیا میں اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔ اللہ تعالےٰ سورج کو چمکا دیگا اور اندھیرے کو سمیٹ لیگا۔ رات دن کے نمونے سے بھی یہ بات ظاہر ہے۔ اسوقت زمین خشک پڑی ہے۔ اللہ تعالےٰ وحی کی بارش کر رہا ہے۔ موت کے بعد زمین زندہ ہو جائیگی۔ خدا نے ہر جگہ وحی کی بارشیں کی ہیں لیکن لوگ بے قدری ہی کرتے رہے ہیں۔ خدا چاہے تو اسوقت بھی ہر بستی میں نذیر بھیج سکتا ہے۔ لیکن قرآن مجید بہمہ وجوہ کامل ہے۔ اور جاہلیت کا زمانہ گذر چکا ہے۔ اب نئی روشنی کا زمانہ آیا ہے۔ قرآن مجید ہی اکیلا تمام دنیا کے لئے کفایت کریگا۔ سوائے رسول تو اسی قرآن کے ساتھ کوشش کر۔ جسطرح کڑوے اور میٹھے دو سمندر ہوتے ہیں۔ اسی طرح کفر بھی جوش مارتا رہیگا۔ لیکن حق اسپر غالب آئیگا۔ اور اُسے پرے ہٹا دیگا۔ انسان کو خدا نے صاحب اختیار بنا کر اُس کے رشتے ناطے بنائے ہیں۔ تاکہ وہ خدا کے حکم کے مطابق دنیا میں امن پھیلائے۔ لیکن کافر غیروں کو پوجتے ہیں۔ اور خدا کی طرف پیٹھ پھیرے ہوئے ہیں۔ تیرا کام خوشخبری دینا اور ڈرانا ہے۔ تو ان سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ تو صرف یہی چاہتا ہے کہ لوگ اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ سو تو اُس خدا پر جو ہمیشہ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرتا۔ بھروسہ کر۔ وہی ہر شے کا خالق ہے۔ اور تمام اشیاء پر متصرف ہے۔ رحمٰن اُسی کا نام ہے جیسا کہ فرمایا) کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا (اور اُس کی قدرتوں پر غور نہیں کیا) کہ کس طرح اُس نے سائے کو پھیلایا۔ اور اگر وہ چاہتا تو اُسے ساکن (و قائم) بنا دیتا۔ پھر ہمنے سورج کو اُس سائے پر دکھلانے والا (اور رہنمائی کرنے والا) بنایا۔

(۴۶) ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝ پھر ہمنے اُس سائے کو اپنی طرف بلا تکلف سمیٹ لیا۔

(جب رات پڑتی ہے تو زمین کا سایہ سورج کے دوسری طرف مچھلی کی طرح پھیلا ہوا

ہوتا ہے۔ اگر زمین اور سورج کی حرکت بند کر دی جائے تو وہ سایہ ساکن ہو جائیگا۔ اور اگر زمین کا خطِ استواء مدار زمین پر واقع ہوتا تو خطِ استواء کے ایک طرف ہمیشہ رات رہتی اور دوسری طرف ہمیشہ دن رہتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہمارے فوائد کی خاطر سورج کو لے آتا ہے اور اُس اندھیرے کو اپنی طرف سمیٹ لیتا ہے۔ اور رات آہستہ آہستہ خدا کو سجدہ کرتی ہوئی دوسری طرف چلی جاتی ہے۔ تمام اشیاء کے سائے خدا کو ہی سجدہ کر رہے ہیں اور اُس کے حکم سے باہر نہیں ہیں ۱۲)

(۴۷) وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ۝ (آگے رات کا فائدہ بتلایا ہے) وہی خدا تو ہے جس نے رات کو تمہارے لئے پردہ بنایا اور نیند کو (کام کاج سے الگ کر کے) باعث آرام بنایا اور دن کو پھیل پڑنے کا وقت بنایا۔

(۴۸) وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا ۝ اور وہی تو ہے جس نے ہواؤں کو اپنی رحمت (یعنی بارش) سے پہلے خوشخبری دینے والی بنا کر بھیجا اور آسمان سے پاک کرنے والا پانی اُتارا (وہ پانی تبخیر کے سبب سے بالکل پاک بن جاتا ہے ہاں ہوا سے نباتات کے بعض جرمز کو لیکر اُترتا ہے)

(۴۹) لِّنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَّأَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ۝ تاکہ ہم اس (پانی) کے ساتھ مردہ شہر کو زندگی بخشیں اور تاکہ ہم اُسے اپنی پیدا کردہ اشیاء سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو پلائیں

(۵۰) وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَأَبٰى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُوْرًا ۝ اور بالتحقیق ہم اس (بارش) کو اُن کے درمیان پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ یہ نصیحت پکڑیں (اور سمجھیں کہ خدا ہی ہمارا رازق ہے۔ اسوقت کل

وحی کی بارش ہو رہی ہے) سو اکثر لوگ کفر کرنے کے بغیر نہیں ٹلے۔ (تاریک زمانوں میں جبکہ لوگ الگ الگ پڑے تھے اور ایک ملک کی خبر دوسرے ملک میں نہیں پہنچتی تھی صرف بادشاہ فوجیں لیکر اور سوداگر قافلے بنا کر مدت ہائے دراز کے بعد دوسرے ملکوں میں پہنچتے تھے۔ راستے میں بہت سے خطرات کا مقابلہ ہوتا تھا۔ اب دنیا ایک گھر کے حکم میں آگئی ہے اور معقول پسند بھی ہو گئی ہے۔ قرآن مجید اپنے کمال کے ساتھ ہر قریہ میں موجود ہے)

(۵۱) وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ۝ (تاریک زمانوں میں ہر ہر قوم کے اندر رسول بھیجے گئے)

اور اگر ہم چاہتے تو (اسوقت بھی) ہر ہر بستی میں نذیر مبعوث فرماتے (جب کامل کتاب پہنچ گئی جس نے تمام انسانوں کو متحد ہونے کے طریقے سکھائے تو ایسی صورت میں کسی اور کتاب کی ضرورت نہ رہی)

(۵۲) فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ۝ سو تو ان ناقدردانوں کی پیروی مت کر اور تو ان کے ساتھ اسی (قرآن) کے ذریعے سے بڑی کوشش کر (رسول مقبول نے قرآن کی کامل تعلیم کی بحکم الٰہی لوگوں کے آگے شہادت دیدی۔ اب دوسرے مبلغ اسے اور لوگوں تک پہنچائیں گے۔ تاریک زمانوں میں بادشاہ بالعموم خود مختار ہوتے تھے۔ اب وہ بادشاہی جاتی رہی ہے اور شوریٰ کی حکومت ہو گئی ہے۔ قرآن کی کامل اور متحد کر دینے والی تعلیم کے آجانے کے بعد کسی تشریعی وحی کی ضرورت نہیں۔ وہ تمام قرآن میں ہی آگئی ہے۔ باقی معاملات کا فیصلہ خود قرآن نے شوریٰ پر ڈالا ہے۔ تاریک زمانوں میں نبی ہر قریہ و قوم میں آئے ہیں۔ لوگوں نے ان رسولوں کی اپنی باتوں کو ہی خدا کی وحی کی مانند بنا دیا۔ اس سے دنیا میں اختلاف و فرقہ بندی کا زور ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی کامل اور متحد کر دینے والی تعلیم اتار کر اس فرقہ بندی کو مٹانے کی تعلیم دی ہے)

(۵۳) وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ۝ (قرآن مجید

حق ہے۔ حق کے میٹھے سمندر کے ساتھ خدا تعالیٰ نے اعتراضات و شبہات کا کڑوا سمندر بھی بنایا ہے۔ اگرچہ وہ دونوں سمندر ساتھ ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے سمجھداروں کے لئے اُن میں امتیاز اور فرق بھی رکھا ہے۔ انسانوں کو چاہئے کہ حق اور ھوٰی میں فرق کرنا سیکھیں جیساکہ ارشاد ہے) اور وہی خدا تو ہے جس نے دو سمندروں کو ملایا۔ یہ میٹھا خوشگوار ہے اور وہ نمکین سینہ جلانے والا ہے۔ اور اُس (خدا) نے ان دونوں کے درمیان ایک (قدرتی) پردہ اور سخت رُکاوٹ ڈالدی ہے۔

(۵۴) وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ۝ (اس فرق کو سمجھنے کے لئے اُس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اور امن قائم رکھنے اور حق حقوق ادا کرنے کی خاطر نسبی اور سببی علاقے بنائے ہیں۔ جیساکہ ارشاد ہے) اور وہی تو ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا۔ پھر اس کے رشتے اور ناطے بنائے اور تیرا رب بڑی قدرت والا (اور خوب اندازے لگانے والا) ہے۔

(۵۵) وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ۝ (افسوس ہے کہ انسان بن کر لوگ غیروں کو پوجتے ہیں اور بندوں کی تقلید کرتے ہیں۔ جیساکہ فرمایا) اور یہ لوگ اللہ کے سوائے ان کو پوجتے ہیں جو نہ اُنھیں نفع دیتے ہیں اور نہ ان کا کچھ بگاڑ ہی سکتے ہیں۔ اور کافر اپنے رب کی طرف پیٹھ پھیرے ہوئے ہے (اور رب کا مخالف ہو کر ظالموں کا مددگار بن رہا ہے)

(۵۶) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ (تمہیں تو ہم نے اصل وحی کا پتہ بتلانے کے لئے بھیجا ہے ورنہ تیرا اس میں کوئی دخل نہیں) اور ہمنے تجھ کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

(۵۷) قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ (تو تو انھیں رب کی طرف بلاتا ہے تو ان سے اپنے لئے کوئی اجر نہیں مانگتا) تو کہہ دے میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا صرف یہ (چاہتا ہوں) کہ جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ پکڑے۔

(۵۸) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَۨا ۝ (یہ لوگ تجھے ہر طرح کی تکلیفیں پہنچاتے ہیں) اور تو اس زندہ (خدا) پر توکل کر جو کبھی نہیں مرتا (وہ تیری حفاظت کریگا) اور (اس کے لئے ضروری ہے کہ) تو اس کی حمد کے ساتھ اسکی تسبیحیں کر اور وہ (خدا) اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی (اور پورا) خبردار ہے۔

(۵۹) ۨالَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝ (وہ خدا تمام عالمین پر پورا متصرف ہے) جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیانی اشیاء (یعنی وسائط) کو چھ دنوں (یعنی زمانوں) میں پیدا کیا ہے۔ پھر وہ (تدبیر و تصرف کرنے کے لئے) اپنے عرش (حکومت) پر ٹھیک بیٹھا (اس کی حکمرانی میں کوئی نقص نہیں) وہ رحمٰن ہے (زمین و آسمان۔ چاند سورج۔ ہوا پانی وغیرہ کو اس نے تمہاری خدمت کے لئے بنایا ہے۔ وہ رحمان یعنی بلا استحقاق رحمت کرنے والا ہے۔ اگر اس نام میں تجھے کوئی شک ہو) تو اس (نام) کو کسی خبردار سے پوچھ لے۔

(۶۰) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝ (نیک عیسائی رحمٰن کی پوجا کرتے تھے ہیں مگر مکہ کے مشرکین رحمان کے منکر تھے۔ انھوں نے رحمت کے مالک بہت سے بنائے ہوئے

تھے۔ اسلئے فرمایا) اور جب اُنھیں کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو تو یہ کہتے ہیں کہ رحمان کیا ہوتا ہے۔ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جسکا حکم تو دیتا ہے اور (ہمارا یہ حکم) اُنھیں نفرت میں بڑھا دیتا ہے۔

رکوع ششم (۶۱) تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ○ (رحمان کا وجود یقینی طور پر ثابت ہے۔ فطرت اس کی گواہی دیتی ہے۔ اصلی حق کا کوئی انکار نہیں کر سکتا) وہ ذات پاک بڑی برکت والی ہے جس نے آسمان میں بُرج (یعنی تاروں کے جتھے) بنائے اور ان میں چراغ (یعنی سورج) اور روشن چاند بنایا (جو سورج سے روشنی لیتا ہے)

(۶۲) وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ○ (تم وقت کو ضائع نہ کرو اور رات اور دن میں اُسکا شکر بجا لاؤ) اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو اُس شخص کے لئے جو نصیحت حاصل کرنے (اور خدا کو یاد رکھنے) کا ارادہ کرے یا شکر گذاری کا خواہاں ہو ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا ہے۔

(۶۳) وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○ (اب رحمان کے بندوں کی صفات بیان کی جاتی ہیں۔ رحمان کے بندے رات کو خدا تعالےٰ کی طرف دھیان لگاتے ہیں۔ اور دن کو اس کی نعمتوں کی قدردانی کرتے ہیں۔ دن کو رات کی کوتاہیوں اور رات کو دن کے نقصانوں کی تلافی کرتے رہتے ہیں۔ جسطرح رحمان بلا استحقاق رحمت کرتا ہے وہ بھی بدی کے مقابلے میں سلامتی کی بات کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری (اور تواضع) کے ساتھ چلتے ہیں (وہ نہیں چاہتے کہ کسی کیڑے مکوڑے کو بھی بیدردی سے مسل ڈالیں) اور جب اُن سے جہالت پسند لوگ (جاہلانہ) باتیں کرتے ہیں تو وہ سلام (یعنی سلامتی کی بات) کہتے ہیں (اور

عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ کو جہالت کی باتیں ہی پسند ہیں تو ہمارا آپ پر کوئی جبر نہیں ہے۔ ہم تو اُن کو ڈھونڈتے ہیں جو حق کے طالب ہیں ۲۰۔ یہ معاملہ تو اُن کا خلق کے ساتھ ہوا آگے خالق کے ساتھ ان کا معاملہ بیان کیا جاتا ہے)

(۶۴) وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ اور جو کہ اپنے رب کے لئے رات کے وقت سجدہ اور قیام کرتے رہتے ہیں۔ (اگر سجدے میں آرام کے سبب غفلت آجائے تو اگر طاقت رکھتے ہیں تو کھڑے ہو کر یاد الٰہی کرتے ہیں۔ ہر نماز میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مجھ میں کچھ نہ کچھ خشوع پیدا ہو گیا ہے؟)

(۶۵) وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اور جو لوگ (اپنے بچاؤ کی خاطر دعا مانگتے ہیں اور) کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کا عذاب ٹال دے (ہمارے اھوا ہمیں جہنم کی طرف کھینچ رہے ہیں) بلاشبہ اس (جہنم) کا عذاب چمٹ جانے کو تیار ہے۔ (نبی تو ضرور ہی ایسی دعائیں انگا کرتے ہیں۔ اُن کو بھی اپنے نفس کی طرف سے ہمیشہ خطرہ رہتا ہے ہمارے نبی کو حکم ہے کہ تو کہہ اے میرے رب میں شیطانی وساوس سے تیری پناہ میں آتا ہوں الخ ۱۸)

(۶۶) اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ بلاشبہ یہ (جہنم) ٹھہرنے کے لحاظ سے اور (پھر) رہ پڑنے کے لحاظ سے بہت بُری جگہ ہے۔

(۶۷) وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ (نرمی اور عبادت بخل کے ساتھ نکمی ہو جاتی ہے اسلئے فرمایا) (اور رحمان کے بندے وہ ہیں) جو کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ حد سے نکلتے ہیں اور نہ تنگدلی کرتے ہیں اور ان کے درمیان اعتدال پر قائم رہتے ہیں (نہ اتنا خرچ کرو کہ خود کام سے رہ جاؤ اور نہ ایسی تنگدلی دکھاؤ کہ قابل ملامت بنجاؤ

(۶۸) وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا

(تین کاموں سے بچنا ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ یہ تمام گناہوں میں سے بڑے گناہ ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے) اور جو کہ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے (پس شرک سے بچنا سب سے بڑھکر ضروری ہے۔ لازم ہے کہ کسی شخص کو خدا کے ساتھ مثلہٗ معہٗ اور خیر الحاکمین اور اصل مطاع نہ بنایا جائے) اور وہ اس جان کو جس سے اللہ نے روکا ہے قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ (جو جبر مذہبی کا حامی بنکر لوگوں کو خونریزی پر آمادہ کرے بلا قصاص کے بغیر ہی کسی کو مار ڈالے بلاشبہ وہ شر الدواب ہے) اور وہ زنا نہیں کرتے (مرد و عورت کو چاہیئے کہ ایک دوسرے کے حقوق کی نگہبانی کریں) اور جو شخص یہ (کبیرے گناہ) کرے تو وہ ضرور اپنے گناہ کا خمیازہ بھگتتا ہے۔

(۶۹) يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۙ

پیشی کے دن اُس کے لئے عذاب بڑھایا جاتا ہے اور اس میں وہ ذلیل ہو کر رہ پڑتا ہے۔

(۷۰) اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ مگر جو شخص توبہ کرے اور امن دیوے اور صلاحیت والے عمل کرے (شرک کے مقابلے میں توحید پر عامل ہو۔ قتل کے مقابلے میں امن والا بن جائے۔ ہاں قتل عمد کی سزا تو ضرور ملنی چاہیئے اور زنا کے مقابلے میں عفیف بن جائے) پس یہ لوگ جو ہیں تو اللہ ان کی بدیوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے (اور بدیوں کو محو کر دیتا اور ان کی جگہ نیکیاں پیدا کر دیتا ہے) اور اللہ ہے ہی بخشنے والا رحم والا (پس چاہیئے کہ انسان جلد ہی توبہ کرے)

(۴۱) وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۝ (جس شخص کے لئے بدی کی اصلاح کرنے کا موقع ہے اُس کی توبہ اصلاح کے ساتھ ہی قبول ہوگی۔ لیکن جس کے لئے اصلاح کرنے کا موقع نہیں اُس کے لئے بھی تائب ہونا ضروری ہے ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ اُسے خود ہی معاف کردے اسلئے فرمایا) اور جس شخص نے توبہ کی اور صلاحیت والا کام کیا۔ پس سو بلاشبہ وہی شخص اللہ کی طرف اصل توبہ کرتا ہے (جھوٹی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں)

(۴۲) وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۝ (جھوٹ سے ہر جگہ بچنا چاہیے) اور وہ لوگ جو جھوٹ کی شہادت نہیں دیتے اور جب کسی بیہودہ بات پر گذرتے ہیں تو بزرگانہ گذر جاتے ہیں (اس میں شامل نہیں ہوتے)

(۴۳) وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ۝ (وہ ہر کام سمجھ کر کرتے ہیں۔ سمجھ کے بغیر آیات الٰہی بھی اکثر دفعہ کوئی کام نہیں دیتیں) اور (رحمان کے بندے) وہ ہیں جب اُنھیں اپنے رب کی آیات کے ساتھ نصیحت دیجاتی ہے تو وہ ان آیتوں پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے (مقلدانہ طور پر یا محض روایات سے اُنھیں نہیں مانتے بلکہ خود سمجھتے ہیں کہ ان کا کیا منشا ہے۔ اگر کوئی بات اصل مقصود سے خالی ہو تو لغو بن جاتی ہے)

(۴۴) وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۝ (رحمان کے بندے اپنے ساتھ اپنے اہل وعیال کی بھی اصلاح کرتے ہیں اسلئے فرمایا) اور جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما (اُنھیں متقی بنا) اور ہمیں ان متقیوں کا امام بنا دے (ہمارے اہل وعیال بھی حاصل کرکے ہماری نصیحت سے فائدہ اُٹھائیں)

(۵) اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝

یہ لوگ جو ہیں تو انھیں اُن کے صبر کے سبب سے (جنتی) بالاخانوں (یعنی شہ نشینوں) کی جزا ملتی ہے۔ اور وہ ان (بالاخانوں) میں (بیٹھے ہوئے) دعائیں اور سلام پاتے ہیں۔

(۶) خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ وہ ان (خوشیوں) میں رہ پڑنے والے ہیں۔ یہ ٹھہرنے کے لحاظ سے اور (پھر) رہ پڑنے کے لحاظ سے بہت اچھی جگہ ہے

(۷) قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝ (تم عاجز انسان ہو۔ تمہاری حالت ترقی کی طالب ہے۔ نیکیوں سے تم کو ہی فائدہ ہوتا ہے۔ تم خدا کا کچھ نہیں سنوارتے۔ افسوس ہے کہ تم ان خوبیوں کو جھٹلا کر عذاب کو اپنے لئے لازم کر رہے ہو۔ اپنے آپ کو ہی بگاڑ رہے ہو۔ خدا کو کچھ ضرر نہیں پہنچاتے۔ جیسا کہ فرمایا) تو کہدے اگر تمہاری مانگ (یعنی طلب) نہ ہوتی تو خدا کو تمہاری کچھ پرواہ نہیں تھی (تم اسکا کچھ نہیں سنوارتے۔ مقابلہ کرکے اپنے آپ کو ہی بگاڑ رہے ہو) سو تمنے (اپنی طلب اور ضرورت کے بعد بھی حق کو) جھٹلایا پس (اسکا نتیجہ) قریب ہی لازم ہو جایا کرتا ہے۔

(اے خدا تو غنی حمید ہے۔ ہماری نیکیاں تیرا کچھ بھی نہیں سنوارتیں۔ ہمیں نیکیوں کی ضرورت ہے۔ تو مہربانی کرکے ہمیں اُن پر عامل بنا۔ ہمارے دلوں کو پاک کر اور اپنی وحی کے مکذب بننے سے بچا۔ تیرے سوا ہماری کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین)

تمت

التماس یہ منزل بھی ٹوٹی پھوٹی عبارت میں لکھی گئی ہے۔ کمترین اس کے بھی قابل نہ تھا هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ۔ خدا تعالےٰ اسے اپنے فضل سے ہی مفید بنائے۔ زیادہ سلام

کمترین احمد الدین